

احمدیہ
تعلیمی پاکٹ بک

مرتبہ

قاضی محمد نذیر صاحب فاضل

احمدیہ

تعلیمی پاکٹ بک

حصہ اول - دوم

مرتبہ -

قاضی محمد نذیر صاحب فاضل

ناظر اشاعت و تصنیف

نام کتاب احمدیہ تعلیمی پاکٹ بک حصہ اول۔ دوم
مصنف قاضی محمد نذیر صاحب فاضل
طبع اول دسمبر 1977ء
طبع دوم جون 2012ء
ناشر نظارت اشاعت ربوہ
مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ حال

جماعت احمدیہ کی علمی تربیت کے لئے احمدیہ تعلیمی پاکٹ بک حصہ اول شائع شدہ 1969ء اور حصہ دوم شائع شدہ 1970ء کو اکٹھا ایک جلد میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کو مرتب کرنے میں سید عبدالحی صاحب فاضل ایم اے اور مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری فاضل نے میرے ساتھ کام کیا تھا۔ اب اس کی کاپیاں قریشی محمد افضل صاحب فاضل نے دیکھی ہیں۔ غلطیوں کی دوسری پڑتال مولوی محمد صدیق صاحب نننگلی فاضل اور مولوی نصیر احمد خاں صاحب فاضل اور چوہدری عبدالملک صاحب فاضل نے میرے ساتھ مل کر کی ہے۔ اس کے دوسرے حصہ میں کچھ سوالات کے جوابات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے اور بعض جگہ ضروری تبدیلی بھی کی گئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور یہ جماعت کی تربیت کے لئے مفید ثابت ہو۔ اَللّٰهُمَّ آمین۔

خادم سلسلہ احمدیہ

قاضی محمد نذیر

ناظر اشاعت و تصنیف

2/12/77

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

بارِ دوم

احبابِ جماعت کی علمی تربیت اور دعوت الی اللہ میں معاونت کے لئے محترم قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری نے ایک مفید تصنیف ”احمدیہ تعلیمی پاکٹ بک“ کے نام سے مرتب فرمائی تھی۔ پاکٹ بک کا حصہ اول و دوم یکجائی طور پر 1977ء میں شائع ہوا تھا۔ ایک عرصہ سے یہ کتاب نایاب تھی اور اس کی طلب برقرار تھی۔ اس کے پیش نظر اس کو دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے تا احبابِ کرام احمدیہ علمِ کلام کے حوالہ سے اپنے علم میں اضافہ کر سکیں۔

اس کے موجودہ ایڈیشن میں حوالہ جات اصل مآخذ سے چیک کر کے دیئے گئے ہیں اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حوالہ جات روحانی خزائن سے جبکہ ملفوظات 2003 ایڈیشن، تذکرہ 2004ء ایڈیشن اور مجموعہ اشتہارات مطبوعہ بارِ دوم سے حوالے دیئے گئے ہیں۔ دیگر حوالہ جات بھی اصل کتب سے چیک کر کے دیئے گئے ہیں اور بعض مقامات پر ایڈیشن کی تبدیلی کی وجہ سے صفحات نمبر تبدیل ہوئے ہیں۔

اس ایڈیشن کی تیاری میں معاونت کرنے والے شکریہ کے مستحق ہیں۔ مکرم منیر احمد بھل صاحب ایڈیشنل ناظر اشاعت کی نگرانی میں مکرم ظفر علی طاہر صاحب مربی سلسلہ اور مکرم طاہر احمد شریف صاحب مربی سلسلہ نے حوالہ جات کی چیکنگ کا

کام کیا ہے۔ مکرم عطاء البصیر صاحب مربی سلسلہ نے اس کی کمپیوٹر سیٹنگ کی ہے جبکہ
مکرم محمد محمود طاہر صاحب نے مسودہ کی فائنل پروف ریڈنگ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان
سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور اس کتاب کی اشاعت کو نافع الناس بنائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

خالد مسعود

ناظر اشاعت

1/6/2012

فہرست مضامین

حصہ اول

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	(۱)	
	مسئلہ حیات و وفات عیسیٰ بن مریم علیہ السلام	3
	۱۔ آیات قرآنیہ سے وفات مسیح کا ثبوت	3
۱	آیت۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي	3
	حضرت رسول کریمؐ کا فیصلہ	5
	لفظ توفی کے متعلق تحقیق	6
	لغت عربی میں توفی اللہ فلاناً کے معنی	8
	توفی کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اعلان	10
۲	آیت یٰعِيسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ سے وفات مسیح کا ثبوت	12
	علامہ زمخشری کے نزدیک اس آیت کے معنی	14
	امام رازیؒ کا مذہب	15
	رفع کے لغوی معنی	16
	امام رازیؒ کے نزدیک اس آیت میں رفع کے معنی	16
	رفع کا استعمال قرآن کریم میں	17
۳	آیت وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے وفات مسیح کا ثبوت	19
۴	آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے وفات مسیح کا ثبوت	20
	خَلَا فُلَانٌ کے معنی لغت میں موت ہیں	21
	آیات قرآنی میں خَلَا کا استعمال موت کے معنوں میں	22
۵	آیت اختلاف سے وفات مسیح پر استدلال	22

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۶	سورہ فاتحہ سے وفات مسیح پر استدلال	23
۷	آیت هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا سے استدلال	24
۸	آیت میثاق النبیین سے وفات مسیح پر استدلال	26
ب	ان آیات کی تفسیر جن سے حیات مسیح پر استدلال کیا جاتا ہے	27
۱	آیت وَمَاقَتَلُوهُ وَمَاصَلَبُوهُ (النساء) کی تفسیر مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی کی توجیہ کارڈ	30
	وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا کے معنی	32
۲	بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ کی تفسیر	35
	جسمانی رفع اللہ تعالیٰ کی طرف محال ہے	37
	رفع مسیح کے متعلق امام رازیؒ کا مذہب	38
	علامہ محمود شلتوت	38
	الاستاذ مصطفى المراغی	38
	علامہ رشید رضا	39
	لسان العرب میں رفع کے معنی	39
	محاورہ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ کا استعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے	40
	معراج نبوی کی حقیقت	43
	مولوی محمد ابراہیم کے ایک اور استدلال کا ابطال	44
	مولوی محمد ابراہیم صاحب کا آخری نکتہ	46
۳	آیت وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ کی تفسیر	48
	اس آیت کی دوسری قرأت	49
۴	آیت إِنَّ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ (المائدہ) کی تفسیر	51

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۵	آیت وَاِنَّهُ لَعَلَّمَ لِّلْاِنْسَانِ کِتَابَہٗ	53
	ج۔ وفات مسیح علیہ السلام از روئے حدیث	56
۱	عیسیٰ علیہ السلام کی عمر	56
۲	لَوْ کَانَ مُوسٰی وَ عِیْسٰی حَیْثُ الْحَدِیْثِ	57
۳	اختلاف حلیمین	58
	وفات مسیح پر اجماع امت	60
	د۔ وفات مسیح پر بزرگان سلف کے اقوال	63
۱	حضرت حسن رضی اللہ عنہ	63
۲	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ	64
۳	حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ	64
۴	حضرت امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ	64
۵	حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ	64
۶	علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ	66
۷	ابو عبد اللہ محمد بن یوسف	66
۸	علامہ جہاکی	66
۹	شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ	67
	۵۔ وفات مسیح اور علماء مصر	68
۱	علامہ رشید رضا	68
۲	علامہ مفتی محمد عبدہ	68
۳	الاستاذ محمود دہلوت	68

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۴	الاستاذ احمد العجوز	70
۵	الاستاذ مصطفى الراغی	70
۶	الاستاذ عبدالکریم شریف	71
۷	الاستاذ عبدالوب التجار	71
۸	ڈاکٹر احمد زکی ابوشادی	72
	و۔ وفات مسیح اور علماء ہندو پاکستان	73
۱	حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ	73
۲	مولانا عبید اللہ سندھی	73
۳	نواب اعظم یار جنگ	74
۴	سر سید احمد خان بانی علی گڑھ یونیورسٹی	78
۵	مولانا ابوالکلام آزاد	79
۶	علامہ اقبال	79
۷	علامہ مشرقی	79
۸	غلام احمد پرویز	80
۹	سید ابوالاعلیٰ مودودی کا مذہب	80
	ز۔ نزول مسیح و ظہور مہدی	82
۱	نزول مسیح کے متعلق احادیث	82
	صحیح بخاری کی حدیث (وَ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ)	82
	صحیح مسلم کی حدیث (فَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ)	83
	مسند احمد بن حنبل کی حدیث (اِمَامًا مَّهْدِيًا)	84
	ابن ماجہ کی حدیث (لَا الْمَهْدِيُّ اِلَّا عِيسَىٰ بْنِ مَرْيَمَ)	84

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۲	اُمت محمدیہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے بروزی قائلین کے حوالہ جات	85
	خریدۃ العجائب کا حوالہ	85
	اقتباس الانوار کا حوالہ	86
	غایۃ المقصود کا حوالہ	86
	محی الدین ابن عربیؒ کا مذہب	86
۳	بروز کی حقیقت	87
	محمد اکرم صاحب صابری	87
	خواجہ غلام فریدؒ چاڑھاں شریف	87
	حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ	87
	مسیح موعود علیہ السلام کا بروزی نزول	88
۴	امام مہدی کے لئے ابن مریم کا نام بطور استعارہ ہے۔	88
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نزول کا استعمال قرآن کریم میں	89
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استعارہ ”ذکر“ کہا گیا ہے	89
۵	کنیت بھی بطور استعارہ استعمال ہو سکتی ہے	90
	یحییٰ علیہ السلام ایلیا کے بروز	91
۶	نزول کی حقیقت (قرآن کریم کے حوالہ جات)	92
	کسی صحیح حدیث میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے ساتھ سماء کا ذکر نہیں	93
۷	ابن مریم کے استعارہ کے قرینہ لفظیہ	93
	حیات مسیح پر اجماع کا دعویٰ باطل ہے	94
	احناف کے نزدیک پیشگوئیوں کے معنی پر اجماع ناجائز ہے	95
	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اعلان	95

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	(۲) مسئلہ ختم نبوت	97
	الف۔ جماعت احمدیہ کا عقیدہ	97
	ب۔ خاتم النبیین کے معنی	98
	لازم المعنی کی وضاحت	98
	لغوی معنی	101
	مفردات راغب کا حوالہ	101
	خاتمیت مرتبی	104
	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک مقام خاتمیت کا مفہوم	105
	ج۔ آیات قرآنیہ خاتم النبیین کی تفسیر میں	107
۱	إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ	108
۲	وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ	109
	مع کی بحث	110
۳	يَبْنِيْ اٰدَمَ اِمًا يَّا تَبَيَّنْكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ	113
۴	اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ	115
۵	وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّۦۙنَ	115
۶	وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا	117
۷	آیت استخلاف	118
	د۔ امت محمدیہ میں امکان نبوت از روئے حدیث	119
۱	اَبُوْبَكْرٍ اَفْضَلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ نَبِيٌّ	119
۲	نَبِيُّهَا مِنْهَا	120

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۳	لَوْعَاشَ (إِبْرَاهِيمُ) لَكَانَ صِدْقًا نَبِيًّا	121
۴	حدیث کی صحت و قوت	122
۵	ضعف روایت کی تردید	123
۶	درود مسنون سے امکان نبوت کا استنباط	126
۷	حدیث و اشواق الی اخوانی	127
۸	أَبُو بَكْرٍ وَ عُمَرُ سَيِّدَا كَهُولِ الْجَنَّةِ إِلَّا النَّبِيُّ	128
	ہ۔ انقطاع نبوت والی احادیث کا مفہوم	130
	از روئے اقوال بزرگان	130
	امام علی القاری علیہ الرحمۃ	130
	نواب نور الحسن خان	131
	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	131
	امام محمد طاہر علیہ الرحمۃ	132
	حضرت محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ	132
	امام شعرانی علیہ الرحمۃ	134
	حضرت عبدالکریم جیلانی علیہ الرحمۃ	135
	مولانا جلال الدین رومیؒ	135
	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	136
	حضرت مجتہد دالغ ثانی علیہ الرحمۃ	137
	مولوی عبدالحی لکھنوی	138
	مصنف غایۃ البرہان	138

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	و۔ انقطاع نبوت سے متعلقہ احادیث کی تشریح	139
۱	سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ	139
۲	إِلَّا أَنَّهُ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِي	142
۳	مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي	143
۴	لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ	144
۵	إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي	145
۶	خُتِمَ بِي النَّبِيُّونَ	146
۷	إِنِّي آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ	147
۸	أَنَا الْعَاقِبُ	148
۹	إِنِّي آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ	150
۱۰	أَنَا الْمُقَفَّى	150
۱۱	لَا نَبِيَّ بَعْدِي کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب	151
۱۲	حدیث لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوءَةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ کا مفہوم	152
۱۳	الْمُبَشِّرَاتِ نبوت کی جزئیات ہی ہے	153
	ز۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا؟	158
	(۳)	
	صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام	164
۱	فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا (الایہ)	164
۲	فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى (الایہ)	166
۳	كَتَبَ اللَّهُ لَا غُلَيْنَ أَنَا وَرُسُلِي (الایہ)	167
۴	فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ (الایہ)	168

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
169	وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ (الایہ)	۵
172	لَا يُظْهِرُ عَلٰی غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَّسُولٍ (الایہ)	۶
174	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں	
174	لیکھرام کے متعلق	ا
177	جلسہ مذاہب اعظم کے متعلق	ب
181	ڈاکٹر جان الیگزینڈر ڈوئی کے متعلق	ج
185	طاعون کی پیشگوئی	د
189	”آہ نادر شاہ کہاں گیا؟“	ہ
191	”تزلزل در ایوان کسریٰ فدا“	و
192	اہل بنگالہ کی دلجوئی	ز
194	سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق	ح
196	”ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت“	ط
197	شہزادہ دلیپ سنگھ کے متعلق	ی
199	جگ عظیم اول کے متعلق	ک
202	مصلح موعود اور مبشر اولاد کے متعلق	ل
207	کسوف و خسوف کا وقوع	۷
209	حدیث مجید دین	۸
210	فَتَمَنُّوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ	۹
212	علمی مقابلہ	۱۰
214	کلام الامام	

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	حصہ دوم	
219	پیشگوئیوں کے اصول	
219	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارض مقدس کا وعدہ اور اس کا نل جانا	
220	وعیدی پیشگوئیاں مشروط ہوتی ہیں	
220	تفسیر کبیر رازی اور دوسرے حوالہ جات	
222	عذاب ادنیٰ رجوع سے بھی نل سکتا ہے	
223	پیشگوئیوں کے سمجھنے میں ملہم اجتہادی غلطی کر سکتا ہے	
223	حضرت نوح کا واقعہ	
225	قضا صدقہ اور دعا سے نل سکتی ہے	
226	حضرت یونس کی قوم کا واقعہ	
228	صلح حدیبیہ کا واقعہ	
232	صلح حدیبیہ کے متعلق مفسرین کے اقوال	
234	اجتہادی خطا کا ایک اور واقعہ	
235	تقدیر مبرم کی اقسام	
235	حضرت مجدہ دالف ثانی کا قول	
237	ایک واقعہ (مکتوبات مجدہ دالف ثانی)	
237	ایک اور واقعہ (تفسیر روح البیان)	
238	تعبیر کا دوسرے رنگ میں ظہور	
239	پیشگوئی متعلق محمدی بیگم	
240	محمدی بیگم کے خاندان کی دینی حالت	
241	رشتہ داروں کا نشان طلب کرنا	
241	نشان طلب کرنے پر حضرت اقدس کی دعا اور خدا تعالیٰ کا جواب	

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	خاص پیشگوئی کے بارہ میں الہامات	242
	سلطان محمد کی توبہ کا قطعی ثبوت انجام آتھم کے حوالہ کی روشنی میں	245
	توبہ کا ثبوت	246
	مرزا سلطان محمد صاحب کا انٹرویو	247
	حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد رضی اللہ عنہ کی شہادت	248
	مرزا سلطان محمد کے خط کا عکس	250
	مرزا اسحاق بیک صاحب پسر مرزا سلطان محمد کی شہادت	251
	مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا کی شہادت	251
	پیشگوئی کے پانچ حصے	253
	پہلے تین حصوں کا اصل الفاظ میں ظہور	254
	پچھلے دو حصوں کے ظہور کا طریق	254
	یونس علیہ السلام کی پیشگوئی کا ٹلنا	256
	پیشگوئی زیر بحث میں خدائی سنت کا ظہور	256
	پیشگوئی میں اجتہادی خطا (نوح علیہ السلام کا واقعہ)	257
	پیشگوئی پر اعتراضات کے جوابات	262
	اعتراض اول	262
	اعتراض دوم	263
	مرزا احمد بیک اور مرزا سلطان محمد کی موت میں اختلاف کی حکمت	264
	اعتراض نمبر ۳	265
	اعتراض نمبر ۴	266
	اعتراض نمبر ۵	268

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	خواب میں نکاح کی تعبیر	269
	مریم بنت عمران اور کلثوم اُخت موسیٰ سے آنحضرتؐ کا آسمان پر نکاح	269
	پیشگوئی کی صداقت کے متعلق مرزا محمد اسحاق کا بیان	270
	اعتراض نمبر ۶۔ پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے کوشش پر اعتراض کا جواب	270
	اعتراض نمبر ۷۔ بہو کو طلاق کی دھمکی	272
	اعتراض نمبر ۸۔ پہلی بیوی کو طلاق دینے پر	273
	پیشگوئی متعلق عبداللہ آتھم	275
	۱۵ ماہ گزرنے پر مخالفین کا ناپسندیدہ رویہ	280
	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے آتھم کو دعوتِ مبالغہ مع انعام	280
	ڈپٹی عبداللہ آتھم کے عذرات	285
	قسم اٹھانے کی صورت میں چار ہزار روپیہ انعام کی پیشکش	287
	پیشگوئی پر اعتراضات کے جوابات	289
	اپنی وفات کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات اور ڈاکٹر عبدالکیم کی پیشگوئی	294
	مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا اعتراف	297
	اپنی عمر کے متعلق پیشگوئی	299
	عمر کے متعلق دیگر اندازے	302
	عمر کے متعلق مخالفین کی شہادت	302
	الہامات مسیح موعود علیہ السلام کی تشریح	303
۱	اَنْتَ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْكَ	303
۲	اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةٍ وَلَدِيْ	306

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
308	أَنْتَ مِنْ مَّاءٍ نَا وَهُمْ مِّنْ فَسَلِ	۳
309	أَسْمَعُ وَ أَرَى	۴
310	رَبُّنَا عَاجٌ	۵
310	أَفْطِرُ وَ أَصُومُ	۶
312	أَسْهَرُ وَ أَنَامُ	۷
312	أُخْطِئُ وَ أُصِيبُ	۸
313	يَحْمَدُكَ اللَّهُ مِنْ عَرْشِهِ	۹
314	يُرِيدُونَ أَنْ يُبَرِّئُوا ظَمَنَكَ (مردوں کا حیض)	۱۰
321	مختلف اعتراضات کے جوابات	
321	”نور الحق“ میں حضرت موسیٰ کی حیات کے ذکر پر اعتراض کا جواب	
327	خدائی کے دعویٰ کا الزام	
336	تشریحی اور مستقلہ نبوت کے ادعا کا الزام	
337	صاحب شریعت اور تشریحی نبی میں فرق	
346	کفر کی دو قسمیں	
346	ایک اور نکتہ یاد رکھنے کے قابل	
347	آئینہ صداقت کا حوالہ	
348	دیگر اختلافی مسائل	
348	اختلافات میں مسیح موعودؑ نے پہل نہیں کی	
351	نبی کریمؐ پر دعویٰ فضیلت کا الزام	
354	تین ہزار معجزات اور تین لاکھ نشانات	
357	دو گرہن	
362	مسیح موعود اسم محمدی کا جامع ہے	

نمبر شمار	مضامین
365	امام مہدی کا مرتبہ ابن سیرین کے نزدیک
365	قاضی اکتل صاحب کا شعر
366	گالیوں کا الزام
367	ذریۃ البغایا -
369	دشمنان اہل بیت اولادِ بغایا ہیں
370	نجم الہدیٰ کے شعر کی تشریح
371	یہودیوں کا بندر اور سور ہونا
372	سخت الفاظ استعمال کرنے کی دو وجوہات
373	ہم صالح علماء اور مہذب شرفاء کی ہتک نہیں کرتے
374	جہاد کی منسوخی، انگریزوں کی خوشامد اور ان کی طرف سے کھڑائے جانے کا الزام
376	صرف قتال ہی جہاد نہیں دینی کام کرنا بھی جہاد ہے
378	اسلام بغاوت کی اجازت نہیں دیتا۔ آنحضرتؐ کا نمونہ
380	انگریزی حکومت کے متعلق مسلم اکابرین کی رائے
383	انجمن حمایت اسلام کے ممبران کا اعلان
386	اس زمانہ کا جہاد
391	خوشامد کے الزام کے رد میں حضرت مسیح موعودؑ کے بیانات
395	خود کا شتہ پودا
396	توہین مسیح علیہ السلام کا الزام
398	الزامات کا مورد دراصل فرضی یسوع ہے
401	حضرت مسیح کی دادیاں نانیاں
402	الزامی جوابات کا طریق

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
406	مسیح کا شراب پینا	
407	عمل الترتب	
408	انبیاء کے معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں	
413	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسائیوں کے ہاتھ کا پتیر	
414	شام کا پتیر	
416	امام مہدی کا ولید فاطمہؑ سے ہونا	
416	روایات میں تضاد	
418	حضرت مسیح موعودؑ اولاد فاطمہؑ سے ہیں	
420	ایک کشف کی شہادت کہ آپ اولاد فاطمہؑ ہیں	
420	آپ کا خاندان دراصل فارسی ہے	
423	توہین اہل بیت کے الزام کا رد	
423	کر بلا نیست سیر ہر آنم	
424	علامہ نوعی کا شعر	
425	امام حسینؑ کی شان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نگاہ میں	
429	کستوری اور گوہ کے ڈھیر سے مراد۔ توحید اور شرک	
430	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین کے الزام کا رد	
436	متفرق اعتراضات	
436	عدالت میں معاہدہ کی حقیقت	
438	نبی کا شعر کہنا	
442	وعدہ خلافی کی تردید (متعلق براہین احمدیہ)	
447	مشورہ سے دعویٰ مسیح موعودؑ کے الزام کا رد	
455	نبی کا استاد	

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
457	نبی کا مرکب نام	
458	حج نہ کرنے کی وجہ اور ایک حدیث نبوی کی تشریح	
461	مالخو لیا مرقی کے اعتراض کی تردید	
464	غیر زبانوں میں الہامات کی وجوہ	
465	الہام ”قرآن مجید خدا کا کلام اور میرے منہ کی باتیں ہیں“ کی تشریح	
466	خدا کے غیر زبانوں میں کلام نہ کرنے کے متعلق آریوں کے خیال کو بے ہودہ قرار دیا گیا ہے	
467	نبی اعلیٰ خاندان سے آتا ہے نہ چوہڑے چماروں سے	
469	ایسا مسیح نہیں آ سکتا جو قرآن کے حلال و حرام کی پرواہ نہ کرے	
470	مولوی محمد حسین بٹالوی کے ایمان لانے کا مفہوم	
471	بشیر الدولہ، عالم کباب کی پیشگوئی کا مصداق	
474	الہام بکڑ و ثبوت کی تشریح	
475	خواتین مبارکہ	
476	زلزلۃ الساعة کے متعلق اعتراض کا جواب	
480	الہام ”ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں“ کی تشریح	
482	الہام ”تیرا تخت سب سے اونچا بچھایا گیا“ کی تشریح	
484	مولوی ثناء اللہ کا مباہلہ سے انکار	
485	مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ	
497	”کرم خاکی ہوں“ والے شعر کی تشریح	
500	هذا خليفة الله المهدي کا ثبوت	
504	احادیث نبوی سے تکفیر مسیح موعود کا ثبوت	
506	مجدد صاحب سر ہندی کا حوالہ متعلقہ نبوت	
507	کسی صحیح حدیث میں نزول کے ساتھ السماء کا لفظ موجود نہیں	

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	امام مہدی کے لئے رمضان میں کسوف و خسوف	509
	مریدوں کی تعداد کے بیان میں اختلاف کی وجہ	511
	دعویٰ نبوت کے انکار و اقرار میں تطبیق	512
	قبر مسیح کے متعلق مسیح موعود کے بیانات	514
	حیات مسیح کا رسمی عقیدہ اور دعویٰ مسیح موعود	520
	دعویٰ مسیح موعود سے انکار اور اس کا مفہوم	522
	فضیلت بر مسیح کے عقیدہ میں تبدیلی کی وجہ	525
	محدث اور نبی اور تبدیلی عقیدہ	527
	احمدیوں کے دونوں فریق میں لفظی نزاع	534
	اعتراض ہشتم کا جواب۔ (چار سونیوں کی پیشگوئی پورا نہ ہونے سے متعلق)	540
	اعتراض نہم کا جواب۔ (تورات و انجیل میں طاعون کی پیشگوئی)	541
	اعتراض دہم کا جواب۔ (قرآن و حدیث سے طاعون کی پیشگوئی کا ثبوت)	542

احمدیہ
تعلیمی پاکٹ بک
حصہ اوّل

مرتبہ

قاضی محمد نذیر صاحب فاضل
ناظر اشاعت و تصنیف

مسئلہ

حیات و وفات عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

آیات قرآنیہ سے وفات مسیح ناصری علیہ السلام کا ثبوت

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعَلَّمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۚ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مِمَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۚ (المائدة: 117, 118)

ترجمہ :- اور جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ بن مریم! کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ خدا کے سوا۔ تو (عیسیٰ نے) کہا : پاک ہے تُو، ناممکن تھا میرے لئے کہ میں کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا اگر میں نے (ایسا) کہا ہو تو تجھے معلوم ہی ہوگا۔ تُو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے نفس میں ہے یقیناً تُو غیبوں کو خوب جاننے والا ہے میں نے اُن سے نہیں کہا مگر وہی جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا۔ کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر نگران تھا (اس وقت

تک ہی) جب تک میں اُن میں موجود رہا۔ پس جب تُو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی اُن پر نگران تھا اور تُو ہر چیز پر نگران ہے۔

استدلال:-

1: قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جواب کُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ سے ظاہر ہے کہ وہ جب تک اپنی قوم میں موجود رہے ان کی قوم نہیں بگڑی تھی کیونکہ اس وقت وہ اُن پر نگران تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی تَوَفَّی کر لی تو پھر قیامت تک خدا ہی ان کی قوم کا نگران تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے بعد ان کی نگرانی نہیں کی۔ اس بیان سے واضح ہے کہ ان کی قوم سے علیحدگی جب تَوَفَّی کے ذریعہ ہو گئی تو تَوَفَّی کے بعد وہ قوم میں دوبارہ نہیں آئے ہوں گے بلکہ وہ قیامت تک قوم کے بارہ میں کوئی مشاہداتی علم نہیں رکھتے ہوں گے۔

2:- فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے معنی ہیں جب تُو نے مجھے وفات دے دی۔

تَوَفَّيْتَنِي کے معنی محاورہ عرب کے علاوہ سیاقِ کلام کے لحاظ سے بھی پُر پُر الینا بمعِ رُوح و جسم لے کر آسمان پر اٹھالینا درست نہیں کیونکہ تَوَفَّی کے بعد اُن کے دوبارہ قوم میں آنے کی کُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ میں نفی کر دی گئی ہے پس زندہ اٹھالینے کا جو یہ مقصد خیال کیا جاتا ہے کہ وہ دوبارہ اصالتاً قوم میں آئیں گے۔ اس کی کُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ میں تردید موجود ہے کیونکہ اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ پھر مجھے قوم کی نگرانی کا موقع نہیں ملا بلکہ اے خدا! پھر تُو ہی ان کا نگران تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ سے إِشَارَةُ النَّصِّ کے طور پر یہ امر ثابت ہے کہ تَوَفَّی کے بعد وہ پھر قوم میں نہیں گئے۔ پس ان کا قوم میں دوبارہ آنا

جب ناممکن قرار پایا تو ان کو زندہ رکھنے کا کیا فائدہ! لہذا اس جگہ تَوْفِیَّتِنِی کے صحیح اور معروف معنی (تُو نے مجھے وفات دے دی) ہی ضروری ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت کے دن قوم سے تَوْفِی کے بعد سے قیامت کے دن تک مشاہداتی لاعلمی کے متعلق یہ بیان چونکہ درست ہے کیونکہ وہ خدا کے نبی ہیں۔ لہذا ان کی وفات کی وجہ سے قوم میں دوبارہ نہ آنے اور قوم کو ان کی وفات کے بعد خدا کی نگرانی میں چھوڑ جانے کا اعتراف سچائی پر مبنی ہے۔ خدا کا نبی کبھی یہ جھوٹ نہیں بول سکتا کہ وہ قوم میں دوبارہ اصلاح کے لئے آیا ہو مگر خدا کو یہ کہے کہ قوم سے علیحدگی کے بعد مجھے ان کی نگرانی کا موقع نہیں ملا۔ بلکہ وہ خدا کی نگرانی میں ہی رہے۔

3: حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

حضرت امام بخاری کتاب التفسیر میں زیر آیت ہذا یہ حدیث لائے ہیں:-

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا إِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتُ الشَّمَالِ فَأَقُولُ يَا رَبِّ! أَصِيحَابِي فَيَقَالُ إِنَّكَ لَا تَذَرِي مَا أَحَدُثُوا بِعَدَاكَ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ - فَيَقَالُ إِنَّ هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مِنْذُ فَارَقْتَهُمْ.

(بخاری کتاب التفسیر . باب و کنت علیہم شہیداً.....)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کہ (قیامت کے دن) میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے اور انہیں بائیں طرف (جہنم کی طرف) لے جایا جائے گا۔ پس میں کہوں گا۔ اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں تو کہا جائے گا تو نہیں جانتا کہ یہ تیرے

بعد کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ تو اس وقت میں اسی طرح کہوں گا جس طرح اس نیک بندے (حضرت عیسیٰ) نے کہا کہ میں ان پر (اس وقت تک) نگران تھا جب تک میں ان میں موجود رہا۔ پس جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی ان پر نگران تھا۔ اس پر کہا جائے گا کہ یہ لوگ تیرے بعد مرتد ہی رہے۔

استدلال:-

جو معنی تَوَفَّيْتَنِي کے اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے بیان کے لئے جاتے ہیں وہی معنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لئے جائیں گے۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ کا اپنی وفات کے بعد قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں بیان دینا واضح کرتا ہے کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي والا بیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی وفات کے بعد ہوا۔ اور تَوَفَّيْتُ کے بعد انہیں قوم میں اصالتاً دوبارہ آنے کا موقع نہیں ملا جس طرح آنحضرت ﷺ کو تَوَفَّيْتُ کے بعد اصالتاً قوم میں آنے کا موقع نہیں ملا۔

4: تَوَفَّيْتُ کے متعلق تحقیق:-

جن لوگوں کو اس آیت کی تفسیر میں فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے معنی پورا پورا لے لیا تو نے مجھے یعنی روح و جسم کے ساتھ قبضہ میں لے لیا تو نے مجھے کے معنوں پر اصرار ہو ان پر فرض ہے کہ وہ ایسے استعمال کی عربی زبان سے کوئی مثال پیش کریں۔ جس میں تَوَفَّيْتُ باب تَفَعَّل کا کوئی صیغہ استعمال ہوا ہو جس کا فاعل خدا اور مفعول بہ کوئی ذی روح ہو وہاں وفات دینے یا سلا دینے کے سوا ذی روح کے لئے قبض الجسم کا مفہوم لیا گیا ہو قرآن کریم میں تو ذی روح کے لئے تَوَفَّيْتُ کا دو

معنوں میں حصر کر دیا گیا ہے۔

1- وفات دینا

2- سُلا دینا

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَدَّدٍ .
(الزمر: 43)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جو جان نہ مرے اسے قبض کرتا ہے اس کی نیند میں پھر وہ رو کے رکھتا ہے اس جان کو جس پر اس نے موت کا فیصلہ کیا اور دوسری کو بھیج دیتا ہے مقررہ وقت تک کے لئے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ ہر جاندار کو تَوَفَّىٰ یا موت کی صورت میں ہوتی ہے یا نیند کی صورت میں۔ پہلا جملہ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا مثبت ہے اور دوسرا جملہ وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ منفی۔ اس طرح اثبات اور نفی کے ذریعہ ذی روح کے لئے تَوَفَّىٰ کا دو معنوں میں حصر کر دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جس جس جان کی تَوَفَّىٰ موت کے ذریعہ نہ ہوگی اس کی تَوَفَّىٰ صرف اور صرف نیند کی صورت میں ہی ہوگی۔ پس تَوَفَّىٰ کے معنی بیداری میں خدا کا جاندار کے روح و جسم کا قبضہ میں لے لینا از روئے قرآن مجید درست معنی نہیں کیونکہ یہ ایسے تیسرے معنی ہوں گے جس کا استعمال ذی روح کے لئے قرآن مجید تسلیم نہیں کرتا اور سُلانے کے معنی وہاں لئے جاتے ہیں جہاں نیند کے لئے قرینہ موجود ہو ورنہ قرآن کریم میں جہاں نیند کا قرینہ نہیں ہے وہاں ہر جگہ تَوَفَّىٰ کے صیغہ خدا کے فاعل ہونے اور انسان کے مفعول

ہونے کی صورت میں وفات دینے کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ پس اس طرح تَوَفَّى کے معنی خدا کا انسان کو وفات دینا ایک قرآنی محاورہ ہے اسی محاورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تَوَفَّى کا استعمال ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآنی محاورہ کے خلاف معنی نہیں لئے جاسکتے۔

5: لغت عربی میں تَوَفَّى اللّٰهُ فُلَانًا کے معنی:

1: تَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : إِذَا قَبَضَ نَفْسَهُ۔ (تاج العروس)

ترجمہ : اس کو اللہ نے تَوَفَّى کر لیا اس وقت کہتے ہیں جب وہ اس کی جان کو قبض کر لے۔

2: الْوَفَاةُ الْمَوْتُ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ : قَبَضَ رُوحَهُ۔ (القاموس)

ترجمہ : وفات کے معنی موت ہیں اور اس کو اللہ نے تَوَفَّى کیا کے معنی ہیں اس نے اس کی روح قبض کر لی۔

3: تَوَفَّاهُ اللّٰهُ أَيْ قَبَضَ رُوحَهُ۔ (صراح)

ترجمہ : اللہ نے اس کو تَوَفَّى کیا یعنی اس کی روح قبض کر لی۔

4: تَوَفَّى فُلَانٌ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ : أَدْرَكَتْهُ الْوَفَاةُ۔

(اساس البلاغة از علامہ زمخشری، زیر لفظ، و. ف. ی)

ترجمہ : فلاں تَوَفَّى کیا گیا اور اللہ نے اسے تَوَفَّى کیا کے معنی ہیں اسے وفات نے آلیا۔

5: الْوَفَاةُ الْمَوْتُ وَتَوَفَّى فُلَانٌ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ إِذَا قَبَضَ نَفْسَهُ وَفِي الصِّحَاحِ إِذَا قَبَضَ رُوحَهُ۔

(لسان العرب)

ترجمہ : وفات کے معنی موت ہیں اور فلاں تَوَفَّى کیا گیا اور اللہ نے اسے تَوَفَّى کیا تب کہتے ہیں جب وہ اس کی جان قبض کرے اور صحاح میں ہے

جب وہ اس کی روح قبض کرے۔

6 : تَوَفَّى اللَّهُ فُلَانًا أَيْ قَبَضَ رُوحَهُ۔ (الصَّحاح للجوهري)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے فلاں کو تَوَفَّى کیا یعنی اس کی روح قبض کر لی۔

7 : التَّوَفَّى : الْأَمَاتَةُ وَقَبْضُ الرُّوحِ وَعَلَيْهِ الْأُسْتَعْمَالُ الْعَامَّةُ۔

(کلیات ابی البقاء صفحہ 129)

ترجمہ : تَوَفَّى کے معنی مار دینا اور قبض روح ہیں۔ اسی معنی کا عام استعمال ہے۔

عربی لغت کی کتابوں کے ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ تَوَفَّى کے فعل

کا فاعل جب خدا ہو اور انسان پر یہ فعل وارد ہو رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ

خدا نے اس کی جان قبض کر لی یا اس کی روح قبض کر لی۔ خدا کے فاعل اور انسان

کے مفعول بہ ہونے کی صورت میں قبض جسم کے معنوں میں یہ لفظ عربی زبان میں

استعمال نہیں ہوتا۔ لہذا قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے جن دو

مقامات میں مُتَوَفِّيكَ اور تَوَفَّيْتَنِي کے الفاظ وارد ہیں چونکہ ان میں خدا فاعل

اور حضرت مسیحؑ مفعول بہ ہیں لہذا ان دونوں جگہ تَوَفَّى کے ان صیغوں کے معنی

وفات دینا ہی ہیں نہ کچھ اور۔

واضح رہے کہ لغت میں تَوَفَّى کے معنی قَبْضُ الشَّيْءِ وَافْيَا شَيْئًا کا

پورا پورا لینا بھی ہیں۔ چنانچہ جب تَوَفَّى کا مفعول انسان نہ ہو بلکہ انسان کے علاوہ

کوئی غیر ذی روح شے ہو اور فاعل بھی اس کا خدا نہ ہو تو تَوَفَّى کے معنی پورا پورا وصول

کر لینا ہوتے ہیں۔ جیسے تَوَفَّيْتُ مِنْهُ حَقِّي وَتَوَفَّيْتُ مِنْهُ مَالِي۔ یعنی میں

نے اس سے اپنا حق یا اپنا مال پورا پورا وصول کر لیا ہے لیکن جب تَوَفَّى کا فاعل خدا ہو

اور انسان اس کا مفعول بہ ہو جیسا کہ پہلے مذکور ہوا تو اس جگہ ہمیشہ قبض روح کے معنی

ہی ہو سکتے ہیں۔ جس کی دو صورتیں ہیں۔

1: وفات دینا۔ 2: سُلا دینا۔ مگر سُلا دینے کے معنوں کے لئے قرینہ ہونا چاہئے۔ اگر سُلا دینے کے معنوں کا قرینہ نہ ہو تو اس جگہ حتمی طور پر موت کے معنی متعین ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ تینوں شرطیں کہ تَوَفَّیٰ باب تَفَعَّل سے ہو، خدا اس کا فاعل ہو اور ذی روح اس کا مفعول بہ ہو اور نیند کا قرینہ موجود نہ ہو وفات کے معنی کی تعیین کے لئے حتمی قرینہ ہیں۔ کیونکہ یہ معنی عربی ہیں اور حقیقت عرفیہ کے محل پر لغوی معنی مُراد نہیں ہوا کرتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اعلان

1: بعض علمائے وقت کو اس بات پر سخت غلو ہے کہ مسیح ابن مریم فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہی آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور حیات جسمانی دنیوی کے ساتھ آسمان پر موجود ہے اور نہایت بے باکی اور شوخی کی راہ سے کہتے ہیں کہ تَوَفَّیٰ کا لفظ جو قرآن کریم میں حضرت مسیح کی نسبت آیا ہے اس کے معنی وفات دینا نہیں ہیں بلکہ پورا لینا ہے۔ یعنی یہ کہ روح کے ساتھ جسم کو بھی لے لینا۔ مگر ایسے معنی کرنا ان کا سراسر افتراء ہے قرآن کریم کا عموماً التزام کے ساتھ اس لفظ کے بارہ میں یہ محاورہ ہے کہ وہ لفظ قبض روح اور وفات دینے کے معنوں پر ہر یک جگہ اس کو استعمال کرتا ہے یہی محاورہ تمام حدیثوں اور جمیع اقوال رسول اللہ ﷺ میں پایا جاتا ہے۔ جب سے دنیا میں عرب کا جزیرہ آباد ہوا ہے اور زبان عربی جاری ہوئی ہے کسی قول قدیم یا جدید سے ثابت نہیں ہوتا کہ تَوَفَّیٰ کا لفظ کبھی قبض جسم کی نسبت استعمال کیا گیا ہو بلکہ جہاں کہیں تَوَفَّیٰ کے لفظ کو خدا تعالیٰ کا فعل ٹھہرا کر انسان کی نسبت استعمال کیا گیا ہے وہ صرف وفات دینے اور قبض روح کے معنی پر آیا ہے نہ کہ قبض جسم کے معنوں میں۔ کوئی کتاب لغت

کی اس کے مخالف نہیں کوئی مثل اور قول اہل زبان کا اس کے مغائر نہیں۔
 غرض ایک ذرہ احتمال مخالف کے گنجائش نہیں اگر کوئی شخص قرآن کریم یا کسی
 حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اشعار و قصائد و نظم و نثر قدیم و جدید عرب سے یہ
 ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ تَوَفَّیٰ کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی حالت
 میں جو ذوی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ بجز قبض روح اور وفات
 دینے کے کسی اور معنی پر بھی اطلاق پا گیا ہے یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی
 استعمال ہوا ہے تو میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ
 ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپیہ نقد دوں گا اور
 آئندہ اس کے کمالات حدیث دانی اور قرآن دانی کا اقرار کر لوں گا۔

..... اس اشتہار کے مخاطب خاص طور پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی

ہیں جنہوں نے غرور اور تکبر کی راہ سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تَوَفَّیٰ کا لفظ جو قرآن
 کریم میں حضرت مسیح کی نسبت آیا ہے اس کے معنی پورا لینے کے ہیں یعنی جسم
 اور روح کو بہ ہیئت کذائی زندہ ہی اٹھا لینا اور وجود مرکب جسم اور روح میں
 سے کوئی حصہ متروک نہ چھوڑنا بلکہ سب کو بحیثیت کذائی اپنے قبضہ میں زندہ
 اور صحیح سلامت لے لینا۔ سو اسی معنی سے انکار کر کے یہ شرطلی اشتہار ہے۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 602 تا 604)

ب: ایسے شخص کو صرف یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ حدیث جس کو وہ پیش کرتا ہے
 وہ حدیث صحیح نبوی ہے یا گزشتہ عرب کے شاعروں میں سے کسی ایسے شاعر کا
 قول ہے جو علم محاورات عرب میں مسلم الکمال ہے اور یہ ثبوت دینا بھی
 ضروری ہوگا کہ قطعی طور پر اس حدیث یا اس شعر سے ہمارے دعویٰ کے مخالف

معنی نکلتے ہیں اور ان معنوں سے جو ہم لیتے ہیں وہ مضمون فاسد ہوتا ہے یعنی وہ حدیث یا وہ شعر ان معنوں پر قطعیۃ الدلالت ہے کیونکہ اگر اس حدیث یا اس شعر میں ہمارے معنوں کا بھی احتمال ہے تو ایسی حدیث یا ایسا شعر ہرگز پیش کرنے کے لائق نہ ہوگا کیونکہ کسی فقرہ کو بطور نظیر پیش کرنے کے لئے اس مخالف مضمون کا قطعیۃ الدلالت ہونا شرط ہے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 384)

2: وَمَكْرُؤًا وَمَكْرَ اللَّهُ^ط وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينَ۔
إِذْ قَالَ اللَّهُ يُعَيْنِّيْ اِنَّ مَتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ
مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اَتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ۔
(آل عمران : 55، 56)

ترجمہ: اور ان (یہود نے) تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر ہے جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ! میں (ہی) تجھے وفات دینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف رفعت دینے والا ہوں اور تجھے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا پاک کرنے والا ہوں اور بنانے والا ہوں ان لوگوں کو جنہوں نے تیری پیروی کی، غالب ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا قیامت کے دن تک کے لئے۔

استدلال:

یہود کی تدبیر یہ تھی کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر مارے جائیں۔ خدا کی تدبیر ان کو صلیب سے بچانا تھی۔ سو خدا نے انہیں اپنی تدبیر سے بچا لیا نہ کہ زندہ آسمان پر اٹھانے کا معجزہ دکھا کر۔ کیونکہ آسمان پر زندہ اٹھالینا دشمنوں کے مقابلہ میں تدبیر نہیں اعجاز اور قدرت نمائی ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے مفتی معر علامہ محمود ملتوت کا مضمون "The Ascension of Jesus" - مجلہ الاذھر شمارہ فروری 1960ء)

2: خدا تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو صلیبی موت سے بچانے کے لئے تسلی

دی اور ان سے چار وعدے کئے۔

وعدہ اول:- میں تجھے وفات دوں گا یعنی یہودی تجھے نہیں مار سکتے۔

وعدہ دوم:- میں تجھے عزت دینے والا ہوں یعنی یہودی تجھے صلیب پر مار کر ذلیل نہیں کر سکتے بلکہ بعد وفات تو مرفوع الی اللہ ہو گا نہ کہ ملعون جیسا کہ یہودی تجھے اپنی تدبیر سے ملعون ثابت کرنا چاہتے ہیں یا در ہے کہ رفع، وضع کی ضد ہے وضع کے معنی ذلت اور رفع کے معنی عزت افزائی کے ہیں۔ اس جگہ یہ لفظ رفع الروح اور رفع روحانی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے کیونکہ پہلے وفات دینے کا وعدہ ہے پھر رفع دینے کا۔

وعدہ سوم: میں تجھے یہود کے الزامات سے پاک ٹھہراؤں گا۔

وعدہ چہارم: میں تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک تیرے منکرین پر غلبہ دوں گا۔ یہ چاروں وعدے خدا تعالیٰ نے علی الترتیب پورے کر دیئے۔

1- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے ہاتھ سے بچا کر خود طبعی وفات دے دی۔

2- بعد از وفات ان کی روح کی اپنے حضور عزت افزائی کی اور ان کے مدارج کو بلند کیا۔

3- نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ان کو یہودیوں کے الزامات سے پاک ٹھہرایا۔

4- ان کی پیروی کرنے والوں کو ان کے منکرین پر غالب کر دیا۔

علامہ زمخشری اپنی تفسیر الکشاف میں اس جگہ مُتَوَفِّیْکَ کے

معنوں میں لکھتے ہیں:

أَيُّ مُسْتَوْفِي أَجَلَكَ وَمَعْنَاهُ : إِنِّي عَاصِمُكَ مِنْ أَنْ
يُقْتَلَكَ الْكُفَّارُ. وَ مُمِيتُكَ حَتَّى أَنْفِكَ لَا قَتْلًا بِأَيْدِيهِمْ.

یعنی میں تیری عمر پوری کرنے والا ہوں اور تجھے اس طرح قبضہ میں لے لینے
والا ہوں کہ کفار تجھے قتل نہ کر سکیں اور تجھے طبعی موت دینے والا ہوں نہ ان کے
ہاتھوں سے قتل ہو کر موت۔

تفسیر روح المعانی میں بھی یہی معنی لکھے ہیں۔

بعض مفسرین نے اس جگہ مُتَوَفِّيكَ کے معنی۔ ”میں تجھے وفات
دینے والا ہوں“ لے کر رَافِعُكَ کے یہ معنی کئے ہیں۔ وفات دینے کے بعد
تجھے زندہ کر کے آسمان پر اٹھالینے والا ہوں یہ معنی درست نہیں کیونکہ وفات دینے
کے بعد زندہ کرنے اور آسمان پر اٹھانے کا کوئی ذکر اس جگہ موجود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ
نے صرف وفات دینے کے بعد اپنی طرف اٹھالینے کا ذکر کیا ہے پس اس سے رُوح
کا خدا کی طرف اٹھایا جانا اور روحانی رفع دیا جانا یعنی مزید عزت بخشا جانا ہی مراد
ہے۔ عزت دینا اور قرب عطا کرنا ہی رفع کے متعارف معنی ہیں۔ اور حضرت مسیح کا
جسمانی رفع الی اللہ تو محال ہے کیونکہ خدا تعالیٰ جہات سے پاک ہے اور رفع جسمانی
خدا تعالیٰ کے ذوجہت ہونے کو چاہتا ہے اور خدا کا ذوجہت ہونا محال ہے لہذا اس کی
طرف رفع جسمانی محال ہے۔

بعض لوگوں نے یہ کہہ کر کہ واؤ جمع کے لئے ہوتی ہے نہ ترتیب کے لئے
آیت میں تقدیم و تاخیر تسلیم کی ہے یعنی رفع پہلے کیا اور وفات بعد میں دے گا۔ اس
طرح رَافِعُكَ إِلَيَّ کے معنی مسیح کو آسمان پر مع جسم اٹھانے والا ہوں لیے ہیں۔
یہ معنی بھی بوجہات ذیل درست نہیں۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

إِذَا أُمِّنَ حَمْلُ الْكَلَامِ عَلَى ظَاهِرِهِ كَانَ الْمَصِيرُ إِلَى
التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ غَيْرَ جَائِزٍ (تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 177)

کہ جب کلام کو ظاہر پر محمول کیا جاسکے تو تقدیم و تاخیر کی طرف جانا ناجائز ہوتا ہے۔
آیت ہذا میں صرف یہی بات نہیں پائی جاتی کہ اس کلام کا حمل ظاہر پر ممکن
ہے بلکہ اس جگہ ترتیب کو ملحوظ نہ رکھنا امر محال ہے۔ اگر تقدیم و تاخیر کر کے رَافِعُکَ
کو پہلے رکھا جائے اور مُتَوَفِّیْکَ کو اس کے بعد رکھا جائے تو مُتَوَفِّیْکَ کے لفظ کو
مُطَهَّرُکَ سے پہلے رکھنا محال ہے۔ کیونکہ تطہیر کا وعدہ تو رسول کریم ﷺ کے
ذریعے پورا ہو چکا ہے۔ اور حیاتِ مسیح کے قائلین کے نزدیک اس وقت تک بھی
وفاتِ مسیح واقع نہیں ہوئی تھی۔

اب مُتَوَفِّیْکَ کے لفظ کو اٹھا کر جَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ سے پہلے بھی
نہیں رکھ سکتے کیونکہ مسیح کے متبعین کو ان کے منکرین پر غلبہ بھی مل گیا اور قائلین
حیاتِ مسیح کے نزدیک ابھی تک حضرت مسیح کی وفات نہیں ہوئی..... یہ غلبہ کا وعدہ
قیامت کے دن تک کے لئے ہے۔ لہذا مُتَوَفِّیْکَ کو إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ کے بعد
رکھا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ قیامت کے دن جب دوسرے لوگ زندہ ہو
رہے ہوں گے اس دن حضرت مسیح کی وفات ہو رہی ہوگی۔ حالانکہ قیامت کا دن
دوبارہ زندگی کا دن ہے۔ نہ کسی کی موت کا لہذا اس آیت میں ترتیب کا بدلنا محال
ہے اور کلام کا حمل ظاہر پر ہی از بس ضروری ہے۔

پس حضرت مسیح کی وفات پہلے ہونے والی تھی اور رفع بعد میں لہذا اس
جگہ روح کا رفع اور روحانی رفع ہی مراد ہو سکتا ہے۔

2۔ اگر پھر بھی کوئی ترتیب بدلنے پر مُصر ہو تو واضح رہے کہ رَافِعُکَ اِلٰی کو

پہلے رکھنے سے بھی خدا تعالیٰ کی طرف حضرت مسیحؑ کا رفع جسم مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رفع جسمی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ خدا اوپر کی جہت میں ہو حالانکہ خدا تعالیٰ مقام اور جہت سے پاک ہے پس رفع جسم سے خدا تعالیٰ کا محدود امکان ہونا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔

ماسوا اس کے رفع الی اللہ کے معنی صرف خوش بختی یا خدا کا قرب دیا جانا ہوتے ہیں۔ لغت میں ہے۔

الرَّفْعُ ضِدُّ الْوَضْعِ وَفِي أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى الرَّافِعُ هُوَ الَّذِي يَرْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ بِأَلَا سَعَادٍ وَأَوْلِيَاءَ هُ بِالْتَّقَرُّبِ.

(لسان العرب والقاموس)

کہ رفع وضع کی ضد ہے اور اللہ کے ناموں میں سے ایک نام السرافع (رفع دینے والا) ہے۔ یہ وہی ہے جو مومنوں کو خوش بختی اور اولیاء کو اپنا مقرب بنانے سے رفع دیتا ہے۔

انہی امور کے مد نظر تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازیؒ نے رَافِعُكَ کے معنی لکھے ہیں۔
وَاعْلَمُ أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ تَذَلُّ عَلَى أَنَّ رَفَعَهُ فِي قَوْلِهِ وَرَافِعُكَ إِلَى هُوَ الرِّفْعَةُ بِالْدرَجَةِ وَالْمَنْقَبَةِ لَا بِالْمَكَانِ وَالْجِهَةِ.

کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ رَافِعُكَ إِلَى میں رفع درجہ اور منقبت (منقبت بمعنی شان) میں ہے نہ کہ مکان اور جہت میں۔

3۔ رفع الی اللہ کے ایک معنی باعزت وفات دینے کے بھی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

أَكْرَمَ اللَّهُ نَبِيَّهٖ أَنْ يُرِيَهُ فِي أُمَّتِهِ مَا يَكْرَهُ فَرَفَعَهُ إِلَيْهِ وَبَقِيَتْ النِّقْمَةُ. (البیهقی بحوالہ کیلی الموفی صفحہ 28)

کہ خدا تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی یوں عزت افزائی فرمائی کہ آپ کی موجودگی میں اُمّت کے لئے جو باتیں آپ کو ناپسند تھیں وہ ظاہر نہیں ہوئیں اور خدا نے آپ ﷺ کو اپنی طرف اٹھالیا (باعزت وفات دی) اور موجب عذاب باتیں بعد میں وقوع پذیر ہوئیں۔

4: قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کے فاعل ہونے اور انسان کے مفعول ہونے کی صورت میں جہاں بھی رفع کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں قرب منزلت ہی مراد ہے نہ کہ جسم کا اٹھایا جانا۔

آیات قرآنیہ

ا: وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ۔ (الاعراف: 177)

ب: مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ۔ (البقرة: 254)

ج: رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ۔ (الانعام: 166)

د: رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ۔ (الزخرف: 33)

ه: نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَاءٍ۔ (الانعام: 84)

و: وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ (مریم: 58)

ز: يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔ (المجادلة: 12)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ رفع کا صلہ جب الٰہی ہو اور خدا فاعل ہو اور مفعول انسان تو اس جگہ رفع جسمی مراد ہوتا ہے مگر یہ قاعدہ خود ساختہ ہے اس کی کوئی شہادت اور مثال عربی زبان میں موجود نہیں۔ حضرت انسؓ کی اوپر درج کردہ حدیث اس کی تردید کرتی ہے۔ وہاں تینوں شرطیں موجود ہیں مگر مراد وفات کے بعد قرب پانا ہے۔

پھر آیت زیر بحث میں اِلٰی کا لفظ بھی موجود ہے السَّمَاء کا لفظ موجود

نہیں مگر رفع الی اللہ سے مجازاً حضرت مسیحؑ کا رفع الی السماء مراد لینا بھی درست نہیں کیونکہ رفع کے بعد اگر السَّما کے لفظ بھی موجود ہو اور الی کا صلہ بھی موجود ہو اور رفع کا فاعل خدا ہو اور کوئی ذی روح اس کا مفعول ہو تو عربی زبان میں اس صورت میں بھی رفع سے مراد درجہ کی بلندی ہوتی ہے نہ کہ جسم کا آسمان پر اٹھایا جانا۔ چنانچہ حدیث نبویؐ میں آیا ہے۔

إِذَا تَوَاضَعَ رَفَعَهُ اللَّهُ بِالسِّلْسِلَةِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ.

(کنز العمال جلد 3 صفحہ 117 باب التواضع)

ترجمہ: جب بندہ عاجزی اختیار کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اسے ساتویں آسمان کی طرف اٹھا لیتا ہے زنجیر کے ساتھ۔

اس جگہ فروتنی اختیار کرنے والے کے لئے سلسلہ وار بلند مرتبہ پانے کا ذکر ہی ہے نہ کہ ظاہری طور پر مادی جسم کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا۔

8: بعض مفسرین نے آیت یُعِیْسَىٰ اِنْیُّ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ میں ترتیب تو تسلیم کی ہے مگر انہوں نے مُتَوَفِّیْکَ کے یہ معنی کئے کہ خدا نے کہا ”میں تجھے پورا پورا قبضے میں لے لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں“ لہذا پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مع روح و جسم زندہ قبضہ میں لے لیا اور پھر زندہ کو ہی آسمان پر اٹھالیا۔

ہم بتا چکے ہیں کہ تَوَفَّیٰ کے فعل کا جب اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور انسان اس کا مفعول بہ ہو تو اس جگہ صرف قبض روح کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ قبض روح کی از روئے قرآن مجید دو ہی صورتیں ہیں وفات دینا اور سُلا دینا۔ آیت زیر بحث میں صرف وفات دینے کے معنی ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سُلا دینے کے معنوں کے لئے کوئی قرینہ چاہیے اور وہ اس جگہ موجود نہیں اور بلا قرینہ اس کے معنی سُلا دینا نہیں

ہوتے بلکہ خدا کے فاعل اور ذی روح کے مفعول ہونے کی صورت میں وفات دینا ہی ہوتے ہیں۔

9: ماسوا اس کے جب ہر زندہ انسان ہر آن مع روح و جسم ہمیشہ خدا کے تصرف اور قبضہ میں ہے تو پھر مَتَوَفَّيْتُكَ کے لفظ سے حضرت مسیح علیہ السلام کو آئندہ خدا کے قبضہ میں لے لینے کا وعدہ تحصیل حاصل ہے کیونکہ جو چیز پہلے سے حاصل ہو اس کے متعلق یہ وعدہ کرنا کہ وہ آئندہ تمہیں حاصل ہوگی ایک لغوبات ہے۔

ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ رفع کا فاعل جب خدا ہو اور انسان اس کا مفعول ہو تو اس کے معنی اس انسان کا جسم آسمان پر اٹھا لینے کے نہیں ہوتے خواہ رفع کے ساتھ السَّمَاء کا لفظ بھی موجود ہو جو یہاں موجود نہیں بلکہ اس کے معنی خدا تعالیٰ کا اُسے بلندی درجات دینا ہوتے ہیں۔ خواہ یہ درجات زندگی میں حاصل ہوں یا مرنے کے بعد حاصل ہوں۔ ہاں رفع کی تکمیل بعد از وفات ہی ہوتی ہے۔

پس مَتَوَفَّيْتُكَ کے بعد وَرَافَعْتُكَ اِلَیَّ کا وعدہ صرف یہ مفہوم رکھتا ہے کہ خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وعدہ سے تسلی دی کہ یہودی تمہیں صلیب پر مار نہیں سکتے میں تمہیں طبعی وفات دوں گا اور تمہاری روح کا رفع کروں گا اور تمہارے درجات اپنے حضور بلند کروں گا۔

3. وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ۔ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ ؕ وَمَا يَشْعُرُونَ ؕ اَيَّانَ يُبْعَثُونَ۔

(النحل : 21، 22)

ترجمہ: اور اللہ کے سوا جن معبودان باطلہ کو وہ پکارتے ہیں وہ کچھ (بھی) پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں وہ (سب) مُردے ہیں نہ کہ زندہ اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کب (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔

استدلال:

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت خدا تعالیٰ کے سوا جن لوگوں کی پرستش ہو رہی تھی انہیں اَمَوَاتٌ کہہ کر مُردہ قرار دیا گیا ہے اور غَيْرُ اَحْيَاءِ کہہ کر ایسے مُردے قرار دیا جو زندہ نہ ہوں یعنی درحقیقت وفات پا چکے ہوں اور مَا يَشْعُرُونَ اَيَّانَ يُبْعَثُونَ کہہ کر یہ ظاہر کیا کہ اب وہ قیامت کو دوبارہ زندہ ہوں گے۔ لیکن انہیں علم نہیں کہ قیامت کب ہوگی۔

چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام اور انکی والدہ کی اُس وقت پرستش کی جا رہی تھی لہذا وہ دونوں اَمَوَاتٌ کہ میں داخل ثابت ہوئے اور وفات یافتہ قرار پائے اگر حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہوتے تو یہ محل تھا کہ ان کا اَمَوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءِ کے بعد اِلَّا عِيسٰی کہہ کر استثناء کیا جاتا یعنی عیسیٰ کے سوا باقی جن کی پرستش کی جاتی ہے مُردہ ہیں زندہ نہیں لیکن اس استثناء کا موجود نہ ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اَمَوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءِ میں داخل ہیں۔ پس یہ آیت بھی ان کی وفات پر روشن دلیل ہے۔

4. وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاَنْتُمْ

مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَنْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ (آل عمران : 140)

ترجمہ : اور نہیں ہیں محمد ﷺ مگر اللہ کے رسول۔ ان سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں اگر وہ مرجائیں یا قتل ہوں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟

استدلال:

اس جگہ سب رسولوں کے گزر جانے سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلم سے پہلے آنے والے تمام رسول وفات پا چکے ہیں کوئی ان میں سے زندہ نہیں۔

أَفَأَنتُمْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ میں گزرنے کے دو ہی طریق بیان کئے گئے ہیں۔
 موت اور قتل کیا جانا۔ آیت وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کے قتل کیا جانے یا صلیب پر مارا جانے کی نفی کی گئی ہے پس ان کے لئے طبعی موت
 پانا ثابت ہوا۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کے بعد اِلاَّ
 عِيسَىٰ بن مریم کہہ کر ان کا استثناء کیا جاتا۔ تا یہ استدلال ہو سکتا کہ وہ زندہ ہیں اور
 ان کے سوا باقی نبی گزر چکے ہیں۔

منطقی لحاظ سے اس آیت میں دلیل استقرائی سے کام لیا گیا ہے اور یہ ثابت
 کرنا مقصود ہے کہ جب پہلے تمام نبی وفات پا چکے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کا غیر معمولی عمر پانا ناممکن ہے اگر کوئی ایک رسول بھی آپ سے پہلے غیر معمولی عمر
 پانے والا ہوتا تو یہ دلیل چونکہ نقص سے پاک ہوتی ہے اور کمزور نہیں ہوتی اس لئے
 اس جگہ استقراء تام مراد ہوگا اور الرُّسُلُ کے لفظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 سے پہلے کے تمام رسول مراد ہوں گے گویا الرُّسُلُ کا آل استغراق عربی کے لئے
 قرار پائے گا۔

خَلَا فُلَانٌ کے معنی لغت میں لکھے ہیں:

1: خَلَا فُلَانٌ : إِذَا مَاتَ - (لسان العرب)

خَلَا فُلَانٌ کے معنی ہیں آدمی مر گیا۔

2: خَلَا الرَّجُلُ : أَي مَاتَ - (اقرّب الموارد)

خَلَا الرَّجُلُ کے معنی ہیں آدمی مر گیا۔

3: خَلَا فُلَانٌ : أَي مَاتَ - (تاج العروس)

خَلَا فُلَانٌ کے معنی ہیں وہ مر گیا۔

قرآن کریم میں قَدْ خَلَتْ کا استعمال بغیر الی کے صلہ کے جن لوگوں

کے لئے بھی استعمال ہوا ہے وہاں ان کے گزر جانے سے ان کا وفات پا جانا اور اس دنیا میں دوبارہ اصالتاً نہ آنا ہی مراد ہے۔

آیات قرآنی میں خَلَا کا استعمال:

- 1: تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ۔ (البقرة: 135)
- 2: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ۔ (الرعد: 31)
- 3: فِي أَمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (الاحقاف: 19)
- 4: سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ۔ (الاحزاب: 39)
- 5: وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔ الْآيَةُ (النور: 56)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور نیک عمل کئے کہ وہ ان کو زمین میں خلافت عطا کرے گا۔ جیسے ان سے پہلوں کو عطا کی اور وہ ان کے لئے ان کے اس دین کو جو اللہ نے ان کیلئے پسند کیا ہے تمکنت دے گا۔ اور وہ ضرور ان کے خوف کی حالت کو امن کی حالت سے بدل دے گا۔

استدلال:

— اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس اُمت میں آنحضرت ﷺ کے خلیفہ ہونے کا شرف ان لوگوں کو ملے گا جو پہلے اُمت میں سے ایمان لا کر اعمال صالحہ بجا لائیں۔ پھر ایسے خلیفہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلام سے پہلے گزرے ہوئے

خلفاء میں سے کسی کے مشابہ ہو جس پر گما استخلف الذین من قبلہم کے الفاظ واضح دلالت کر رہے ہیں۔

عیسیٰ موعود کو آنحضرت ﷺ نے اَلَا اِنَّهُ خَلِيفَتِي فِي اُمَّتِي۔ (طبرانی) کہہ کر اُمت میں اپنا خلیفہ قرار دیا۔ لہذا حضرت عیسیٰ بن مریم کے اصالتاً نازل ہو کر آنحضرت ﷺ کا خلیفہ بننے میں یہ آیت روک ہے۔ کیونکہ اس میں مشبہ اور مثیل کے آنے کا وعدہ ہے نہ کہ پہلے خلفاء میں سے کسی کا جو مشبہ بہ ہو۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اصالتاً آجائیں تو مشبہ اور مشبہ بہ کا عین ہونا لازم آتا ہے کیونکہ اس صورت میں خود عیسیٰ بن مریم کو عیسیٰ بن مریم کے مشابہ قرار دینا پڑتا ہے اور یہ محال ہے۔

پس پیشگوئیوں میں خبر مثیل عیسیٰ کے آنے کی تسلیم کرنی پڑے گی اور اصل عیسیٰ کو وفات یافتہ ماننا پڑے گا۔

6: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ

عَلَيْهِمْ ۚ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ (الفاتحہ: 6، 7)

ترجمہ: (اے اللہ) تو دکھا ہم کو سیدھا راستہ۔ راستہ ان لوگوں کا جن پر

تُو نے انعام کیا۔ نہ کہ اُن کا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔

استدلال:-

یہ دعا اللہ تعالیٰ نے خود رسول کریم ﷺ کو سکھائی ہے۔ پس یہ دعا آپ کے حق میں اور آپ کی اُمت کے حق میں ضرور قبول ہوئی۔ اگر یہودیوں کے منصوبہ کے مقابلہ میں کہ حضرت مسیح کو قتل کیا جائے یا صلیب دیا جائے خدا تعالیٰ نے انہیں زندہ خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیا ہوتا تو پھر خدا تعالیٰ ضرور

آنحضرت ﷺ کو بھی اس وقت زندہ آسمان پر اٹھا لیتا جب مشرکین مکہ نے
 آنحضرت ﷺ کے قتل کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ یہ محال ہے کہ ایک دعا اللہ تعالیٰ خود
 آنحضرت ﷺ کو سکھائے اور پھر اسے قبول نہ کرے پس چونکہ آنحضرت ﷺ
 سے ایسا معاملہ نہیں ہوا اس لئے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی
 ایسا معاملہ نہیں ہوا تھا گویا نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو ہزار سال سے آسمان پر خاکی
 جسم کے ساتھ زندہ موجود ہیں اور نہ آنحضرت ﷺ تیرہ سو سال سے آسمان
 پر خاکی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہیں پس جس طرح آنحضرت ﷺ کو دشمنوں کے
 ہاتھ سے بچا کر خدا تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں ہجرت کروا کر عزت دی۔ اسی طرح
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کشمیر میں ہجرت کروا کر عزت دی بموجب آیت قرآنیہ
 وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ

رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ۔ (المومنون : 51)

ترجمہ: یعنی ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو نشان بنایا اور ان دونوں کو
 ایک بلند زمین آرام والی اور چشموں والی میں پناہ دی۔

7: وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا.
 أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا
 أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ تَأْتِي بَالِلَةٌ أَوْ تَأْتِي بَالِلَةٌ
 أَوْ يُكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرَفٍ أَوْ تَرْفَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ
 لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزَّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُوهُ ۚ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ
 هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا۔ (بنی اسرائیل : 91 تا 94)

ترجمہ: اور انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز تیری کوئی بات نہیں مانیں گے جب تک
 ایسا نہ ہو کہ تو ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری کرے۔ یا تیرا کھجوروں

اور انگوروں کا باغ ہو اور تو اس کے اندر نہریں جاری کرے یا جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے۔ تُو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرائے یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرے یا تیرا سونے کا کوئی گھر ہو یا تُو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے (آسمان پر) چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لائیں جب تک تُو (اوپر جا کر) ہم پر کوئی کتاب نہ اتارے جسے ہم خود پڑھیں۔ تُو (انہیں) کہہ کہ میرا رب (ایسی بے ہودہ باتوں کے اختیار کرنے سے) پاک ہے میں تو صرف بشر رسول ہوں۔

استدلال:

کفار نے آنحضرت ﷺ سے مندرجہ بالا خود تجویز کردہ معجزات طلب کئے۔ آخری مطالبہ ان کا یہ تھا کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ان پر کتاب اتاریں۔ خدا تعالیٰ نے ان مطالبات کے جواب میں فرمایا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مَّرْئُومًا۔ کہ اے رسول! تُو اُن سے کہہ دے کہ خدا ہر عیب سے پاک ہے اور میں صرف ایک بشر رسول ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی بشر خاکی جسم کے ساتھ جیسا کہ کفار کا مطالبہ تھا آسمان پر نہیں چڑھ سکتا اور اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ کسی بشر کو خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر لے جائے اور پھر اس کے ذریعہ کتاب اتارے۔

حضرت مسیحؑ بھی چونکہ بشر رسول تھے اس لئے ان کا بھی خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر جانا محال ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ معراج نبوی ﷺ ایک روحانی اور کشفی سیر تھا۔ صحیح بخاری کتاب التوحید باب قوله و كلم الله موسى تكليما کی روایت واستيقظ وهو في المسجد الحرام (کہ آپ کی

غنودگی جاتی رہی اور آپ ﷺ مسجد حرام میں تھے) بھی اس بات پر روشن دلیل ہے کہ معراج نبوی ﷺ ایک روحانی امر تھا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ۔ سورۃ بنی اسرائیل)

8: وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ

جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ

قَالَ أَفَرَزْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَيَّ دَلِيلًا لَكُمْ أَصْرِي ۚ قَالُوا أَفَرَزْنَا ۚ قَالَ

فَأَشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ. (آل عمران : 82)

ترجمہ:- اور جب خدا نے نبیوں کا عہد لیا کہ جو بھی کتاب اور حکمت میں تمہیں دوں پھر تمہارے پاس کوئی ایسا رسول آئے جو اس کلام کو پورا کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ہی اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا اور فرمایا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے ذمہ داری قبول کرتے ہو اور انہوں نے کہا ہاں ہم قرار کرتے ہیں۔ فرمایا اب تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

استدلال:

اس آیت کے دو معنی کئے جاتے ہیں اول یہ کہ تمام نبیوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد لیا گیا۔ دوم یہ کہ ہر پہلے نبی سے پچھلے نبی پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا۔

یہ عہد انبیاء سے ان کی قوموں کے لئے لیا گیا کہ وہ اپنی قوموں کو ہدایت کر جائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آئندہ آنے والے نبی پر ایمان لائیں اور اس کی نصرت کریں۔ کیونکہ نبی بوجہ امام ہونے کے قوم کا بھی نمائندہ ہوتا ہے۔ اگر عہد کرنے والا نمائندہ خود موجود ہو تو اس کا اور اس کی قوم کا یہ اخلاقی اور شرعی فرض ہوتا ہے

کہ اس عہد کی پابندی کریں۔ اوپر کے دونوں معنوں کے لحاظ سے یہ امر واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے کا ضرور عہد لیا گیا۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو اس عہد کے مطابق جو ان سے اللہ نے لیا تھا ان کا فرض تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں شامل ہو کر آپ کی مدد کرتے اور خدا کیلئے جس نے عہد لیا تھا یہ واجب تھا کہ وہ انہیں ضرور نصرت کے لئے بھجوادیتا چونکہ وہ کسی غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شامل نہیں ہوئے اس لئے یہ امر ان کے وفات یافتہ ہونے پر روشن دلیل ہے ورنہ معاذ اللہ انہیں بدعہد ماننا پڑے گا۔ جو محال ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انہیں خدا تعالیٰ نے روک رکھا تھا تو پھر خدا پر الزام آتا ہے کہ نصرت کا عہد لینے کے بعد جب کہ ضرورتِ حقہ موجود تھی اس نے مسیحؑ کو کیوں روک رکھا۔

دوسرے انبیاء تو غزواتِ نبوی ﷺ میں اس لئے شامل نہیں ہوئے کہ وہ وفات یافتہ تھے پس عیسیٰ علیہ السلام کے شامل نہ ہو سکنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہ بھی وفات پا چکے تھے۔

اُن آیات کی تفسیر جن سے حیاتِ مسیحؑ پر استدلال کیا جاتا ہے

1. وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا. بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا. وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا

لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا.

(النساء : 158 تا 160)

ترجمہ: اور ان کے اس قول کے سبب (انہیں سزا ملی) کہ یقیناً ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو حالانکہ نہ انہوں نے اُسے قتل کیا اور نہ انہوں نے اسے صلیب پر لٹکا کے مارا بلکہ وہ ان کے لئے مقتول و مصلوب کے مشابہ بنایا گیا اور جن لوگوں نے اس معاملہ میں اختلاف کیا ہے وہ ضرور اس معاملہ میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں اس کے متعلق کوئی علم نہیں بجز وہم کی پیروی کے اور انہوں نے اسے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنے حضور رفعت دی ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے اور اہل کتاب میں سے کوئی بھی نہیں مگر وہ اس واقعہ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا رہے گا اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔

تفسیر: یہودیوں نے یہ کہا تھا کہ بے شک ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے یہ فقرہ ان کا بطور طنز و تحقیر کے تھا کیونکہ وہ عیسیٰ بن مریم کو نہ مسیح مانتے تھے نہ رسول اللہ بلکہ اُن کی مراد یہ تھی کہ عیسیٰ بن مریم جو مسیح اور رسول اللہ بنا بیٹھا تھا۔ اسے ہم نے مار ڈالا ہے کیونکہ وہ (معاذ اللہ) مفتری تھا اور تورات میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔ (استثناء باب 13 آیت 5)

بعض یہودی یہ کہتے تھے کہ مسیح کو سنگسار کر کے بعد میں صلیب پر لٹکایا گیا اور بعض یہ کہتے تھے کہ مسیح کو صلیب پر لٹکا کر مار دیا گیا ہے اور عیسائی بھی اسی دوسرے عقیدہ پر قائم ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ کہہ کر مطلق قتل کیا جانے کی بھی تردید کر دی اور صلیب پر مارا جانے کی بھی تردید کر دی اور فرمادیا کہ یہودیوں نے نہ مسیح کو قتل کیا ہے نہ صلیب پر مارا ہے لیکن وہ ان کے لئے

مقتول اور مصلوب کے مشابہ کئے گئے ہیں یعنی یہودیوں نے غلطی سے سمجھ لیا ہے کہ وہ مار ڈالے گئے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی موت واقع نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ یہودیوں کے لئے بوجہ غشی، مُردہ کے مشابہ دکھائی دیئے اور ان کی غشی سے انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ اُن کی موت واقع ہو گئی ہے اور پھر وہ ان کے مار ڈالنے کو یقین کے ساتھ بیان کرنے لگ گئے۔

واضح ہو کہ شُبَّہ لَہُم جملہ فعلیہ خبریہ ہے کہ اس میں شُبَّہ فعل ماضی مجہول ہے جس کا اسناد سیاقِ کلام کے لحاظ سے یا مسیح کی طرف ہو سکتا ہے۔ یا قتل و صلب کے معاملہ کی طرف۔ یعنی شُبَّہ کی ضمیر واحد غائب مستتر یا حضرت مسیح کی طرف پھرتی ہے یا واقعہ قتل کی طرف تیسرا کوئی امر یا شخص مذکور نہیں جو اس ضمیر کا مرجع بن سکے۔ دونوں صورتوں کا مآل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے قتل کا معاملہ یہود پر مشتبہ ہو گیا۔ پہلی صورت میں تقدیر کلام وَلَکِنْ شُبَّہ الْمَسِيحُ لَہُم ہوگی۔ اور اس صورت میں مسیح مشتبہ ہوگا اور مطلق مقتول و مصلوب نہ کہ کوئی معین مقتول و مصلوب مشتبہ۔ اور دوسری صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی شُبَّہ اَمْرُ الْقَتْلِ وَالصَّلْبِ لَہُم کہ قتل کئے جانے اور صلیب دیئے جانے کا معاملہ یہود پر مشتبہ ہو گیا اور انہوں نے غیر مقتول اور غیر مصلوب کے مقتول و مصلوب ہونے کا گمان کر لیا۔

ایک غلط توجیہ:

بعض مفسرین جن میں مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی بھی شامل ہیں یہ توجیہ کی ہے کہ شُبَّہ لَہُم کے یہ معنی ہیں کہ کوئی اور آدمی مسیح کا ہم شکل اور مشابہ بنا دیا گیا اور اسے مقتول و مصلوب کر دیا گیا اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا نے زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ اس تفسیر کے درست ہونے کے متعلق ان کی دلیل یہ ہے کہ وَلَکِنْ سے پہلے

اگر منفی جملہ آئے تو پہلے جملہ کا مثبت فعل وَلَكِنْ کے بعد محذوف ماننا پڑے گا اور اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ قَتَلُوهُ وَصَلَبُوهُ مِنْ نُسْبَةٍ لَهُمْ (ملاحظہ ہو ان کی تصنیف شہادۃ القرآن صفحہ 50) اس توجیہ کا ترجمہ مولوی صاحب نے یوں لکھا ہے کہ لیکن انہوں نے اس شخص کو قتل کیا اور صلیب پر چڑھایا جو ان کے لئے مسیح کے مشابہ بنایا گیا تھا۔

توجیہ کی تردید:

مولوی صاحب کی یہ توجیہ اور ان کے ساتھ بعض مفسرین کی اسی قسم کی توجیہات صرف اس وجہ سے ہیں کہ انہوں نے یہ عقیدہ اختیار کر رکھا تھا کہ نہ صرف یہ کہ مسیح کی موت صلیب پر واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ صلیب پر چڑھائے بھی نہیں گئے اور اُس روایت کو قبول کر لیا جو پرانے معدوم عیسائیوں کے ایک حصہ میں چلی آتی تھی کہ مسیح کی جگہ دوسرا شخص شمعون قرینی یا یہوداہ اسکر یوطی مسیح کا ہمشکل ہونے کی وجہ سے صلیب دیا گیا اور حضرت مسیح درمیان سے غائب ہو گئے۔ اس روایت کی توثیق کسی حدیث نبوی مرفوع متصل سے نہیں ہوتی۔ یہ روایت محض جعلی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر حضرت مسیح کو خدا نے بقول مولوی محمد ابراہیم صاحب آسمان پر زندہ اٹھالیا ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ کو کسی دوسرے شخص کو مسیح کا ہمشکل بنا کر صلیب دلوانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس طریق کے اختیار کرنے سے یہودی ہمیشہ کی گمراہی میں مبتلا رہ سکتے تھے کیونکہ انسان شکل ہی سے پہچانا جاسکتا ہے۔ جب حضرت مسیح کی شکل دوسرے شخص کو دی گئی تو پھر خدا تعالیٰ نے خود ہمیشہ کیلئے یہود کی گمراہی کا سامان کیا کہ وہ کہتے رہیں کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو مار ڈالا۔ ایسی چال خدا کی شان کے منافی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے بالفرض حضرت مسیح کو زندہ آسمان پر اٹھانا ہوتا تو پھر وہ

انہیں لوگوں کے دیکھتے ہوئے ان کے درمیان سے آسمان پر اٹھالیتا تا یہ معجزہ دیکھ کر یہود ایمان لے آتے اور کسی دوسرے شخص کو حضرت مسیحؑ کا ہمشکل بنا کر صلیب دینے کی ضرورت نہ ہوتی جس سے یہود کو حضرت عیسیٰ بن مریم کے مصلوب ہونے کا یقین پیدا ہوتا پھر اگر دوسرا شخص حضرت مسیحؑ کا ہمشکل بنا کر صلیب پر چڑھا دیا جاتا تو وہ اور اس کے اقرباء ضرور شور کرتے کہ وہ تو عیسیٰ نہیں۔ پھر وہ مارا بھی جاتا تو منظم رومی حکومت میں شور پڑ جاتا کہ اصل مجرم کی جگہ حکومت کے کارندوں نے دوسرا آدمی مار ڈالا ہے اور مقتول و مصلوب کے ورثاء حکومت سے اپیل کرتے اور تحقیقات پر حقیقت کھل جاتی کہ بے گناہ انسان مارا گیا ہے۔ حکومت کے کارندوں کو حکومت سزا دیتی اور وارثوں کو تاوان اور یہودیوں کا یہ شبہ مٹا دیا جاتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب ہوئے۔ پھر اسرائیلیوں کی ایسی روایات میں بھی اختلاف ہے۔ بعض شمعون قرینی کا صلیب دیا جانا بتاتے ہیں اور بعض یہوداہ اسکر یوٹی کا۔ پس یہ خیال نہایت کمزور، باطل بلکہ سٹنٹ ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے مسیح علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے متعلق ایسے ہی تمام اختلافات کے پیش نظر وَلَٰكِنْ شَبَّهَ لَهُمْ کے بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَنُفِيَنَّ شَكَ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ

عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ۔

کہ یقیناً جن لوگوں نے بھی مسیحؑ کے قتل اور صلیب کے واقعہ میں اختلاف کیا ہے (خواہ یہ کہا کہ وہ مقتول ہوئے یا یہ کہا کہ وہ صلیب پر مارے گئے یا یہ کہا کہ کوئی دوسرا شخص ان کا ہمشکل مصلوب ہوا) وہ سب اصل واقعہ سے شک میں مبتلا ہیں۔ انہیں اس کا (یعنی اصل حقیقت کا) علم نہیں ہے۔ وہ صرف ظن کی پیروی کر رہے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کہہ کر اس کے بعد معاملہ کو یہود پر مشتبہ قرار دے کر صاف طور پر بتا دیا ہے کہ یقینی بات یہی ہے کہ مسیح کو قتل و صلیب سے بچا لیا گیا ہے اور اس واقعہ کے متعلق جس قدر بھی اختلافات ہیں جن سے لوگوں پر حضرت مسیحؑ کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے وہ محض انکل پیچو خیالات کا نتیجہ ہیں ان کی بنیاد کسی یقینی بات پر نہیں۔ گویا یہودیوں اور عیسائیوں کے تمام اختلافات کو اس آیت کے ذریعہ مردود قرار دیا گیا ہے کہ مسیحؑ کی موت واقع ہو گئی یا کوئی دوسرا آدمی اُن کا ہم شکل صلیب پر مارا گیا۔ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مَا قَتَلُوْهُ يَّقِيْنًا کہہ کر مسیحؑ کے مارا جانے کے بارہ میں یہودیوں وغیرہ کے خیالات کو قطعاً غلط قرار دے دیا ہے۔ مَا قَتَلُوْهُ يَّقِيْنًا کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ یہودیوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ اس جگہ یہ نہیں کہا کہ انہوں نے کسی دوسرے شخص کو قتل کیا ہے۔ یہ معنی لفظ قتل کے حقیقی معنی کے لحاظ سے ہیں لیکن اس آیت میں قتل کے مجازی معنی بھی مراد لیے گئے ہیں یعنی پورے طور پر جاننا۔ چنانچہ مفرداتِ راغب میں لکھا ہے۔

مَا قَتَلُوْهُ يَّقِيْنًا اَيُّ مَا عَلِمُوْا كَوْنُهُ مَصْلُوْبًا عَلِيْمًا يَّقِيْنًا.

یعنی حضرت مسیحؑ کے مصلوب ہونے کو انہوں نے یقینی علم کے ساتھ نہیں جانا یہ معنی بھی اختلافات کے وہم ہونے پر بطور دلیل موزوں معنی ہیں۔

اب رہ گئی یہ بات کہ مولوی ابراہیم صاحب کا یہ قاعدہ نحو اس جگہ کیوں چسپاں نہیں ہو سکتا؟ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ منفی جملہ کے بعد جب وَلٰكِنْ آجائے تو پہلے فعل کو مثبت صورت میں اُس وقت محذوف مانا جاتا ہے جبکہ اس کے بعد جملہ خبریہ نہ ہو بلکہ مفرد ہو یا مرکب ناقص ہو یا ایسا جملہ ہو جو بحکم مفرد ہو جیسے جملہ انشائیہ مقولہ کے طور پر واقع ہو۔

مولوی صاحب کی استشہاد میں پیش کردہ مثالیں یہ ہیں۔

1 : مَا قَامَ زَيْنٌ وَلَكِنْ عَمَرُوهُ (وَلَكِنْ قَامَ عَمْرُو)

2 : مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولُ

اللَّهِ (وَلَكِنْ كَانَ رَسُولَ اللَّهِ)

ان دونوں مثالوں میں واقعی مولوی صاحب کا پیش کردہ قاعدہ جاری ہے کیونکہ پہلی مثال میں عَمَرُو مفرد ہے اور دوسری مثال میں رسول اللہ مرکب اضافی ہے جو خود جملہ نہیں اس لئے پہلی مثال میں فعل قَامَ محذوف ہوگا اور دوسری مثال میں كَانَ فعل محذوف۔

لیکن وَلَكِنْ شَيْئَةٌ لَهُمْ میں شَيْئَةٌ لَهُمْ جملہ خبریہ ہے لہذا ان دو مثالوں پر جو قاعدہ چسپاں ہے وہ وَلَكِنْ شَيْئَةٌ لَهُمْ پر چسپاں نہیں ہوتا۔

مولوی صاحب نے تیسری مثال قرآنی آیت مَا كَانَ لَهَا أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبِيَّةَ ثُمَّ يَقُولُ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَ لَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ (آل عمران: 78) دی ہے اور وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ کی تقدیر عبارت وَلَكِنْ يَقُولُ كُونُوا رَبَّانِيْنَ لکھی ہے۔

اس جگہ بے شک وَلَكِنْ کے بعد يَقُولُ فعل مقدر ماننا پڑتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ جملہ خبریہ نہیں بلکہ جملہ انشائیہ بصورت امر ہے کہ تم رہائی بن جاؤ۔ اس لئے اس سے قبل يَقُولُ فعل کا مقدر ماننا ضروری ہے اور یہ جملہ يَقُولُ کا مقولہ بن کر مفعول یہ ہو کر مفرد کے حکم میں ہے اور جملہ خبریہ نہیں۔ ماسوا اس کے وَلَكِنْ شَيْئَةٌ لَهُمْ کی تقدیر کلام وَلَكِنْ قَتَلُوا وَصَلُّوا مَن خَبَا لَهُمْ اس لئے بھی جائز نہیں کہ اس میں ایک لفظ مَن داخل کیا گیا ہے جس کو قَتَلُوا وَصَلُّوا کا مفعول بنا کر مشتبہ قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن شریف میں اس جگہ

کسی دوسرے آدمی کا ذکر نہیں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن مجید نے ہماری پہلی توجیہ کے لحاظ سے مشتبہ قرار دیا ہے نہ کہ مشتبہ بہ۔ قرآن مجید کے پیش کردہ مشتبہ کو مشتبہ بہ بنادینا اور وہ بھی ایسے آدمی کو جس کا کوئی ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں قرآن مجید کی معنوی تحریف کے مترادف ہے۔ قرآن کریم میں جن آیات میں وَلٰكِنْ کے بعد جملہ خبریہ استعمال ہوا ہے ان میں پہلے منفی فعل کو وَلٰكِنْ کے بعد مثبت صورت میں محذوف نہیں مانا جاتا۔ ذیل میں تین مثالیں دی جاتی ہیں۔

1: مَا كُنْتَ تَذَرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا تَهْدِي بِهِ مَنْ يَّشَاءُ . (الشوریٰ : 53)

اس آیت میں وَلٰكِنْ کے بعد جملہ خبریہ مذکور ہے اور اس میں وَلٰكِنْ کے بعد كُنْتَ تَذَرِي محذوف نہیں مانا جاتا۔

2: وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلٰكِنْ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ . (البقرة : 254)

اس آیت میں بھی وَلٰكِنْ کے بعد اخْتَلَفُوا جملہ فعلیہ خبریہ ہے۔ اس لئے وَلٰكِنْ کے بعد اقْتَتَلَ کا فعل محذوف نہیں مانا جاسکتا:

3: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَرُونَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ . (حم السجدة : 23)

اس آیت میں بھی وَلٰكِنْ کے بعد جملہ خبریہ ہے اس لئے وَلٰكِنْ کے بعد كُنْتُمْ تَسْتَرُونَ کو محذوف نہیں قرار دیا جاسکتا:

اگر مولوی ابراہیم صاحب کا پیش کردہ قاعدہ نحوی وَلَکِنْ کے بعد جملہ خبریہ آنے کی صورت میں پہلے منفی فعل کو وَلَکِنْ کے بعد مثبت رنگ میں محذوف ماننا جائز ہوتا تو مندرجہ بالا تینوں قرآنی امثلہ میں بھی یہ قاعدہ جاری ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا طریق یہ ہے کہ اگر وہ وَلَکِنْ سے پہلے منفی فعل استعمال کرے اور پھر وَلَکِنْ اس جگہ استدراک کی خاطر اپنے بعد اس فعل کے مثبت صورت میں استعمال کا تقاضا کرے اور اس طرح وَلَکِنْ کے بعد ایک جملہ فعلیہ کا تقاضا ہو تو پھر خدا تعالیٰ وَلَکِنْ کے بعد مثبت فعل کو مقدر نہیں رکھتا بلکہ اس کا لفظاذ کر کرتا ہے۔

ایسے فعل کو مقدر وہاں کیا جاتا ہے جہاں وَلَکِنْ کے بعد مفرد لایا جائے یا ایسا مرکب جو مفرد کے حکم میں ہونہ کہ خود جملہ خبریہ ہو۔

4 : بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔ (النساء : 159)

یہودی اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ۔ کہہ کر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ چونکہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو ہم نے قتل کر دیا ہے اس لئے وہ بموجب تورات دعویٰ نبوت میں مفتری تھا۔ جو گروہ مسیح کے مصلوب ہونے کا قائل تھا۔ وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ یہودی علماء کے فتویٰ پر صلیبی موت سے مرنے والا خدا کا ملعون ہوتا ہے۔ چونکہ ملعون خدا سے دور ہوتا ہے لہذا اس کے مرنے کے بعد خدا کی طرف اس کا رفع نہیں ہوتا۔ پس یہودی خواہ وہ مسیح کے مقتول ہونے کے قائل تھے خواہ مصلوب ہونے کے وہ اس کے نتیجے میں حضرت مسیح کو ملعون قرار دینے میں ان کے روحانی رفع کے منکر تھے اور اب تک منکر ہیں کیونکہ وہ انہیں اپنے دعویٰ میں جھوٹا قرار دیتے ہیں لہذا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مومنوں کی طرح ان کا رفع خدا کی طرف نہیں ہوا۔

یہ وہ امر تھا جس کا فیصلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں

ان کا یہ قول نقل کیا کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کے قول کے الفاظ کی تردید میں فرمایا۔ مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کہ یہودی نہ مسیح کو قتل کر سکے اور نہ صلیب پر مار سکے۔ بلکہ وہ درحقیقت خود شبہ میں ہیں۔ مسیح کو خدا نے بچا لیا مگر انہوں نے اسے مردہ خیال کر لیا۔

اس کے بعد ان کے اس قول اور دعویٰ کے نتیجہ کی تردید کہ مسیح ملعون ہوا، وہ کافر تھا، گویا مومنوں کی طرح اس کا رفع نہیں ہوا یہ کہہ کر فرمادی بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔ کہ یہ یہودی حضرت مسیح کو مار نہیں سکے بلکہ طبعی موت کے بعد ان کا رفع الی اللہ مومنوں کی طرح ہوا جیسا کہ آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ کے وعدہ الہی سے ظاہر ہے کہ طبعی وفات کے بعد ان کا رفع الی اللہ موعود تھا۔ یعنی یہودیوں کی تدبیر کے بالمقابل اس آیت میں وعدہ تھا کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح کو اُن کے ہاتھ سے بچالے گا اور ان کی عمر پوری کر کے انہیں طبعی وفات دے گا اور پھر مومنوں کی طرح ان کا اپنی طرف رفع کرے گا یعنی ان کی روح کو بعد از وفات اپنی حضوری کا شرف عطا فرمائے گا جیسا کہ اس کا طریق مومنوں کے متعلق ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہودی یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ کافر و ملعون مر گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ سمجھتے تھے کہ اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے گویا اس کا یہ جواب دیا ہے بَلْ مَاتَ مُؤْمِنًا مَّرْفُوعًا اِلَی اللّٰهِ حسب آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ۔ لہذا اس آیت میں بَلْ کا لفظ یہودیوں کے اس غلط عقیدہ کی تردید میں ہے کہ مسیح کے صلیب پر مرنے اور ملعون ہو جانے کی وجہ سے مومنوں کی طرح ان کا رفع الی اللہ نہیں ہوا کیونکہ یہود نے گمان کر لیا تھا کہ مسیح درحقیقت ان کے علماء کے فتوے سے مارا گیا ہے اس لئے وہ رفع الی اللہ سے محروم

رہ گیا ہے پس خدا تعالیٰ نے مسیحؑ کے مقتول و مصلوب ہونے کی نفی بھی فرمادی اور بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔ کہہ کر یہودیوں کے مزعومہ نتیجہ کی تردید بھی فرمادی کہ وہ ملعون ہو گیا ہے۔

یہودیوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ جو صلیبی موت سے بچ جائے اس کا جسم آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے اگر ایسا خیال ہوتا تو پھر بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔ کے یہ معنی قرار دینے کا امکان ہوتا کہ خدا نے تو حضرت مسیحؑ کے جسم کو آسمان پر اٹھالیا ہے پس سیاق آیت اس بات پر روشن دلیل ہے کہ آیت بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ میں مسیحؑ کے جسم کا اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھایا جانا مراد نہیں۔

جسمانی رفع اللہ تعالیٰ کی طرف محال ہے:

ماسواں کے واضح رہے کہ کسی شخص کے جسم کا خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا جانا تو محال ہے کیونکہ اس صورت میں خدا تعالیٰ کو محدود المکان ماننا پڑتا ہے حالانکہ وہ جہات سے پاک ہے اور اس کو کسی جہت میں محصور قرار دینا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے تو ہر وقت خدا تعالیٰ انسان کے ساتھ ہوتا ہے بموجب آیت نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق: 17) خدا تعالیٰ اور بندے کے درمیان اس آیت کی روشنی میں کوئی بُعد یا فاصلہ اس لئے تجویز نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ جہاتِ ستہ سے پاک اور منزہ ہے اور اس کو کسی خاص جہت میں قرار دینا عقیدہ کفریہ ہے اور رفع جسمی دو چیزوں میں فاصلے اور سفر طے کرنے کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا چونکہ بموجب تعلیم اسلامی حضرت مسیحؑ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی فاصلہ اور بُعد تجویز نہیں کیا جاسکتا اس لئے حضرت مسیحؑ کا اللہ تعالیٰ کی طرف رفع جسمی مستلزم محال ہونے کی وجہ سے محال ہے کیونکہ رفع جسمی خدا تعالیٰ کے ذوجہت ہونے کو چاہتا ہے

اور خدا کا ذوجہت ماننا عقیدہ کفریہ ہے یہی وجہ ہے کہ محقق علماء نے یہ لکھا ہے:

(1) امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:

إِغْلَمْ أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ تَذُلُّ عَلَى أَنَّ رَفْعَهُ فِي قَوْلِهِ (وَرَأْفَعُكَ
إِلَى) هُوَ الرِّفْعَةُ بِالذَّرَجَةِ وَالْمُنْقَبَةِ لَا بِالْمَكَانِ وَالْجِهَةِ.

(تفسیر کبیر الرازی زیر تفسیر سورۃ آل عمران: 56)

یعنی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ حضرت مسیحؑ کو جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
رَافِعُكَ إِلَى اس سے مراد رفع درجہ اور منزلت ہے کسی جہت اور جگہ کی
طرف رفع مراد نہیں۔

(2) علامہ محمود شلتوت مرحوم سابق مفتی مصر و ریکٹراز ہریونیورسٹی لکھتے ہیں۔

ظَاهِرًا أَنَّ الرِّفْعَ الَّذِي يَكُونُ بَعْدَ التَّوْفِيقِ هُوَ رَفْعُ الْمَكَانَةِ
لَا رَفْعُ الْجَسَدِ. (الفتاویٰ صفحہ 56)

ترجمہ: ظاہر ہے کہ رفع جو توفیٰ کے بعد ہے وہ مرتبہ کا رفع ہے نہ جسم کا رفع۔

(3) الاستاذ المصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

التَّوْفِيقُ هُوَ إِلَّا مَاتَ الْعَادِيَةُ وَأَنَّ الرِّفْعَ بَعْدَهُ لِلرُّوحِ
..... وَالْمَعْنَى إِنِّي مُمِيتُكَ وَجَاعِلُكَ بَعْدَ الْمَوْتِ فِي
مَكَانٍ رَفِيعٍ عِنْدِي.

(تفسیر مراغی جلد 1 زیر تفسیر سورۃ آل عمران: 56)

یعنی توفیٰ مار دینے کو کہتے ہیں اور جان لو رفع اس کے بعد روح کا
ہے اور معنی آیت یہ ہیں میں تجھے مارنے والا ہوں اور تجھے موت کے بعد
اپنے حضور بلند جگہ دینے والا ہوں۔

(4) علامہ رشید رضا سابق مفتی مصر لکھتے ہیں:

عَلَى الْقَوْلِ بِأَنَّ التَّوْفِيقَ الْإِمَاتَةَ لَا يُظْهَرُ لِلرَّفْعِ مَعْنَى الِارْفَاعِ الرُّوحِ - (تفسير المنار صفحہ 20 زیر آیت النساء: 158)
اس بات کی وجہ سے کہ تَوْفِيقُ کے معنی مار دینے کے ہوتے ہیں رفع کے معنی صرف روح کا رفع ہی ہو سکتے ہیں۔

یہ امر بھی واضح رہے کہ جب خدا تعالیٰ الرَّافِعَ یعنی رفع دینے والا ہو تو اس سے ہمیشہ یہی مراد ہوتی ہے کہ خدا مومنوں کو سعادت عطا فرماتا ہے اور اپنے پیاروں کو اپنے قرب سے نوازتا ہے جیسا کہ لغت کی کتاب لسان العرب میں لکھا ہے:

وَفِي أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى الرَّافِعُ هُوَ الَّذِي يَرْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ بِالْإِسْعَادِ وَأَوْلِيَاءَ بِالتَّقْرِيبِ.

یعنی اللہ کے ناموں میں سے ایک نام الرَّافِع ہے یہ وہ ذات ہے جو مومنوں کو خوش نصیبی اور اپنے پیاروں کو قرب دینے کے ذریعہ رفع دیتی ہے۔ پس خدا کے مقرب ہونے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ قرب پانے والا کوئی مادی مسافت طے کر کے خدا کے پاس پہنچا ہے بلکہ اس سے مراد خدا تعالیٰ کے حضور میں درجہ کی بلندی ہوتی ہے لہذا کمالِ رفع کا حصول موت کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے گو رفع کے ابتدائی درجے اس دنیا میں بھی مومنین اور اولیاء کو حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی آیت بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ - کے مطابق ان کی شان کے مطابق کامل رفع خدا تعالیٰ کے حضور ان کی وفات کے بعد ہی ہوا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔

اَكْرَمَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ اَنْ يُرِيَهٗ فِيْ اُمَّتِهٖ مَا يَكْرَهُ فَرَفَعَهُ اِلَيْهِ وَبَقِيَّتِ

النَّفْمَةُ۔ (بیہقی بحوالہ کیل الموفی صفحہ 28)

کہ خدا تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں عزت افزائی فرمائی۔ کہ آپ کی موجودگی میں اُمت کے لئے جو باتیں آپ کو ناپسند تھیں وہ ظاہر نہیں ہوئیں اور خدا نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا اور موجب عذاب باتیں بعد میں وقوع پذیر ہوئیں۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے بارہ میں وہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو حضرت مسیحؑ کے لیے آیت بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں وارد ہیں۔

حضرت انسؓ کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات باعزت رنگ میں ہوئی جس کی وجہ سے حضور ﷺ نے اپنی شان کے مطابق خدا تعالیٰ کی حضوری حاصل کی۔

ان معنوں میں رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے محاورہ کا استعمال اہل سنت و اہل تشیع میں معروف ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف مائت بالسنۃ مطبوعہ مطبع مجتہبی صفحہ ۹۲ پر آنحضرت ﷺ کی شان میں لکھا ہے۔

كَانَ الْحِكْمَةُ فِيْ بَعْثِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِدَايَةَ الْخَلْقِ وَتَسْمِيْمَ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَتَكْمِيْلَ مَبَانِي الدِّينِ فَحِيْنَ حَصَلَ هَذَا الْاَمْرُ وَتَمَّ هَذَا الْمَقْصُوْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّيْنَ سَنَةً۔

کہ رسول کریم ﷺ کو بھیجنے کی حکمت مخلوق کی ہدایت مکارم اخلاق کو پورا کرنا اور دین کی تکمیل تھی جب یہ امر حاصل ہو گیا اور یہ مقصد پورا ہو گیا تو خدا نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا اور آپ کو وفات دے دی 63 سال کی عمر میں۔

اسی طرح شیعہ کتب میں روایت ہے۔

دَعَا اللّٰهُ نَبِيَّهٗ وَرَفَعَهُ اِلَيْهِ .

(الکافی کتاب الروضة و تفسیر صافی صفحہ 113)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بلا لیا اور اسے اپنی طرف اٹھالیا۔ یعنی باعزت وفات دے کر آپ کے مدارج کو بلند کیا۔

پس رفع کا کمال مومن کو وفات کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے خواہ قبل از وفات بھی اسے خدا تعالیٰ کے حضور میں مقامات رفیعہ حاصل ہوں۔

قرآن کریم کی آیت ءَاَمِنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ اَلْاَرْضَ . (الملک: 17) کے پیش نظر مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی حضرت مسیحؑ کے متعلق رفع الی اللہ سے مراد تاویل رفع الی السماء قرار دیتے ہیں حالانکہ انہیں خود یہ مسلم ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی جہت میں ماننا کفر ہے اور مَنْ فِي السَّمَاءِ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

”کہ اس کے لئے جہت فوق ماننا تقاضائے فطرت ہے“ جس کے یہ معنی ہوئے کہ حقیقت میں اس کے لئے جہت فوق بھی نہیں مگر فطرت انسانی اس کو استعارۃً اوپر تھوڑ کر رہتی ہے۔

واضح رہے رفع الی اللہ کی تاویل رفع الی السماء ماننے کی صورت میں بھی رفع کے معنوں میں رفع جسمی مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا تعالیٰ کا جہت فوق میں ہونا ایک استعارہ ہے نہ کہ حقیقت اور اسم الہی الرفع کا تقاضا مراتب میں رفعت دینا ہے نہ کسی کے جسم کا اٹھانا جیسا کہ قبل ازیں لغت کے حوالہ سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

پس حضرت مسیحؑ کی روح کا رفع تو آسمان کی طرف مانا جاسکتا ہے تا اسے

اللہ تعالیٰ سے قرب کا وہ مقام حاصل ہو جو پہلے انہیں حاصل نہ تھا۔ یہ دفع الی السماء تو ہر نبی کو حاصل ہوا ہے چنانچہ اسی لئے معراج میں آنحضرت ﷺ نے انبیاء کرام کو مختلف آسمانوں میں دیکھا اور بموجب حدیث صحیح بخاری حضور ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی خالہ کے بیٹے حضرت یحییٰ کو اکٹھے دوسرے آسمان پر دیکھا جو وہاں برزخی زندگی گزار رہے ہیں اور حضرت موسیٰ کو ساتویں آسمان پر دیکھا اور خود حضور ﷺ نے اپنا مقام حضرت موسیٰ سے بھی آگے بڑھا ہوا مشاہدہ فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ ہونا جو شہید ہو کر دوسرے آسمان پر پہنچے ہوئے تھے اور عالم برزخ کی زندگی گزار رہے تھے خود اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بعد از وفات طبعی عالم برزخ میں رکھے گئے عالم برزخ کا مشاہدہ انسان یا تو عالم خواب و کشف میں کرتا ہے یا وفات کے بعد وہاں پہنچ کر کرتا ہے عالم برزخ میں انسان کا مادی وجود ساتھ نہیں ہوتا بلکہ روح کو ایک لطیف روحانی جسم عطا کیا جاتا ہے جس کے ساتھ وہ عالم برزخ کا مشاہدہ کرتا ہے یا خود اس میں پہنچ جاتا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ میں دفع کے ساتھ اِلَى السَّمَاءِ کا لفظ بھی موجود ہے مگر چونکہ خدا تعالیٰ انسان کو دفع صرف درجات کی بلندی کی صورت میں دیتا ہے اس لئے حدیث نبوی ﷺ میں دفع الی السماء سے مراد کسی خاص آسمان میں درجہ کی بلندی ہوتا ہے نہ کہ رفع جسم۔ حدیث نبوی ﷺ کے الفاظ یہ ہیں۔

إِذَا تَوَاضَعَ رَفَعَهُ اللَّهُ بِالسِّلْسِلَةِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ .

(کنز العمال جلد 3 صفحہ 117 باب التواضع)

جب بندہ (خدا کے حضور) عاجزی اور انکسار کرتا ہے تو خدا اُسے ساتویں آسمان پر ایک زنجیر کے ساتھ اٹھا لیتا ہے۔

یعنی تواضع اور انکساری سے سلسلہ وار انسان کو قرب منزلت حاصل ہوتی ہے نہ یہ کہ انکساری کرنے والے کا جسم آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔ انکساری کرنے والا عبد تو بقیہ حیات رُوح و جسم کے ساتھ انکساری کرتا ہے مگر مراد حدیث میں روحانی رفعت ہی ہے نہ کہ عبد کا کسی آسمان پر جسمانی رفع ہوتا ہے۔

معراج نبوی کی حقیقت:

ہماری اس بحث سے کہ خدا کی طرف رفع جسمی محالات میں سے ہے کیونکہ اس سے خدا کا ذوجہت ہونا لازم ہوتا ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا معراج بھی مادی جسم کے ساتھ نہ تھا بلکہ ایک لطیف نورانی مثالی جسم کے ساتھ تھا۔ اور جو نظارے حضور ﷺ کو دکھائے گئے وہ بھی مثالی جسم کے ساتھ آپ کے سامنے پیش ہوئے جیسا کہ دنیا آپ کو ایک بڑھیا کی صورت میں دکھائی گئی اور دجلہ و فرات مثالی وجود میں آسمان پر دکھائے گئے اور جنت و دوزخ کو مثالی وجود میں دکھایا گیا اور بعض روایات کی رو سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ نے جنت میں مثالی وجود میں مشاہدہ فرمایا جبکہ بلال خود زندہ زمین پر موجود تھے۔

پس آنحضرت ﷺ کی یہ سیر روحانی ایک مثالی نورانی جسم کے ساتھ تھی اسی لیے شاہ ولی اللہ جیسے علماء محققین نے بھی معراج کے واقعات کی آنحضرت ﷺ کے زمانہ نبوت میں ظاہر ہونے والے واقعات سے تعبیر کی ہے۔

اور چونکہ یہ لطیف ترین کشف تھا اسی لئے صحیح بخاری کتاب التوحید باب ما جاء فی قوله وکلم اللہ موسیٰ تکلیماً میں واقعہ معراج کے بعد وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے الفاظ ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ حالت کشفی سے بیدار ہوئے اور آپ مسجد حرام میں تھے۔

خلاصہء کلام یہ کہ حضرت مسیحؑ کے رفع الی اللہ کی تعبیر رفع الی السماء کرنے سے بھی ان کا رفع جسمی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ رفع کا فاعل خدا ہے اور خدا تعالیٰ کے رفع دینے سے مراد رفع جسمی نہیں ہوتی بلکہ رفع روحانی ہی ہوتی ہے۔

مولوی ابراہیم صاحب کے استدلال کا ابطال

مولوی صاحب شہادۃ القرآن صفحہ 166 پر لکھتے ہیں:

”قتل و صلب کے قابل جسم ہے نہ روح اس لئے مزعوم یہود قتل جسد ہوا نہ قتل روح۔ بنا بر آں وَمَا صَلَّبُوهُ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا میں نفی قتل و صلب جسم ہی سے کی گئی ہے پس چونکہ جملہ ضمائر منصوب و متصل جو افعال منفیہ و فعل مثبت کے ساتھ ہیں یعنی جو وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَّبُوهُ اور وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ میں واقع ہیں ان سب کا مرجع مسیحؑ ہے اس لئے لامحالہ جسد مسیحؑ مرفوع ماننا پڑے گا بنا بر اتحاد مرجع۔“

مولوی صاحب کی یہ بحث نہایت کمزور ہے قتل اور صلب کے فعل سے صرف جسم ہی متاثر نہیں ہوتا بلکہ روح بھی متاثر ہوتی ہے لیکن رفع کا فعل جب خدا اس کا فاعل ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے رفع درجات کا مفہوم رکھتا ہے خواہ رفع درجات زندگی میں ہو یا بعد از ممات اور رفع درجات کا تعلق روح کی رفعت سے ہے نہ جسم سے۔

پس مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَّبُوهُ کی ضمائر کا مرجع خالی مسیحؑ کا جسم نہیں کیونکہ قتل اور صلب محض ایسے جسم پر وارد نہیں ہو سکتا جس میں روح موجود نہ ہو بلکہ ان کا اطلاق زندہ انسان (جو مجموعہ روح و جسم ہے) کے مارے جانے پر ہوتا ہے جس

سے روح جسم سے الگ ہو جاتی ہے اور رفع کے خدا کا فاعل ہونے کی صورت میں رفع جسمی محالات میں سے ہے جیسا کہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔

لہذا بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں رَفَعَهُ کی ضمیر کا مرجع گواہ مسیح ہے مگر مراد اس سے رفع الروح اور روحانی رفع ہے کیونکہ خالی ارواح بھی جب جسم سے الگ ہوں تو انہیں ان کے نیک اعمال کے مطابق ایک نورانی لطیف جسم دیا جاتا ہے اور پھر اس روح کا بھی وہی نام ہوتا ہے جو جسمانی مادی وجود میں رکھا گیا تھا۔

پس مولوی ابراہیم صاحب کا یہ کہنا پورے طور پر درست نہیں کہ ”ارواح مجرّدہ بغیر تعلق بالبدن کے قابل تسمیہ نہیں ہوتے اور نہ جسم بے روح حامل اسم ہوتا ہے۔“ (شہادۃ القرآن صفحہ 166 تا 168)

اصل حقیقت یہ ہے کہ ارواح جب مادی بدن سے مجرّد ہوں تو انہیں اعمال کے مطابق فوراً ایک نورانی یا ظلمانی جسم عطا ہوتا ہے اور وہ ارواح مع اس جسم جدید کے قابل تسمیہ ہوتی ہے۔ چنانچہ معراج کی حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھنا ان کے انہی لطیف اجسام کی صورت میں تھا اسی لئے آپؐ نے آدم، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ و یحییٰ علیہم السلام کے ناموں سے ہی ان کا ذکر نہیں کیا بلکہ حضرت ابراہیم، موسیٰ، اور عیسیٰ علیہم السلام کے حلیے بھی بیان فرمادیئے مجرّد روح تو کوئی حلیہ نہیں رکھتی۔

پس آیت بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی تفسیر لِيُعِيْنِي اِلٰی مُتَوَفِّيكَ وَرَافَعْتَ اِلٰی کے مطابق چونکہ حضرت مسیحؑ کا رفع کامل بعد از وفات ہو لہذا رَفَعَهُ اللّٰهُ کی ضمیر کا مرجع حضرت مسیحؑ کی روح مع جسم لطیف ہے جو قابل تسمیہ ہے اور اسے انتشارِ ضمائر نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ یہ امر صنعتِ استخدام کی ذیل میں آتا ہے جس سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے نہ نقص۔ آیت اَمَاتَهُ فَاَقْبَرَهُ میں اسی

حقیقت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ دیکھئے موت جسم و روح کے مجموعہ پر وارد ہوئی اسکے بعد قبر میں صرف جسم کو رکھا جاتا ہے اور اگر برزخی قبر مراد ہو تو اس میں صرف روح کو رکھا جاتا ہے نہ کہ جسم مادی مع الروح کو۔

مولوی ابراہیم صاحب کا آخری نکتہ

یہ ہے کہ:

چونکہ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں رفع کو بصیغہ ماضی تعبیر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ زمانہ کی ماضویت و استقبال اضافی امور سے ہے ذاتی نہیں یعنی ایک ہی زمانہ نسبت ایک کے ماضی ہو سکتا ہے اور نسبت دوسرے کے استقبال۔ اس لئے رفع کی ماضویت بھی کسی کی نسبت سے ہوگی اور وہ ماقبل بل ہے یعنی واقعہ صلیبی اور چونکہ واقعہ صلیبی کے پیشتر حیات مسیح علیہ السلام عند النّصم بھی مسلم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جب حضرت روح اللہ کو آسمان پر زندہ اٹھالیا اور یہود کے ہاتھ میں ہرگز نہ آنے دیا اور یہی امتنان باری آیہ وافی ہدایہ ”وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ“ میں مذکور ہے۔

• (شہادۃ القرآن صفحہ 166، 167)

الجواب:

آیت بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ میں رَفَعَ کی ماضویت کا اضافی ہونا ہمیں مسلم ہے مگر رَفَعَ کی ماضویت کی اضافت اس جگہ واقعہ صلیبی سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے قرآنی بیان وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ سے ہے اور خدا تعالیٰ کے اس بیان میں کہ مسیح مقتول اور مصلوب نہیں ہوا اس بیان سے پہلے پہلے مسیح کا رفع الی اللہ ہو جانا بیان ہوا ہے نہ کہ واقعہ صلیب سے پہلے رفع الی اللہ ہونا۔

خدا یہ بتا رہا ہے کہ واقعہ صلیب کے پیش آنے سے یہود نے اُن کو (حضرت مسیحؑ کی غشی کے مُردہ سے مشابہت شدیدہ کی وجہ سے) مردہ سمجھ لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ اب خدا قرآن میں بتاتا ہے کہ مَا قَتَلُوهُ يَقِينًا کہ یہودی حضرت مسیحؑ کو قتل نہیں کر سکے۔ پس ان کا یہ قول بھی غلط ہے اور اس کا نتیجہ عدم رفع کا جو وہ نکالتے ہیں وہ بھی درست نہیں بلکہ واقعہ صلیبی کے بعد جس سے مسیحؑ کو بچا لیا گیا ہمارے اس تردیدی بیان سے پہلے پہلے کہ مسیحؑ مصلوب و مقتول نہیں ہوا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا رفع حسب آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافَعُکَ ہو چکا ہے۔

آیت وَ اِذْ کَفَفْتُ بَنِیَّ اِسْرَآءِیْلَ عَنْکَ میں اسی بات کا ذکر ہے کہ یہودی مسیحؑ کو قتل کرنے اور صلیب پر مارنے پر قادر نہیں ہو سکے۔ خدا کی تدبیر نے ان کے قادر ہونے میں روک پیدا کر دی۔

اور خدا کی تدبیر کا ایک حصہ یہ تھا کہ مسیحؑ کو غشی کی حالت میں صلیب سے اتار لیا گیا اور یہودیوں نے غلطی سے انہیں مردہ سمجھ کر یہ دعویٰ کر دیا کہ ہم نے مسیحؑ کو مار دیا ہے اب قرآن کریم مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کہہ کر انہیں اس غلط عقیدے سے بچانا چاہتا ہے کہ (حضرت) عیسیٰ نے لعنتی موت کے بعد خدا کی حضوری اور قرب کا شرف حاصل نہیں کیا۔

واضح رہے کہ لغت عرب میں صَلْب کے معنی صلیب پر مار دینا ہیں نہ کہ صرف صلیب پر لٹکانا۔ لغت عربی میں لکھا ہے الصُّلْبُ: الْقِتْلَةُ الْمَعْرُوفَةُ (لسان العرب) کہ صلیب کے معنی ہیں معروف طریق پر مار دینا اس پر قرآن کی آیت اِنَّمَا جَزَاُ الَّذِیْنَ یَحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْا اَوْ یُصَلَّبُوْا (المائدہ: 34) بھی روشنی ڈالتی ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ

اللہ و رسول ﷺ سے لڑنے والوں کو محض صلیب پر لٹکا کر زندہ ہی اتار لیا جائے بلکہ یہ مراد ہے کہ صلیب پر لٹکا کر مارا جائے۔

3: **وَأَنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنُوا بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا.**
(النساء : 160)

یہ آیت بَلِّ رَفَعَهُ اللہ کے بعد آتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اہل کتاب میں سے ہر ایک اس واقعہ قتل و صلب کو مانتا رہے گا۔ اپنی موت سے پہلے پہلے اور قیامت کے دن مسیحؑ ایسا ماننے والوں پر گواہ ہوگا (کہ وہ نہ اس کو قتل کر سکے تھے نہ صلیب پر ہی مار سکے تھے بلکہ وہ طبعی وفات کے بعد مرفوع الی اللہ ہوئے تھے۔ نہ جیسا کہ ان کا زعم تھا کہ وہ مارے گئے اور ملعون ہوئے) اس آیت میں سیاق کلام کے لحاظ سے ضمیر یہ کا مرجع یہودیوں کا مزعوم واقعہ قتل و صلیب ہے اور مَوْتِهِ کی ضمیر کا مرجع ہر اہل کتاب ہے جو مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ کے قرآنی اعلان کے سُن لینے کے بعد بھی ضد سے اپنی زندگی میں یہی عقیدہ رکھے کہ مسیح قتل ہو گیا ہے یا صلیب پر مارا گیا ہے اور يَكُونُ کا فاعل مسیح علیہ السلام ہیں جو قیامت کے دن ان منکرین کے خلاف مندرجہ بالا شہادت دیں گے۔

بعض مفسرین نے لِيُؤْمِنُوا بِهِ میں بہ اور مَوْتِهِ ہر دو کی ضمیروں کا مرجع حضرت مسیحؑ کو قرار دے کر اس آیت کے یہ معنی لئے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی موت اُس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک سب اہل کتاب ان پر ایمان نہ لے آئیں۔ اور چونکہ ابھی کئی اہل کتاب ان پر ایمان نہیں لائے لہذا ابھی حضرت مسیحؑ کی موت واقع نہیں ہوئی۔

یہ استدلال بدیں وجود باطل ہے:-

اول۔ اگر مسیحؑ کی موت سے پہلے ہر اہل کتاب کے متعلق اس آیت

میں حضرت مسیحؑ پر ایمان لانے کی پیشگوئی کی گئی ہے تو پھر اس آیت کے نزول کے بعد کیوں اب تک لاکھوں یہودی حضرت مسیحؑ پر ایمان لائے بغیر مر رہے ہیں؟
اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ اس پیشگوئی کا وقوع مسیحؑ کے آخری زمانہ میں نزول کے وقت ہوگا اور اُس وقت سب یہود بلا استثناء آپ پر ایمان لائیں گے تو یہ معنی بھی دیگر نصِ قرآنی کے خلاف ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ پیشگوئی فرمائی ہے:

وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ۔

(آل عمران : 56)

کہ اے مسیح! میں تیرے متبعین کو تیرے منکرین پر قیامت کے دن تک غالب رکھنے والا ہوں۔

پس اس آیت کی رُو سے مسیحؑ کے منکرین کا وجود قیامت تک موجود رہنا موعود ہونے کی وجہ سے ضروری ہوا تو یہ بات باطل ہوئی کہ ان کے نزول کے وقت آخری زمانہ میں سب یہودی اُن پر ایمان لائیں گے۔

دوم۔ اس آیت کی دوسری قراءت وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنُوا بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِمْ بھی حضرت اُبی بن کعبؓ سے مروی ہے۔

(ملاحظہ ہو تفسیر ثنائی از مولوی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ودیگر تفاسیر)

انہوں نے اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی قرأتِ ثانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے مَوْتِهِ کی ضمیر کا مرجع ہر اہل کتاب کو قرار دیا ہے پس جب مَوْتِهِ کی ضمیر کا مرجع اہل کتاب ہوئے تو مسیحؑ کی زندگی کا استدلال باطل ہوا۔ اور ویسے بھی کسی نبی پر ایمان لانے کے لئے اس نبی کی جسمانی زندگی بوقتِ ایمان ضروری نہیں ہوتی۔

سوم۔ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا (النساء : 160) اس بات پر نص صریح ہے کہ حضرت مسیح اب اس دنیا میں دوبارہ آ کر اہل کتاب کے ان خیالات کو باطل نہیں کریں گے۔ بلکہ وہ قیامت کو ہی اُن پر گواہی دیں گے کہ ان کے خیالات باطل تھے۔ پس جب حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی اس آیت سے نفی ثابت ہوئی تو ان کی زندگی اور اصالتاً آمدِ ثانی کا خیال ہی باطل ثابت ہوا۔

چہارم۔ مفسرین اس بات سے پریشان ہوئے ہیں کہ بہ کا مرجع مسیح کو کس طرح قرار دیا جائے۔ اسکے اصل مرجع واقعہ قتل و صلیب کی طرف ان کا ذہن نہیں پھر اس لئے انہوں نے یہ تاویل کی کہ اہل کتاب کی اس وقت تک جان نہیں نکلتی جب تک فرشتے ان سے یہ اقرار نہیں لے لیتے کہ میں عیسیٰ پر ایمان لایا ہوں مگر وہ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ان یہودیوں کو یہ ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

اگر مفسرین کی یہ توجیہ درست مان لی جائے تو پھر بھی مَوْتِہ کا مرجع اہل کتاب کے ثابت ہو جانے کے بعد جیسا کہ قراءِ ثانیہ سے ظاہر ہے اس آیت سے حضرت مسیح کی حیاتِ جسمانی کا قطعاً استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں ہر کتابی کے لئے اپنی اپنی موت سے پہلے حضرت مسیح پر ایمان لانا ضروری قرار پایا نہ کہ حضرت مسیح کی موت سے پہلے۔

مفسرین کی اس تفسیر پر تلخِ قلب حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہودیوں کا نزاع کے وقت ایمان لانا انسانی مشاہدہ سے ثابت نہیں اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کا ذکر بے فائدہ ثابت ہوتا ہے جبکہ یہ ایمان فائدہ بخش بھی تسلیم نہیں کیا گیا۔

لیکن اگر بہ کا مرجع یہود و نصاریٰ کے زعم کے مطابق واقعہ قتل و صلیب لیا جائے تو یہ حقیقت مشاہداتی ہے کہ یہودی اور عیسائی دونوں قومیں حضرت مسیح کو مقتول یا مصلوب مانتی ہیں اور عجیب بات ہے کہ دونوں قومیں آپ کو (معاذ اللہ)

ملعون بھی مانتی ہیں۔ یہودی ہمیشہ کے لئے اور عیسائی وقتی طور پر۔

اس سے قبل کی آیت قرآنیہ **إِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۚ كِيَاسَ مَا رَآهُ قَتْلَ وَصَلْبَ كِي طَرَفٍ بِهِيَ رَامَسَلَمَات** میں سے ہے پس صحیح تفسیر یہ ہے کہ **لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ** کی ضمیر کا مرجع بھی یہی واقعہ قتل و صلیب قرار دیا جائے گو مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر سے قتل و صلیب سے نجات دی یہ تفسیر واقعاتی شہادت سے صحیح ثابت ہوتی ہے اور واقعات ہی بہترین تفسیر ہوتے ہیں۔

پس آیت **هَذَا كَاكْثَرَا وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شِهِيدًا** (النساء: 160) بطور اشارۃ النص حضرت مسیحؑ کی وفات پر ہی دلیل ہے نہ کہ زندگی پر۔ لہذا یہ آیت بھی مسیحؑ کی وفات پر ہی دلیل ہے نہ کہ حیات پر اور **بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ** کے بعد حیات مسیحؑ کا ذکر یوں بھی بے محل تھا کیونکہ رفع کا کمال وفات کے بعد ہی ہوتا ہے اور قرآن کریم نے اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ یہ کمال حضرت عیسیٰ علیہ السلام **مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ** کے اعلان قرآنی سے پہلے حاصل کر چکے ہیں۔

4. **لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَ مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا** (المائدہ: 18)

ترجمہ: ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہے تو کہہ دے کہ کون اللہ سے مقابلہ کی قدرت رکھتا ہے۔ اگر وہ ارادہ کرے کہ تباہ و برباد کرے مسیح بن مریم اور اس کی ماں کو اور ان سب کو جو زمین میں بستے ہیں۔

اس آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مسیحؑ نے ابھی تک وفات نہیں پائی اور وہ بقید حیات ہیں لیکن یہ استدلال بدیں وجہ درست نہیں کہ پھر مریم علیہا السلام کو بھی زندہ اور بقید حیات ماننا پڑے گا حالانکہ کوئی مسلمان بلکہ عیسائی بھی مریم علیہا السلام

کی زندگی کا قائل نہیں۔

پس اس آیت میں آئندہ مریم کے اہلاک سے ارادۃ الہی میں مراد ان کی حیثیت کو مٹا دینا ہے جو رومن کیتھولک عیسائیوں نے انہیں خدا کی ماں قرار دے کر دے رکھی ہے۔ کیونکہ جب مسیح اللہ ہوا تو مریم اللہ کی ماں ہوئی۔ اب خدا تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ اگر میں مسیح کی الوہیت کی حیثیت اور مریم کے خدا کے بیٹے کی ماں کی حیثیت مٹا ڈالوں تو تم میں سے کون مجھے ایسی تباہی و بربادی پیدا کرنے سے روک دینے کی قدرت رکھتا ہے جب کہ میں زمین کے تمام لوگوں کی تباہی اور بربادی کی قدرت رکھتا ہوں۔

اس آیت کا پہلا فقرہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ اس بات پر روشن دلیل ہے کہ اس جگہ مسیح کی جسمانی زندگی زیر بحث نہیں بلکہ مسیح کی الوہیت زیر بحث ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مسیح کی الوہیت کی تردید میں نازل فرمائی اور ایک پیشگوئی فرمائی کہ وہ دن آتا ہے جب روئے زمین سے مسیح اور مریم کی معبودانہ حیثیت مٹا دی جائے گی خواہ قائلین کو عذاب میں مبتلا کر کے یا ان کے دلوں سے اس عقیدہ کو مٹا کر اور ان کی غلط استعدادوں پر فناء وارد کر کے۔

پس اس آیت میں حضرت مسیح اور مریم کی اس غلط حیثیت کو مٹانا ہی مراد ہے جو انہیں دینی صورت میں غلط طور پر دی گئی ہے کہ وہ دونوں معبود ہیں۔

اس آیت سے مسیح کی جسمانی حیات پر استدلال اس لئے جائز نہیں کہ حضرت مسیح کی وفات تو آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي سے بھی ثابت ہے اور آیت مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اور آیت أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ بھی حضرت مسیح کی وفات پر روشن دلائل ہیں جو قبل ازیں مذکور ہو چکے ہیں۔

(2) اِہْلَاک بر وزن اِفعال مصدر مزید فیہ کے معنی عذاب سے تباہ و برباد کرنا ہوتے ہیں نہ کہ محض وفات دینا۔ البتہ ہلاکت کے معنی جو مصدر ہلائی مجرّد ہے وفات کے ہوتے ہیں۔ اِہْلَاک کا یہ استعمال قرآن و احادیث کے محاورہ سے ثابت ہے لہذا اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ مسیحؑ اور اس کی والدہ اور رُوئے زمین کے سب لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو اسے کون روکنے کی قدرت رکھتا ہے پس اس طرح جب خود حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ اور رُوئے زمین کے تمام لوگ خدا تعالیٰ کی قدرت کے مقابلہ میں عاجز ہیں اور اس کے افعال میں روک نہیں ہو سکتے تو پھر ایک عاجز انسان کو خدا کا مقام اور اس کی والدہ کو خدا کی ماں کا مقام دینا کفر نہیں تو اور کیا ہے اس طرح خدا تعالیٰ نے اس آیت میں تو عیسائیوں کو سمجھایا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ایسے کفریہ عقائد سے باز آ جائیں۔ عیسائی اس کے جواب میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا تعالیٰ مسیحؑ کو عذاب میں مبتلا کرنے پر قادر نہیں جب کہ وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ مسیح مصلوب ہوا اور صلیبی موت کا مسیحؑ کے لئے ماننا محالہ اہلاک و تعذیب کی صورت ہے جو عیسائیوں کو پہلے سے مسلم ہے۔

5: وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُون (الزخرف : 62)

ترجمہ: یقیناً قرآن البتہ قیامت کا علم دینے والا ہے پس تم قیامت میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو۔

اس آیت میں إِنَّہ کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے حضرت مسیحؑ کو قرار دے کر یہ معنی کئے ہیں کہ حضرت مسیحؑ قیامت کی نشانی ہیں یعنی وہ زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے دوبارہ آئیں گے۔ یہ معنی بدیں وجوہ باطل ہیں۔

اول۔ عِلْم کے معنی نشان کئے گئے ہیں حالانکہ اس کے لئے عِلْم استعمال ہوتا ہے۔
دوم۔ اگر بالفرض مجازاً عِلْم بمعنی عِلْم ہو اور حضرت مسیحؑ کے آخری زمانہ میں دوبارہ آنے کو نشان قرار دینا مقصود ہوتا تو پھر فقرہ فَلَا تَمْتَرْنَ بِمَا ان معنوں سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ نشان تو ابھی دکھایا نہیں اور زور یہ دیا جا رہا ہے کہ چونکہ حضرت مسیح قیامت کا نشان ہے اس لئے قیامت کا ابھی یقین کر لو۔ یہ محض تحکم کی راہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب نہیں لہذا یہ معنی باطل ہیں۔
سوم۔ اگر بالفرض إِنَّہ کی ضمیر کا مرجع حضرت مسیح ہوں تو ان کی تعلیم کو ان کے زمانہ کے لوگوں کے لئے بلکہ بعد والوں کے لئے بھی جو حضرت مسیحؑ پر ایمان لے آئیں قیامت کے علم کا موجب قرار دیا گیا ہے لہذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دوسرے لوگوں کو بھی یہ تلقین کی گئی ہے کہ دیکھو مجھ سے پہلانی بھی قیامت کی تعلیم دیتا رہا اس لئے تم قیامت میں شک نہ کرو۔ اس صورت میں عِلْم جو مصدر ہے بطور مبالغہ حضرت مسیحؑ کے لئے بطور وصف سمجھا جائے گا جیسے کہتے ہیں زَيْدٌ عَذْلٌ یعنی زید بڑا عادل ہے۔

چہارم۔ السَّاعَةُ سے مراد نبیوں کے منکرین پر عذاب کی گھڑی بھی ہوتی ہے اگر إِنَّہ کی ضمیر کا مرجع حضرت مسیح ہوں تو اس صورت میں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح کی ولادت بنی اسرائیل کے لئے موعود عذاب کا نشان تھی اور اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور آپ کے منکرین کے لئے بھی موعود عذاب کا نشان ہوگا۔ اس لئے آپ کے منکرین کو اپنے زمانہ میں آنے والی عذاب کی گھڑی پر یقین رکھنا چاہئے اور اس عذاب کی گھڑی کے آنے میں کسی کو شک نہیں کرنا چاہئے۔

پس ان توجیہات میں سے کسی توجیہ میں بھی حضرت عیسیٰؑ کی جسمانی حیات

کا کوئی ثبوت نہیں البتہ صحیح معنی اس آیت کے وہ ہیں جو حضرت حسن بصری اور ان کے تابعین نے بیان کئے ہیں کہ اِنَّهُ کی ضمیر کا مرجع اس جگہ مسیح نہیں۔ بلکہ قرآن مجید ہے اور قرآن مجید میں ساعت موعودہ کے علمی دلائل بیان ہوئے ہیں لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منکرین کو ساعت موعودہ کے متعلق کوئی شک نہیں کرنا چاہئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی چاہئے۔

وفاتِ مسیح از روئے حدیث

(1) احادیث میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی متعین عمر ایک سو بیس سال مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ لِفَاطِمَةَ أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْآنَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً وَإِنَّهُ عَارَضَنِي الْقُرْآنَ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيًّا إِلَّا عَاشَ نِصْفَ الَّذِي قَبْلَهُ وَأَخْبَرَنِي أَنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِينَ وَمِائَةَ سَنَةٍ وَلَا أَرَانِي إِلَّا ذَاهِبًا عَلَى رَأْسِ السَّيِّئِينَ.

(حجج الکرامہ صفحہ 428)

ترجمہ : اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس مرض میں جس میں آپ کی وفات ہوئی حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ جبریل ہر سال ایک مرتبہ میرے ساتھ قرآن کریم دُہراتے تھے اور اس سال انہوں نے دو دفعہ میرے ساتھ قرآن دُہرایا ہے اور انہوں نے مجھے خبر دی ہے۔ ہر نبی اپنے سے پہلے نبی کی نصف عمر ضرور زندہ رہا ہے اور انہوں نے مجھے یہ بھی خبر دی ہے کہ عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال زندہ رہے اور میں اپنے آپ کو نہیں سمجھتا مگر صرف ساٹھ سال کی عمر کے سرے پر جانے والا۔

(2) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آکر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:-

إِنَّكُمْ تَخَافُونَ مِنْ مَوْتِ نَبِيِّكُمْ هَلْ خَلَدَ نَبِيٌّ قَبْلِي فَيَمُنُّ

بُعِثَ إِلَيْهِ فَأَخْلَدُ فِيكُمْ۔ (المواهب اللدنیہ جلد 2 صفحہ 368)

کہ اے لوگو! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈرتے ہو۔ بتاؤ
کیا مجھ سے پہلے کسی نبی نے ہمیشہ کی زندگی ان لوگوں کے درمیان پائی ہے
جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے کہ میں تم میں ہمیشہ کی زندگی پاؤں گا۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سو بیس سال

زندہ رہے۔

(3) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَوْ كَانَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ حَيَّيْنِ لَمَّا وَسِعَهُمَا إِلَّا اتَّبَاعِي۔

(الایوقیت والجوہر مصنفہ عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ جلد 2 صفحہ 22 مطبوعہ مصر)

اگر موسیٰ اور عیسیٰ دونوں زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

اس حدیث کو ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر جلد 2 صفحہ 246 پر نقل کیا ہے

اور اسی حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

لَوْ كَانَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ حَيَّيْنِ لَكَانَا مِنْ اتِّبَاعِهِ۔

(مدارج السالکین مصنفہ امام ابن قیم جلد 2 صفحہ 356 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام زندہ ہوتے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
مقلدین میں سے ہوتے۔

اس حدیث کو اہل سنت کے علماء کے علاوہ شیعہ علماء نے بھی قبول کیا

ہے۔ لکھتے ہیں:-

نیز خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است لَوْ كَانَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ

عِيسَىٰ فِي حَيَاتِهِمَا لَمَّا وَسِعَهُمَا إِلَّا اتَّبَاعِي۔ یعنی اگر موسیٰ و عیسیٰ در

دنیا می بودند ممکن نمی بود ایشان را مگر آنکه متابعت من کردند۔

(رسالہ بشارات احمدیہ مصلحہ علی حارّی ص 24)

اور شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر حاشیہ صفحہ 112 (مطبوعہ 1955ء) پر یہ حدیث یوں لکھی ہے:

لَوْ كَانَ عِيسَى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي.

کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا۔

پہلی حدیثوں میں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ دونوں نبیوں کے زندہ نہ ہونے کا ذکر ہے اور شرح اکبر مطبوعہ مصر کی حدیث میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ نہ ہونے والی حدیث بیان ہوئی ہے۔ علی حارّی کا فِی حَيًّا تَبَهُمَا کا ترجمہ دردنیائے بودند درست نہیں بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں حیات میں یعنی زندہ ہوتے تو ان کے لئے میری اطاعت کے سوا کوئی چاہ نہ ہوتا۔

(4) اختلافِ حلیتین

صحیح بخاری میں دو احادیث ایسی ہیں جن میں عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

ایک حدیث تو وہ ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء گزشتہ کو کشفی رنگ میں دیکھا۔ اس میں حضور فرماتے ہیں۔

رَأَيْتُ عِيسَى وَمُوسَىٰ وَابْرَاهِيمَ فَأَمَّا عِيسَىٰ فَأَحْمَرُ جَعْدٌ

عَرِيضُ الصَّدْرِ وَأَمَّا مُوسَىٰ فَأَدَمُ جَسِيمٌ سَبُطٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ

النُّطْ - (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب واذکر فی الکتاب مریم.....)

کہ میں نے عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا حضرت عیسیٰ سرخ رنگ

کے اور گھنگریالے بالوں والے اور چوڑے سینے والے تھے اور حضرت موسیٰؑ گندم گوں، جسم اور سیدھے بالوں والے تھے گویا زُط قبیلے کے مردوں میں سے ہوں اور حضرت ابراہیمؑ کو دیکھنا ہو تو اپنے ساتھی کو یعنی مجھے دیکھو۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کشف میں گزشتہ فوت شدہ انبیاء کو دیکھا تھا جن میں عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل تھے۔ دوسری حدیث میں ایسے کشف کا بیان ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ کے حالات دکھائے گئے اور حضور ﷺ نے دجال وغیرہ کو دیکھا۔ اس میں حضور ﷺ نے اُمت میں سے آنے والے مسیح موعود کو بھی دیکھا اور اس کا جو خلیہ بیان فرمایا وہ پہلے حلیہ سے قطعی مختلف ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے مسیح موعود کو عیسیٰ بن مریم کا نام شدید مماثلت کی وجہ سے دیا گیا نہ یہ کہ پہلا مسیح اور وہ ایک ہی شخصیت ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔

بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَاذَارَجُلٌ اَدَمَ سَبْطَ الشَّعْرِ
فَقُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا هَذَا الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ.

(صحیح بخاری کتاب الفتن باب ذکر الدجال)

کہ اس حالت میں کہ میں سویا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں، ایک آدمی گندم گوں، سیدھے بالوں والا ہے، میں نے پوچھا یہ کون ہے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ عیسیٰ بن مریم ہے۔

اسی حدیث میں آگے چل کر ذکر ہے کہ آنحضرت نے دجال کو بھی دیکھا جس سے واضح ہے کہ یہ حلیہ آنے والے مسیح کا ہے جیسا کہ واقعات نے ثابت بھی کر دیا۔

اجماع اُمت

اہل اسلام کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم، سنت نبوی اور حدیث کے بعد چوتھے درجہ پر اجماع ایک شرعی حجت ہے جس کا ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات صحابہؓ کے لئے ایک ناقابل برداشت صدمہ تھا اور ان میں سے بعض فرط محبت سے اس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ اُن صحابہ میں سے تھے جو آنحضرت ﷺ کو وفات یافتہ تصور ہی نہیں کر پائے تھے چنانچہ لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

مَا مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَمُوتُ حَتَّى
يَقْتُلَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ.

(درمنثور للامام جلال الدین السیوطی جلد 4 صفحہ 318 زیر آیت وما جعلنا لبشر : الانبیاء: 35)
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے اور اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ منافقین کو قتل نہیں کر دیتا۔

اس نازک موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا۔ آپؓ نے تمام غمزدہ صحابہ کرامؓ کو ایک جگہ جمع فرمایا۔ منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا اور صحابہ کرامؓ کو عموماً اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصاً مخاطب کر کے فرمایا:-

اَيُّهَا الرَّجُلُ ارْبِعْ عَلَى نَفْسِكَ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَدْ مَاتَ أَلَمْ تَسْمَعْ أَنَّكَ مَيِّتٌ وَأَنَّهُمْ مَيِّتُونَ وَقَالَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ
مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمْ الْخُلْدُ وَنَ..... ثُمَّ تَلَا
وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ
أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ (تفسير درمنثور تفسير سورة الانبياء : 36)

ترجمہ: اے شخص! اپنے آپ پر قابو رکھ۔ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں سنی إِنَّكَ مَيِّتٌ وَ إِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (کہ تُو بھی مرنے والا ہے اور یہ بھی مرنے والے ہیں) اور اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تُو تو وفات پائے اور وہ ہمیشہ (زندہ) رہیں۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے یہ آیت پڑھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ خ۔ کہ محمد ﷺ صرف اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں۔ اگر آپ وفات پائیں یا قتل ہوں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور بخاری شریف میں اس واقعہ کا ذکر یوں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

أَمَّا بَعْدُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ إِلَى قَوْلِهِ الشَّاكِرِينَ.

(بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ)

ترجمہ: کہ تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے وہ سن لیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پا گئے ہیں۔ اور جو تم میں سے اللہ کی عبادت کرتے تھے تو اللہ زندہ ہے اور وہ نہیں مرتا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہیں ہیں محمد ﷺ مگر ایک رسول ان سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں۔

بخاری میں آتا ہے کہ یہ آیت حضرت عمرؓ اور صحابہؓ نے سنی تو انہیں یوں محسوس ہوا کہ یہ آج نازل ہوئی ہے اور انہیں یقین ہو گیا کہ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بشر تھے ایک رسول تھے اور بشری تقاضے کے ماتحت آج صبح جتنے رسول آئے وہ جب وفات پا گئے تو آنحضرتؐ کی طرح فوت نہیں ہو سکتے یہ لفظ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اس آیت پر استدلال کوٹنا اصناف کمالیت کرتا ہے کہ انصاریؒ نے ایک تمام نمونہ کے تحت رسولؐ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام و فلاحی پا چکے ہیں اگر وہ واقعہ یہ ہوتا کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام یا وجود محض رسولی ہو مگر ان کے اس وقت تک زندہ ہوتے بلکہ صحابہؓ انہیں زندہ دیکھتے تو ان کے ساتھ یہ آپیت قابل استدلال ہی بنے ہوتی مگر وہ صحابہؓ جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مدینہ سے رخصتی تھے وہ ضرور بول اٹھتے کہ جب عیسیٰؑ علیہ السلام رسول ہو کر اب تک زندہ ہیں تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بلا مذکور ضروری ٹھہرا کر کھٹکھا جاتا ہے اعتراض

مروی نہیں ہے حضرت رسولؐ کو عیسیٰؑ علیہ السلام فرماتے ہیں اِنَّكَ لَمَلَكٌ مِّنْ مَّلَائِكَةٍ ہلکے نہ ہوئے جو حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے ساتھ نبیوں کی وفات پر بحث کی کہ صحابی سے اس کا انکار مروی نہیں۔ حالانکہ اس وقت عیسیٰؑ علیہ السلام موجود تھے انہیں سب پہنچ کر خاموش ہو گئے۔ ایک عرصہ تک یہ ہے کہ ان پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا اور صحابہ کا اجماع صحیح ہے جو کبھی ضلالت پر نہیں ہوتا۔

امثال ۱۷: ۲۱ (ترجمہ القلوب) چانی نے ابن حجرؒ ۱۵ ص ۴۶۱ (مختار) میں یہ صحابہ کرامؓ کا چھوٹا اجماع پیش کیا ہے جو اس بات پر ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء وفات پا گئے ہیں۔ یہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پا چکے ہیں۔ نہ کہ ان پر کوئی خاص حالت زندگی میں طاری ہے جس سے ان کی وفات پانے کا شبہ ہو سکتا ہے۔

وفاتِ مسیح کے متعلق

بزرگانِ امت

(میں نے)

کے

اقوال

(1) حضرت حسن رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے اپنے والدین سے سنا ہے کہ

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات پر فرمایا کہ میں نے اپنے والدین سے سنا ہے کہ

ایہا الناس قد فیض البلیۃ فوجل بکم لیسفیکم ولا یلوفون

ولا یذریکم الا حسرون

فیہا بروح عیسیٰ بن مریم لیلۃ سوم و عشرین من رمضان

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد بن الحزمہ الثالث صفحہ 38، 39 مطبع دار صادر بیروت)

ترجمہ: یہ لوگو! آج تم کو ایک ایسی شخصیت کی روح قبض کی گئی ہے جس سے

پہلے بھی آگے نہ بڑھ سکے اور پچھلے بھی اتنی اچھے مقام کو نہ جلیں گے۔

اور آپ کی روح اس بدلتے قبض کی گئی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

اٹھائی گئی یعنی رمضان کی ستائیسویں رات کو

میں نے اس کو اپنا ایک خاص مقام دیا ہے

کہ ستائیسویں رمضان کو عیسیٰ علیہ السلام مع جسم آسمانی نہیں چڑھ جائے گئے بلکہ

صرف آپ کی روح کو اٹھایا گیا۔

(2) ابن عباس رضی اللہ عنہ

آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ کی تفسیر میں لکھا ہے
 قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَعْنَاهُ اِنِّیْ مُمِیْتُکَ۔

(تفسیر خازن معتمد علامہ علاء الدین علی بن محمد جلد 1 صفحہ 251 مطبوعہ بیروت زیر تفسیر سورۃ آل عمران: 56)

نیز بخاری کتاب التفسیر میں لکھا ہے مُتَوَفِّیْکَ مُمِیْتُکَ کہ
 ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ میں تجھے مار دینے والا ہوں۔

(3) امام مالک رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے:-

وَالَا کُثْرُ اَنْ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَقَالَ مَالِکٌ مَاتَ۔ (مجمع البحار)
 کہ اکثر کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی، لیکن مالک
 رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔

(4) امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یوں لکھا ہے:-

تَمَسَّکَ ابْنُ حَزْمٍ بِظَاهِرِ الْاٰیَةِ فَقَالَ بِمَوْتِهِ۔

(جلالین حاشیہ صفحہ 111 زیر آیت فلما توفیتنی)

کہ علامہ ابن حزمؒ نے آیت کے ظاہری معنوں کو اختیار کیا ہے اور وہ
 عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل تھے۔

(5) حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:-

وَأَمَّا مَا يُذَكَّرُ عَنِ الْمَسِيحِ أَنَّهُ رُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ وَلَهُ ثَلَاثَةٌ
 وَثَلَاثُونَ سَنَةً فَهَذَا لَا يُعْرَفُ لَهُ أَثَرٌ مُتَّصِلٌ يَجِبُ الْمَصِيرُ إِلَيْهِ۔

(زاد المعاد جلد اول صفحہ 20 مطبوعہ مطبعة الميمنية مصر۔ فصل فی مبعثہ صلی اللہ علیہ وسلم.....)

کہ یہ جو حضرت مسیحؑ کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور ان کی عمر 33 سال تھی اس کی کوئی متصل سند ایسی نہیں ملتی جس کی طرف رجوع واجب ہو۔

نیز آپ زاد المعاد میں تحریر فرماتے ہیں۔

لَمَّا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَقَامِ خَرَقِ الْعَوَائِدِ حَتَّى شَقَّ بَطْنُهُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَتَأَلَّمُ بِذَلِكَ عُرْجَ بَذَاتِ رُوحِهِ الْمُقَدَّسَةِ حَقِيقَةً مِنْ غَيْرِ إِمَاتَةٍ وَمِنْ سِوَاهُ لَا يَنَالُ بَذَاتِ رُوحِهِ الصُّعُودُ إِلَى السَّمَاءِ إِلَّا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْمَفَارِقَةِ فَلَا أَنْبِيَاءَ إِنَّمَا اسْتَقَرَّتْ أَرْوَاحُهُمْ هُنَاكَ بَعْدَ مُفَارِقَةِ الْأَبْدَانِ وَرَوْحُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَتْ إِلَى هُنَاكَ فِي حَالِ الْحَيَاةِ ثُمَّ عَادَتْ وَبَعْدَ وَفَاتِهِ اسْتَقَرَّتْ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى مَعَ أَرْوَاحِ الْأَنْبِيَاءِ.

(زاد المعاد جلد 3 صفحہ 36 الجہاد والمغازی . تحقیق القول فی أن الاسراء كان بجسده...)

چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خرق عادات کے مقام پر تھے یہاں تک کہ آپ کا پیٹ پھاڑا گیا اس حال میں کہ آپ زندہ رہے اور اس سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی اور پھر حضور کو اپنی مقدس روح کے ساتھ حقیقتاً موت کے بغیر معراج ہوا اور آپ کے سوا کوئی اور شخص اپنی روح کے ساتھ آسمان کی طرف صعود صرف موت اور مفارقتِ بدن کے بعد ہی حاصل کرتا ہے۔ پس تمام انبیاء کی ارواح نے آسمان پر موت اور مفارقتِ بدن کے بعد ہی قرار پکڑا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس روح نے زندگی کے عالم میں ہی آسمان پر صعود کیا۔ پھر واپس آئی اور آپ کی وفات کے بعد رفیقِ اعلیٰ میں

نبیوں کی روحوں کے ساتھ متمکن ہو گئی۔

(6) علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ زیر آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي لکھتے ہیں:-

قِيلَ هَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ تَوَفَّاهُ قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَهُ -

(فتح القدیر صفحہ 90 زیر آیت تفسیر سورة المائدة: ۱۱۸)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام

کا رفع کرنے سے پہلے انہیں وفات دیدی تھی۔

(7) ابو عبد اللہ محمد بن یوسف زیر آیت ہذا لکھتے ہیں:-

قِيلَ هَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ تَوَفَّاهُ وَفَاتِ الْمَوْتِ قَبْلَ أَنْ

(بحر محیط جزء 4 صفحہ 61)

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ نے انہیں موت والی وفات ان کا رفع کرنے سے پہلے دی۔

نوٹ از ناشر:- علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عبد اللہ محمد بن یوسف خود (... علیہ السلام) کے ہمارے رافقا رفیقین ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہمیشہ سے اپنے ساتھ رکھا ہے۔ ان کی حیات کا قتل ہونے کے باوجود انہیں امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ علماء کا ایک طبقہ وفات کا قائل ہے۔

(8) علامہ جلالی مشہور شیعہ مفسر زیر آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي لکھتے ہیں:-

وَفِي هَذِهِ الْآيَةِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ أَمَاتَ عِيسَى وَتَوَفَّاهُ ثُمَّ رَفَعَهُ إِلَيْهِ.

ترجمہ: اس آیت میں یہ دلالت ہے کہ اللہ نے عیسیٰ کو موت دی اور پھر ان کا رفع اپنی طرف کیا۔

اپنی طرف کیا۔ ان کے بعد ان کے لئے پناہ ہے۔ علامہ جلالی نے اس بات پر دلالت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو موت دیدی اور پھر ان کا رفع اپنی طرف کیا۔ ان کے بعد ان کے لئے پناہ ہے۔ علامہ جلالی نے اس بات پر دلالت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو موت دیدی اور پھر ان کا رفع اپنی طرف کیا۔

(9) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ آیت بل رَفَعَهُ اللَّهُ الخ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

رَفَعَ عَيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ اتِّصَالَ رُوحِهِ عِنْدَ الْمَفَارِقَةِ
عَنِ الْعَالَمِ السِّفَلِيِّ بِالْعَالَمِ الْعُلَوِيِّ كَوْنُهُ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ
إِشَارَةً أَنَّ مَصْدَرَ فَيْضَانِ رُوحِهِ رُوحَانِيَّةٌ فَلِكِ الشَّمْسِ الَّذِي
هُوَ بِمِثَابَةِ قَلْبِهِ الْعَالَمِ وَهُوَ جُحُودٌ لِقِيَةِ رُوحَانِيَّةٍ الْبُرُوقِ الْخَانِيَّةِ (۱)
نُورٌ مُخَرِّجٌ كُنْذَلِكُنَّ لِلْفَلَكَ بِمَنْعِ شَوْقِيَّتِهِ وَافْتِرَاقِ انْقِلَابِهِ عَلَى
نَفْسِهِ الْمُبَاشَرَةِ لِتَحْرِيكِهِ وَلَمْ يَكُنْ تَخْرُجُهُ إِلَى مَقَرِّهِ الْيَسْتَلِي
وَلَمْ يَصِلْ إِلَى الْكَمَالِ الْحَقِيقِيِّ وَنَحْنُ نَزُولُهُ فِي الْخَيْرِ الزَّمَانِ
بِنُطْقِهِ بِلَدْنِ الْخَيْرِ بِسِفَتِهِ (۲) ملج (لنما) (۳) - ملق (۴) ملق

حضرت ابن عربی (رحمۃ اللہ علیہ) جی ہلفی ۲۹۵: ۱۵۹ میں فتوح منور فی النساء: ۱۵۹
کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کا مطلب یہ ہے کہ یہ ملاقات ہوئی اور ان کے
کی روح عالم سفلی سے نکل کر عالم علوی سے متصل ہو گئی اور ان کے چوتھے
کے کاربند ہوئے اور اس طرح ان کے لیے آسمان کی روحانیت کا
جائے صدور اس سورج کے آسمان کی روحانیت ہے جو دنیا جہاں یہ کھول رہے
مشابہ ہے اور اگر یہ کام جمع بھی کسی کی طرف سے ہے اور وہ یہ روحانیت کے نور ہے
جو اس کے کان کو اپنے عشق کے نور کرتا ہے اور اس کے جسم پر شعاعوں کا چمکنا
اسی کی تجویز ہے اور چونکہ حضرت عیسیٰ کا مرجع اس کی اصل جائے قرار
نے کی طرف ہے اور اپنے کمال حقیقی تک نہ سہائی نہیں پاسکتا اور اس لیے آخر میں
نیز ماہ میں کسی دوسرے وجود کے ساتھ نزول فرما رہے ہیں اور یہ اس کی روحانیت کا

وفاتِ مسیح

اور

علماءِ مصر

(1) علامہ رشید رضا سابق مفتی مصر و ایڈیٹر رسالہ المنار

الْقَوْلُ بِهَجْرَةِ الْمَسِيحِ إِلَى الْهِنْدِ وَمَوْتِهِ فِي بَلَدَةِ سِرِينْكَرِ فِي
كُشْمِيرِ كَعَنْوَانِ كَعْتَحْتِ لَكِهْتِي هِي۔

فَفِرَارُهُ إِلَى الْهِنْدِ وَمَوْتُهُ فِي ذَلِكَ الْبَلَدَةِ لَيْسَ بِبَعِيدٍ
عَقْلًا وَنَقْلًا۔ (رسالہ المنار جلد 6 زیر تفسیر سورة النساء : 158)

ترجمہ : مسیح کا ہندوستان جانا اور ان کی اس شہر (سرینگر) میں موت
عقل و نقل کی رو سے بعید نہیں۔

(2) علامہ مفتی محمد عبدہ

آپ نے آیت اِنْسِيْ مُتَوَفِّيْكَ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کے
معنوں کی تائید میں لکھا ہے:

التَّوَفَّى عَلَى مَعْنَاهُ الظَّاهِرُ الْمُتَبَادَرُ وَهُوَ الْإِمَاتَةُ۔

(المنار جلد 3 زیر تفسیر سورة آل عمران : 56)

کہ یہاں تَوَفَّى سے موت مراد ہے اور ظاہر اور متبادر الفہم یہی معنی ہیں۔

(3) الاستاذ محمود شلتوت سابق مفتی مصر و ریکٹر الازہر یونیورسٹی، قاہرہ نے
اپنے فتویٰ میں تفصیلی طور پر وفاتِ مسیح کے تمام پہلوؤں پر بحث کی ہے اور بڑی

وضاحت سے لکھا ہے کہ وفات مسیح کے قاتل مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا قطعاً جائز نہیں بحث کے آخر پر لکھتے ہیں:

1۔ إِنَّهُ لَيْسَ فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ وَلَا فِي السُّنَّةِ الْمُطَهَّرَةِ مُسْتَنَدٌ يَصْلَحُ لَتَكْوِينِ عَقِيدَةٍ يَطْمَئِنُّ إِلَيْهَا الْقَلْبُ بِأَنَّ عِيسَى رُفِعَ بِجَسَدِهِ إِلَى السَّمَاءِ وَ إِنَّهُ إِلَى الْآنِ فِيهَا.

2. إِنَّ كُلَّ مَا تُفِيدُ الْآيَاتُ الْوَارِدَةُ فِي هَذَا الشَّانِ هُوَ وَعْدُ اللَّهِ عِيسَى بِأَنَّهُ مُتَوَفِّيهِ أَجَلَهُ وَ رَافِعَهُ إِلَيْهِ وَ عَاصِمَهُ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ أَنَّ هَذَا الْوَعْدَ قَدْ تَحَقَّقَ فَلَمْ يَقْتُلْهُ أَعْدَاءُ هُ وَ لَمْ يَصْلُبُوهُ وَلَكِنْ وَفَّاهُ اللَّهُ أَجَلَهُ وَ رَفَعَهُ إِلَيْهِ.

(یہ فتویٰ سب سے پہلے الرسالہ 15 مئی 1942ء جلد 1 صفحہ 642 میں شائع ہوا اور بعد میں الفتاویٰ کے نام سے مجموعہ فتاویٰ علامہ شلتوت میں الادارۃ العامۃ للثقافة الاسلامیۃ بالازھر کے زیر اہتمام شائع ہوا)۔

ترجمہ:- 1۔ قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں کوئی ایسی مستند نص نہیں ہے جو اس عقیدہ کی بنیاد بن سکے اور جس پر دل مطمئن ہو سکے کہ عیسیٰ علیہ السلام مع اپنے جسم کے آسمان پر اٹھائے گئے اور وہ اب تک وہاں موجود ہیں۔

2۔ اس بارے میں جتنی آیات (قرآن کریم میں) وارد ہیں ان کا مفاد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ تھا کہ وہ خود ان کی عمر پوری کر کے وفات دے گا اور ان کا اپنی طرف رفع کرے گا اور انہیں ان کے منکرین سے محفوظ رکھے گا اور یہ وعدہ پورا ہو چکا ہے چنانچہ ان کے دشمنوں نے انہیں نہ قتل کیا نہ صلیب دے سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مقدر عمر پوری کی اور پھر ان کا رفع اپنی طرف کیا۔

نوٹ:- اس فتویٰ کے علاوہ علامہ موصوف نے مسیح علیہ السلام کی وفات اور رفع کے متعلق ایک مبسوط مضمون از ہر یونیورسٹی کے رسالہ مجلۃ الازھر فروری 1960ء کے انگریزی حصہ میں THE ASCENSION OF JESUS کے عنوان سے شائع کروایا تھا۔ جس کا ترجمہ نظارت اصلاح و ارشاد نے ”رفع عیسیٰ“ کے نام سے شائع کیا ہے۔

(4) الاستاذ احمد العجوز اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ جس کا عکس ہمارے پاس موجود ہے۔

أَنَّ السَّيِّدَ الْمَسِيحَ قَدَّمَاتٍ فِي الْأَرْضِ حَسَبَ قَوْلِ اللَّهِ
تَعَالَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ أَيُّ مُمِيتُكَ وَالْمَوْتُ أَمْرٌ كَائِنٌ لَا مَحَالَةَ
إِذْ قَالَ اللَّهُ عَنْ لِسَانِهِ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ.
ترجمہ: یقیناً سیدنا مسیح زمین میں وفات پا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قول
إِنِّي مُتَوَفِّيكَ کے مطابق (اور اس کے معنی ہیں) کہ میں تجھے موت دینے
والا ہوں اور موت بہر حال واقع ہونے والی چیز ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے
مسیح کی زبان سے فرمایا کہ سلامتی ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن
میں مروں گا۔

(5) الاستاذ مصطفیٰ المراغی اپنی تفسیر میں زیر آیت یَعِيسَىٰ إِنِّي
مُتَوَفِّيكَ لکھتے ہیں۔

وَفِي هَذَا بَشَارَةٌ بِنَجَاتِهِ مِنْ مَكْرِهِمْ وَاسْتِيفَاءِ أَجَلِهِ وَأَنَّهُمْ
لَا يَسْأَلُونَ مِنْهُ مَا كَانُوا يُرِيدُونَ بِمَكْرِهِمْ وَخُبْيِهِمْ وَأَنَّ التَّوَفَّى
هُوَ الْإِمَاتَةُ الْعَادِيَّةُ وَأَنَّ الرَّفْعَ بَعْدَهُ لِلرُّوحِ..... وَالْمَعْنَى إِنِّي
مُمِيتُكَ وَجَاعِلُكَ بَعْدَ الْمَوْتِ فِي مَكَانٍ رَفِيعٍ عِنْدِي كَمَا قَالَ

فِي إِدْرِيسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔

(تفسیر المراغی جلد اول زیر تفسیر سورة آل عمران: 56)

ترجمہ: اس آیت میں اس امر کی بشارت ہے کہ مسیح (اپنے دشمنوں کی) تدابیر سے نجات پائے گا اور اپنی عمر کی مدت حاصل کر لے گا اور یہ کہ اس کے دشمن اپنے خبث اور تدابیر کے بل پر اس سے جو حاصل کرنا چاہتے تھے اس میں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ اور تَوْفِی سے روزِ مرہ کی موت مراد ہے اور رفعِ موت کے بعد روح کیلئے ہے اور معنی یہ ہیں کہ میں تجھے موت دوں گا اور موت کے بعد تجھے اپنے حضور بلند مرتبہ پر فائز کروں گا جیسا کہ ادْرِیس علیہ السلام کے بارے میں بھی فرمایا ہے وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا کہ ہم نے اُس کو بلند مقام دیا۔

(6) الاستاذ عبد الکریم الشریف تحریر فرماتے ہیں۔

وَالْمَسِيحُ عَلَيْهِ السَّلَامُ طَبْعًا كَمَا يَذْكُرُ الْقُرْآنُ قَدْ تَوَفَّاهُ اللَّهُ وَرَفَعَهُ إِلَيْهِ وَطَهَّرَهُ مِثْلَ مَا يَتَوَفَّانَا وَيَرْفَعُنَا إِلَيْهِ۔ (النفحة من التاويل)

ترجمہ: اور مسیح علیہ السلام بھی طبعاً جیسا کہ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دی اور پھر ان کا اپنی طرف رفع فرمایا اور ان کو پاک کیا جیسا کہ وہ ہمیں وفات دیتا ہے اور ہمیں اپنی طرف اٹھاتا ہے۔

(7) الاستاذ عبد الوہب النجار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح میں آیت قرآنی وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كَاذِبًا کہتے ہیں:

وَأَنَّهُ كَانَ يُرَاقِبُهُمْ وَيُسَدِّدُهُمْ بِالنَّصَائِحِ إِلَى وَفَاتِهِ وَبَعْدَ

ذَلِكَ كَانَ اللَّهُ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ.

(قصص الانبياء صفحہ 468 زیر عنوان موقف المسيح في اليوم الآخر)
ترجمہ: اور مسیح علیہ السلام اپنی وفات تک اپنی قوم کی نگرانی فرماتے رہے
اور نصائح کے ذریعہ اپنی وفات تک انہیں سیدھا کرتے رہے اس کے بعد
اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر نگران تھا۔

(8) ڈاکٹر احمد زکی ابوشادی ارجنٹائن کے مشہور عربی رسالہ المواہب
میں اپنے تحقیقی مضمون ”هل القرآن معجزة؟“ میں لکھتے ہیں:

وَالْإِسْلَامُ يَعْرِفُ أَنَّ اللَّهَ فِي كُلِّ مَكَانٍ وَأَنَّهُ نُورُ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ فِعْبَارَةٌ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ لَيْسَتْ لِمَعْنَاهَا الْمَادِي أَيْ رَفَعَهُ إِلَى
السَّمَاءِ حَسَبَ تَفَكُّيرِ الْمَسِيحِيِّينَ فَالرُّفْعُ هُنَا بِمَعْنَى الْاِخْذِ
وَالْتَكْرِيمِ خُفْيَةً بَعَكْسِ حِقَارَةِ الْمَوْتِ صُلْبًا كَمَا يُقْتَلُ الْمُجْرِمُونَ
وَالْتَفَاسِيرُ الْآخَرَى الَّتِي أَخَذَ بِهَا بَعْضُ شُرَاحِ الْمُسْلِمِينَ هِيَ
أَقْرَبُ إِلَى التَّفَاسِيرِ الشَّعْرِيَّةِ مِنْهَا إِلَى الْمَنْطِقِ السَّلِيمِ لِأَنَّ ثِقَاةَ
أَصْحَابِهَا الْعِلْمِيَّةَ مَحْدُودَةٌ. (المواہب 1955ء)

ترجمہ: اسلام کا معروف عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے اور وہ آسمان و
زمین کا نور ہے پس رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ اپنے مادی معنوں میں نہیں ہے کہ اللہ
نے مسیح کو آسمان پر عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اٹھالیا بلکہ رفع کے
معنی یہاں بچانا اور اعزاز دینا ہے برعکس حقیر صلیبی موت کے جو مجرموں کو دی
جاتی ہے۔ اور دوسری تفاسیر جنہیں بعض مسلمان مفسرین نے بھی اختیار کیا
ہے وہ منطق سلیم کی بجائے شاعرانہ تفاسیر ہیں۔ اور ان مفسرین کی ثقاہت
علمی نہایت محدود ہے۔

وفاتِ مسیحؑ اور علمائے ہندو پاکستان

(1) حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

”پیغمبرؐ گفت اندر شبِ معراج آدم صفی اللہ و یوسف
صدیق و موسیٰ کلیم اللہ و ہارون حلیم اللہ و عیسیٰ روح اللہ
و ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہم اجمعین علی نبینا و
علیہم اندر آسمان ہا دیدم لا محالہ آن ارواح ایشان بود۔“

(کشف المحجوب باب فی فرق فرقہم فی مذاہبہم . الکلام فی الروح)

اس کا مطبوعہ ترجمہ یوں کیا گیا ہے:-

اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات آدم صفی اللہ اور
یوسف صدیق۔ موسیٰ کلیم اللہ اور ہارون اور عیسیٰ روح اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ
صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کو آسمان پر دیکھا۔ ضرور وہ ان کی روحوں میں ہوں گی۔

(کشف المحجوب مترجم اردو فصل ششم۔ روح کے بیان میں۔ صفحہ 294 مطبوعہ مطبع عزیزی لاہور 1322ھ)

(2) مولانا عبید اللہ سندھی تحریر فرماتے ہیں:-

وَمَعْنَى مُتَوَفِّكَ مُمِيتُكَ وَأَمَّا مَا شَاعَ بَيْنَ النَّاسِ مِنْ
حَيَاةِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَهِيَ أُسْطُورَةٌ يَهُودِيَّةٌ وَصَابِيَّةٌ وَلَا

يَخْفَى أَنْ مَرْجِعَ الْعُلُومِ الْإِسْلَامِيَّةِ هُوَ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ وَلَيْسَ
لِهِيَ آيَةٌ تَذُلُّ صَرَاخَةً عَلَى أَنْ عَيْسَى لَمْ يَمُتْ وَأَنَّهُ حَتَّى سَيَنْزِلُ إِلَّا
الْإِسْتِنْبَاطَاتِ وَتَفْسِيرَاتِ مِنَ الْبَعْضِ وَلَا يَخْلُو ذَلِكَ مِنْ
شَكُوكٍ وَشُبُهٍ وَمَا كَانَ بِهَذِهِ الْمَثَابَةِ كَيْفَ يُمَكِّنُ أَنْ نَتَّخِذَهُ
مَبْنًى بِعَقِيدَةٍ إِسْلَامِيَّةٍ.

(الهام الرحمان فى تفسير القرآن الجزء الثانى زير تفسير سورة آل عمران : 56)

ترجمہ: مُتَوَفِّیک کے معنی ہیں میں تجھے موت دوں گا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی
زندگی کے بارہ میں جو کچھ لوگوں میں مشہور ہے وہ ایک یہودی اور صابی افسانہ
ہے..... یہ بات مخفی نہیں کہ علومِ اسلامی کا مرجع قرآنِ عظیم ہے اور اس میں
ایک آیت بھی ایسی نہیں جو صراحت کے ساتھ ثابت کرتی ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام
نے وفات نہیں پائی اور کہ وہ زندہ ہیں اور عنقریب نازل ہوں گے۔ سوائے (بعض
لوگوں کے) استنباط اور استدلالات اور تفاسیر کے اور یہ آراء و استدلالات
شک و شبہ سے بالا نہیں ہیں۔ پس ان کو ایک اسلامی عقیدہ کی بنیاد کس طرح مانا
جاسکتا ہے۔

(3) نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب لکھتے ہیں۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا
قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ .

دو طرح سے آدمیوں کو مار ڈالنے کا دستور تھا۔ ایک صلیب پر لٹکا رہنے دینے
سے۔ یہ سزائیں جرائم کے مرتکبوں اور غلاموں کو دی جاتی تھی۔ جو تین چار
روز صلیب پر لٹکے ہوئے بھوک پیاس کی شدت اور زخموں کے درد اور دھوپ
کی تپش اور دورانِ خون کی سوء مزاجی سے مر جاتے تھے اور دوسری قسم دفعۃً

جان سے مار ڈالنے کی تھی اور وہ دو طرح سے تھی:-

(1) سنگسار کرنا۔

(2) تلوار سے قتل کرنا۔

اس لیے قرآن مجید میں دونوں قسموں کی موت سے انکار ہوا ہے کہ نہ تو حضرت عیسیٰ کو پتھراؤ کر کے یا تلوار سے مارا اور نہ صلیب پر چڑھا کے مارا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہود کا ایسا بیان ہے کہ پہلے حضرت عیسیٰ سنگسار کر لئے گئے۔ چنانچہ یہود کی کتاب ثنا اور تالمود یوروشلم اور تالمود بابل سنہد ریم کے بیان میں ایسا ہی لکھا ہے (دیکھو اربنط بیان کا تذکرہ مسیح باب 25 صفحہ 284) اور عیسائیوں کا بیان ہے کہ وہ صلیب پر مارے گئے اس لئے قرآن میں ان دونوں باتوں پر اشارہ ہے وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ یعنی نہ قتل بذریعہ سنگساری ہوا اور نہ قتل بذریعہ صلیب ہوا۔ نہ یہ کہ وہ مطلق صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے کیونکہ مطلق صلیب کی نفی کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ صلیب پر ہاتھوں میں میخ ٹھوکنے اور پیر باندھ دینا اور پھر تین گھنٹے بعد اُتار لینا مار ڈالنے کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ تصلیب کی نفی سے صلیبی موت مراد ہے۔

وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

مگر صورت بنادی گئی اور اس طور کہ حضرت عیسیٰ ان لوگوں کو جو صلیب کا اہتمام کر رہے تھے مُردہ نظر آئے کیونکہ وہ تمام شب کے جاگنے اور صد مات کی برداشت اور میخوں کی اذیت سے غشی یا بے ہوشی میں آ گئے تھے۔ اس سے انہوں نے سمجھا کہ یہ مر گئے مگر چونکہ اس وقت موسم اچھا تھا یعنی ابر چھا رہا تھا (متی 27/45- مرق 10/23 لوق 23/44) دھوپ کی تکلیف نہ تھی اور پھر وہ جلدی ہی اُتار لئے گئے اس وجہ سے زیادہ صدمہ نہیں پہنچا۔

حشو یہ اور عامہ مفسرین نے اس جملے کی تفسیر میں یہ معنی لگائے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی صورت ایک اور شخص پر القاء کی گئی یہ محض ایک سفسطہ ہے ورنہ ہم اپنے مخاطبوں یا مخالفوں کو ایسا ہی سمجھ سکتے ہیں کہ جب ہم ان میں ایک شخص مخصوص کو دیکھیں اور وہ دراصل وہ نہ ہو بلکہ کسی اور کی صورت اس پر القاء ہوئی ہو تو اس سے تو معاملات پر سے اعتبار جاتا رہتا ہے اور نکاح و طلاق اور ملک پر وثوق نہیں رہتا۔ اگر ہم شُبَّہ کو مسیح کی طرف مُسند کرتے ہیں جیسا کہ عامہ مفسرین کرتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ وہ مشبہ بہ ہیں نہ کہ مشبہ اور اگر اس خیالی اور غیر واقعی شخص کی طرف، جو مقتول ہوا بتلاتے ہیں، مُسند کرتے ہیں تو اس کا ذکر کچھ قرآن میں نہیں۔

وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظُّلُمِ.

اور جو لوگ اس میں یعنی ان کی صلیبی موت کی نسبت باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ شبہ میں پڑ جاتے ہیں اور کچھ نہیں۔ ان کو اس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا۔ ہم نے دفعہ 16 میں بیان کیا ہے کہ یہ اختلاف کیا تھا۔ یعنی ایک تو یہود کا قول کہ ہم نے قتل کیا۔ دوسرے عام عیسائیوں کا عقیدہ کہ وہ قتل ہوئے۔ تیسرے فرقہ باسالیدياں اور سرن تہیان کا قول کہ ان کی جگہ یوسف شمعون قتل ہوئے تھے چوتھے برنباس کا قول کہ ان کی جگہ یہود اسکر یوطی قتل ہوا۔ ان سب کو قرآن نے فرمایا ہے کہ اٹکل پر چلتے ہیں۔ اس میں سے کسی بات کا ان کو قطعی علم نہیں ہے چنانچہ حضرت مسیح کا صلیب پر نہ مرنا تو ہم نے مقدمات 7-8-9 میں ثابت کیا ہے اور کسی اور کا اُن کی جگہ مصلوب ہو جانا ایک بے ثبوت بات ہیں اور قرآن اس کے خلاف ہے کیونکہ شمعون قرینی بعد

میں عرصہ تک زندہ رہا اور عیسائیوں کی جماعت میں شامل اور شریک رہا اور یہود اسکر یوٹی کا حال بھی معلوم ہے کہ وہ بعد میں مر گیا۔

وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا

اور اس کو اچھی طرح سے قتل نہیں کیا یعنی جیسا قتل کرنے کا حق تھا ویسا قتل نہیں کیا یا یقیناً قتل نہیں کیا۔ اور کیونکہ وہ یقیناً قتل ہو سکتے تھے حالانکہ وہ صرف تخمیناً تین گھنٹے صلیب پر رہے اور وہ موت کے لئے کافی نہیں ہے۔

بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ

بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ خدا کی طرف جانایا اٹھالیا جانا ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ - (صُفَّت: 100)

اور مہاجروں کی نسبت کہا وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا

إِلَى اللَّهِ - (النساء: 101)

یہ بات تعظیم و تشریف و تفسخیم کے طور پر کہی جاتی ہے نہ یہ کہ وہ درحقیقت آسمان کی طرف بادلوں میں اڑتے ہوئے نظر آئے اور کسی آسمان پر جا بیٹھے۔ ان باتوں کی ہمارے ہاں کوئی اصل نہیں ہے بعد میں حضرت عیسیٰ یقیناً مر گئے جس کی خبر قرآن مجید میں دوسری جگہ دی گئی ہے۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يُعَيْنِّيْ اِنَّ مَتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ -

(آل عمران: 56)

جس کی تفسیر میں مفسرین نے بہت کچھ پس و پیش کیا ہے بلکہ اس کو بالکل الٹ دیا ہے وہ یوں پڑھتے ہیں:

رَافِعُكَ اِلَيَّ وَمَتَوَفِّيْكَ

مگر اصلی قرآن کی تو یہ عبارت نہیں ہے اگر مفسرین نے کوئی نیا قرآن بنایا ہو تو اس میں ہوگی۔ پھر دوسری جگہ اور بھی صاف ہے:-

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ۔

(المائدة: 118)

کہ حضرت عیسیٰ جناب باری سے عرض کریں گے جب تُو نے مجھے وفات دے دی تب تو اُن پر نگہبان رہا۔ ان دونوں آیتوں میں وفات کا ذکر ہے اور یہ موت کی دلیل ہے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا. (الزمر: 43)

پس ان کی وفات کی خبر بہت صاف ہے مگر یہ بات کہ وہ کب مرے اور کہاں مرے معلوم نہیں۔ جیسے کہ حضرت مریم کا حال پھر کچھ معلوم نہ ہوا حالانکہ حضرت عیسیٰ نے ان کو یوحنا حواری کے سپرد کیا تھا اور یوحنا حواری صاحب تصنیف بھی تھے پھر بھی کچھ حال ان کا نہیں لکھا اور حضرت مسیحؑ تو دشمنوں سے پوشیدہ دور کے دیہات میں چلے گئے تھے۔

(انتخاب مضامین تہذیب الاخلاق جلد سوم صفحہ 211 تا 222 مطبوعہ 1896ء)

(4) سر سید احمد خان بانی علی گڑھ یونیورسٹی

آپ اپنی تفسیر میں وفات مسیحؑ پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-
اب ہم کو قرآن مجید پر غور کرنا چاہئے کہ اس میں کیا لکھا ہے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کی وفات کے متعلق چار جگہ ذکر آیا ہے پہلی تین آیتوں سے حضرت عیسیٰ کا اپنی موت سے وفات پانا علانیہ ظاہر ہے مگر چونکہ علماء اسلام نے بہ تقلید بعض فرق نصاریٰ کے قبل اس کے کہ مطلب قرآن مجید پر غور کریں یہ تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں اس لئے انہوں نے ان آیتوں کے بعض

الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کو بے جا کوشش کی ہے۔

(پوری تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر احمدی مصنفہ سر سید احمد خان جلد 2 صفحہ 46، 47)

(5) مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم

آپ ڈاکٹر انعام اللہ خان سالاری، بلوچستان کے ایک استفسار
مرقومہ 6/اپریل 1956ء کے جواب میں لکھتے ہیں:
وفات مسیح کا ذکر خود قرآن مجید میں ہے مرزا صاحب کی تعریف اور بُرائی
کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(ملفوظات آزاد مرتبہ محمد اجمل خان صفحہ 129، 130 مطبوعہ مکتبہ ماحول کراچی)

(6) شاعر مشرق علامہ اقبال

جہاں تک میں نے اس تحریک کی منشاء کو سمجھا ہے احمدیوں کا یہ اعتقاد کہ مسیح
کی موت ایک عام فانی انسان کی موت تھی اور رجعت مسیح گویا ایسے شخص کی
آمد ہے جو روحانی حیثیت سے اس کا مشابہ ہو، اس خیال سے یہ تحریک معقولی
رنگ رکھتی ہے۔ (خطبات مدراس)

(7) علامہ محمد عنایت اللہ المشرقی بانی خاکسار تحریک

آپ اپنی مشہور تصنیف تذکرہ میں تفصیل سے وفات مسیح علیہ السلام پر
تاریخی شہادات پر بحث کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں

اس میں یہ عبرت انگیز سبق موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ کی موت بھی اسی
سنتِ الہ کے مطابق واقع ہوئی تھی۔ جس کی بابت قرآن نے کہا ہے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا۔ (فاطر: 44)

(تذکرہ جلد اول حاشیہ دیباچہ صفحہ 16، 17)

(8) غلام احمد صاحب پرویز ایڈیٹر ماہنامہ طلوع اسلام

آپ نے وفاتِ مسیح پر اپنی تصانیف میں سیر حاصل بحث کی ہے۔
”شعلہء مستور“ میں آپ لکھتے ہیں۔

1- تصریحات بالا سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ قرآن کریم نے کس طرح یہودیوں اور عیسائیوں کے اس خیال اور باطل عقیدہ کی تردید کر دی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب دیا گیا تھا۔ باقی رہا عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ آپ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے تو قرآن سے اس کی بھی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس میں ایسے شواہد موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے دوسرے رسولوں کی طرح اپنی مدتِ عمر پوری کرنے کے بعد وفات پائی۔

(شعلہء مستور شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام لاہور صفحہ 80 زیر عنوان وفاتِ مسیح)

2- حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا تصور مذہبِ عیسائیت میں بعد کی اختراع ہے۔ یہودیوں نے مشہور کر دیا (اور بظاہر نظر بھی ایسا ہی آتا تھا) کہ انہوں نے حضرت مسیح کو صلیب پر قتل کر دیا ہے حواریوں کو معلوم تھا کہ حقیقت حال یہ نہیں لیکن وہ بھی بہ تقاضائے مصلحت اس کی تردید نہیں کر سکتے تھے۔

(شعلہء مستور صفحہ 90 زیر عنوان رفع الی السماء)

(9) سید ابوالاعلیٰ مودودی نے وفاتِ مسیح کا اقرار تو نہیں کیا لیکن وہ لکھتے ہیں:-
”قرآن کی رو سے زیادہ مطابقت اگر کوئی طرزِ عمل رکھتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ رفعِ جسمانی کی تصریح سے بھی اجتناب کیا جائے اور موت کی تصریح سے بھی۔۔۔ بلکہ مسیح علیہ السلام کے اٹھائے جانے کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کا

ایک غیر معمولی ظہور سمجھتے ہوئے اس کی کیفیت کو اسی طرح مجمل چھوڑ دیا
جائے جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے مجمل چھوڑ دیا ہے۔“

(مولانا مودودی پر اعتراضات کا علمی جائزہ مصنفہ مولوی محمد یوسف حصہ اول صفحہ 169)

نزولِ مسیح و ظہور مہدی

احادیثِ نبویہ میں ابنِ مریم کے نزول کی جو پیشگوئی وارد ہے ہمارے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اُمتِ محمدیہ کا امام مہدی آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے رنگ میں رنگین ہو کر دنیا کی اصلاح کے لئے آنے والا تھا۔ گویا ابنِ مریم کا لفظ احادیثِ نبویہ میں اس بات کے لئے ایک استعارہ تھا کہ ایک شخص اُمتِ محمدیہ میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم صفت اور مثیل ہو کر ظاہر ہوگا کسی لفظ کے بطور استعارہ استعمال کے اگر ضروری قرآن موجود ہوں تو اس لفظ کو بطور مستعار سمجھا جائے گا اور اگر قرآن موجود نہ ہوں تو اس کا استعمال بطور حقیقت ہو گا نہ کہ بطور استعارہ۔

نزولِ مسیح کی چند حدیثیں درج ذیل ہیں:-

(1)۔ بخاری شریف۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَ إِمَامُكُمْ مِنْكُمْ.

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب نزول عیسیٰ)

ترجمہ: اے مسلمانو! تمہاری کیسی حالت ہوگی جب تمہارے درمیان ابنِ

مریم نازل ہوگا اس حال میں کہ وہ تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔

(2)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی مروی ہے:

لَيُؤْشِكُنَّ أَنْ يُنْزَلَ فِيكُمْ بَنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا
فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخَنَزِيرَ وَيَضَعُ الْحَرْبَ.

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب نزول عیسیٰ ابنِ مریم مطبوعہ مجتہبی)

ترجمہ : قریب ہے کہ تم میں ابن مریم حکم وعدل کی حیثیت میں نازل ہو اور صلیب کو توڑے اور خنزیر کو قتل کرے اور جنگ کو روکے۔

(3) صحیح مسلم۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:-

كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ بَنُ مَرْيَمَ فَيُكَلِّمُكُمْ فَأَمَّاكُمْ مِنْكُمْ.

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ ابن مریم....)

دوسری روایت میں جو اس روایت سے بعد درج ہے متن حدیث کے یہی الفاظ ظاہر کر کے لکھا ہے۔

قَالَ بَنُ أَبِي ذَنْبٍ تَلَدَرِي مَا أَمَّاكُمْ مِنْكُمْ قُلْتُ تُخْبِرُنِي قَالَ فَأَمَّاكُمْ بِكِتَابِ رَبِّكُمْ عَزَّوَجَلَّ وَسُنَّةِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ ابن مریم....)

ترجمہ : ابن ابی ذنبؓ نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ فامکم منکم کے کیا معنی ہیں؟ میں نے کہا آپ ہی بتائیں تو انہوں نے کہا کہ مسیح تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنت کے مطابق امامت کریں گے۔

(4) ابو ہریرہؓ کی یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيرَ وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ وَلَيُتْرَكَنَّ الْقَلَاصُ فَلَا يُسْعَى عَلَيْهَا.

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ ابن مریم.... مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 494 مطبوعہ بیروت)

ترجمہ : ضرور نازل ہوگا ابن مریم حکم وعدل کی حیثیت میں پھر وہ صلیب کو ضرور توڑے گا۔ اور خنزیر کو ضرور قتل کرے گا اور جزیہ کو ضرور موقوف کر دے گا اور اونٹنیوں کو ضرور چھوڑ دیا جائے گا پس وہ ضروری مہمات کیلئے استعمال

نہیں کی جائیں گی۔ (گویا نئی سواریاں نکل آئیں گی اس لئے تیز رفتاری کا کام اونٹنیوں سے نہیں لیا جائے گا)

صحیح مسلم میں نو اس بن سمان سے روایت میں آنے والے مسیح کے لئے عیسیٰ نبی اللہ کے الفاظ چار مرتبہ استعمال ہوئے ہیں فَيَهْبِطُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى۔ (5) مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

يُوشِكُ مَنْ عَاشَ مِنْكُمْ أَنْ يَلْقَى عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ إِمَامًا مُهْدِيًا وَحَكَمًا عَذْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخَنَزِيرَ الخ

(مسند احمد حنبل جلد 2 صفحہ 411 مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو زندہ رہے گا قریب ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کرے در آنحالیکہ وہ امام مہدی اور حکم و عدل ہوگا پس وہ صلیب کو توڑے گا اور خنزیر مارے گا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ امام مہدی اور مسیح موعود ایک ہی شخص ہوگا اور اس کے مختلف کاموں کے لحاظ سے اس کے دو نام ہوں گے۔ (6) محمد بن خالد الجندی سے مروی ہے:-

لَا يَزْدَادُ الْأَمْرُ إِلَّا شِدَّةً وَلَا الدُّنْيَا إِلَّا إِذْبَارًا وَلَا النَّاسُ إِلَّا شَحًّا.... وَلَا الْمُهْدِيُّ إِلَّا عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ۔

(ابن ماجہ کتاب الفتن باب شدة الايمان)

ترجمہ: معاملات میں شدت اور دنیا میں ادبار اور لوگوں میں بخل بڑھ جائے گا..... اور عیسیٰ بن مریم کے سوا کوئی مہدی نہیں۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مہدی اور عیسیٰ موعود دو شخص نہیں۔

لیکن ان دو احادیث کے باوجود ابن مریم یا عیسیٰ بن مریم کے الفاظ سے

بعض علماء میں یہ غلط فہمی ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں اتریں گے اور اسی غلط فہمی کی وجہ سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وفات کے معنی پر مشتمل الفاظ مَتَوَفَّيكَ اور تَوَفَّيْتَنِي کی تاویل کی اور ان کے معنی روح اور جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لینا کر لئے حالانکہ یہ آیات وفاتِ مسیح پر نص صریح ہیں۔ خود مفسرین کو انہی احادیث کی بناء پر وفات کی یہ تاویل کرنا مسلم ہے:

إِنَّمَا احتَاجَ الْمُفَسِّرُونَ إِلَى تَأْوِيلِ الْوَفَاةِ بِمَا ذُكِرَ لِأَنَّ الصَّحِيحَ أَنَّ اللَّهَ رَفَعَهُ إِلَى السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ وَفَاةٍ.

(فتح البیان جلد 2 صفحہ 246 زیر تفسیر آل عمران: 56)

ترجمہ: مفسرین (مسیح کے بارے میں) الوفاة کی تاویل کرنے میں مجبور تھے۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو آسمان پر بغیر وفات کے اٹھا لیا ہے۔

ایک دوسرا گروہ جس نے آیات قرآنیہ کی تاویل نہ کی اور ان کو اصل معنی پر رکھ کر یہ گروہ وفاتِ مسیح کا قائل تھا اس نے آیات قرآنیہ کی تاویل کی بجائے احادیث نبویہ کی تاویل کی اور عیسیٰ بن مریم کے نزول سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک ہم صفت شخص کا ظہور تسلیم کیا۔ یا نزولِ عیسیٰ بن مریم سے مراد امام مہدی میں مسیح کا بروزی ظہور تسلیم کیا۔ چنانچہ امام سراج الدین ابن الوردی نے مسیح کے اصالتاً نزول کی تصدیق کے بعد ایک دوسرے گروہ کا عقیدہ یوں لکھا ہے:

قَالَتْ فِرْقَةٌ مِّنْ نُزُولِ عِيسَىٰ خُرُوجُ رَجُلٍ يُشَبِّهُ عِيسَىٰ فِي الْفَضْلِ وَالشَّرَفِ كَمَا يُقَالُ لِلرَّجُلِ الْخَيْرُ مَلَكٌ وَلِلشَّرِّ شَيْطَانٌ تَشْبِيهَا بِهِمَا وَلَا يُرَادُ الْأَعْيَانُ.

(خریدۃ العجائب و فريدة الرغائب صفحہ 263 مطبوعہ مصر)

ترجمہ : ایک گروہ نے نزول عیسیٰ سے ایک ایسے شخص کا ظہور مراد لیا ہے جو فضل و شرف میں عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہوگا۔ جیسے تشبیہ دینے کے لئے نیک آدمی کو فرشتہ اور شریر کو شیطان کہتے ہیں مگر اس سے مراد فرشتہ یا شیطان کی ذات نہیں ہوتی۔

واضح رہے کہ جماعت احمدیہ کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ محمد اکرم صاحب صابری اقتباس الانوار میں لکھتے ہیں:

بعضے برآئند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت از ایں بروز است مطابق ایں حدیث لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم۔ (صفحہ 52)

ترجمہ : بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ کی روحانیت مہدی میں بروز (ظہور) کرے گی اور حدیث میں لفظ نزول سے مراد یہ بروز ہی ہے مطابق اس حدیث کے کہ نہیں ہے مہدی مگر عیسیٰ بن مریم۔

علامہ میبذی نے بھی شرح دیوان میں لکھا ہے۔

روح عیسیٰ علیہ السلام در مہدی علیہ السلام بروز کند و نزول عیسیٰ ایں بروز است۔
(غایۃ المقصود صفحہ 21)

حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:-

وَجَبَ نُزُولُهُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهِ بِبَدَنِ آخِرٍ.

(تفسیر عرائس البیان جلد 1 صفحہ 262 مطبوعہ نول کشور)

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول آخری زمانہ میں ایک دوسرے بدن (وجود) کے ساتھ ضروری ہے۔

بروز کی حقیقت

(1) شیخ محمد اکرم صابری اسی جگہ بروز کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں:-

روحانیت کَمُلْ گا ہے برابر باب ریاضت چنان تصرف می فرماید
فاعل افعالِ اوی گرد و ایں مرتبہ را صوفیہ بروز می گویند۔

(اقتباس الانوار صفحہ 51)

ترجمہ : کامل لوگوں کی روحانیت ارباب ریاضت پر ایسا تصرف کرتی
ہے کہ وہ روحانیت ان کے افعال کی فاعل ہو جاتی ہے اس مرتبہ کو صوفیاء بروز
کہتے ہیں۔

(2) - خواجہ غلام فرید آف چاچہ اس شریف فرماتے ہیں۔

وَالْبُرُوزُ أَنْ يُفِيضَ رُوحٌ مِنْ أَرْوَاحِ الْكَمَلِ عَلَى كَامِلٍ
كَمَا يُفِيضُ عَلَيْهِ التَّجَلِّيَّاتُ وَهُوَ يَصِيرُ مَظْهَرَهُ وَيَقُولُ أَنَا هُوَ۔

(اشارات فریدی حصہ دوم صفحہ 110)

ترجمہ : بروز یہ ہے کہ کاملین کی ارواح میں سے کوئی روح کسی کامل انسان پر
افاضہ کرے جیسا کہ اس پر تجلیات کا افاضہ ہوتا ہے اور وہ اس کا مظہر بن جاتا
ہے اور کہتا ہے کہ میں وہی ہوں۔

(3) - حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا بروز قرار دے کر کہتے ہیں۔

هَذَا وَجُودُ جَدِّي مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَجُودَ
عَبْدِ الْقَادِرِ.

(مکدستہ کرامات صفحہ 8 مولفہ مفتی غلام سرور صاحب مطبوعہ انصار لدھیانوی)

ترجمہ : میرا وجود میرے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے عبدالقادر کا وجود نہیں۔

اس عبارت میں حضرت شیخ عبدالقادر علیہ الرحمۃ نے اپنا فنا فی الرسول ہونے کا مقام بیان کیا ہے گویا کہ فنا فی الرسول کا مقام حاصل کرنے کی وجہ سے آپ کا وجود بروزی طور پر آنحضرت ﷺ کا وجود بن گیا نہ کہ اصالتاً۔

چونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات ثابت ہے اس لئے یہ امر استعارہ کے لئے قرینہ حالیہ ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر علیہ الرحمۃ نے اپنے آپ کو فنا فی رسول ہونے کی وجہ سے بروزی طور پر استعارۃ محمد ﷺ قرار دیا ہے۔

مسح موعود علیہ السلام کا بروزی نزول

اس طرح چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نصوص قرآنیہ و حدیثیہ سے ثابت ہے اس لئے نزول ابن مریم کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ امت محمدیہ کا امام مہدی ہی عیسیٰ علیہ السلام کا بروز ہوگا اور اسے حدیثوں میں عیسیٰ علیہ السلام کا مشابہ اور مثیل ہونے کی وجہ سے ابن مریم اور عیسیٰ بن مریم کا نام دیا گیا۔

امام مہدی کیلئے ابن مریم کا نام بطور استعارہ

مسند احمد بن حنبل اور ابن ماجہ کی ہر دو احادیث اس بات کی مؤید ہیں کہ عیسیٰ بن مریم امت محمدیہ کے امام مہدی کا ہی صفاتی نام ہے جو اسے بطور استعارہ دیا گیا ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے:-

إِطْلَاقُ اسْمِ الشَّيْءِ عَلَى مَا يُشَابِهُهُ فِي أَكْثَرِ خَوَاصِهِ
وَصِفَاتِهِ جَائِزٌ حَسَنٌ - (تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 689)

یعنی کسی چیز کا نام دوسری چیز پر جو اس کی اکثر خواص اور صفات میں مشابہت رکھے اطلاق کرنا جائز اور مستحسن ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن مجید میں وارد ہے۔
 قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْنَا ذِكْرًا. رَسُولًا يَشْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ
 لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ.

(الطلاق: ۱۱)

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے نزول کی خبر دی گئی ہے جبکہ آپ اپنی والدہ کے بطن سے پیدا ہوئے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا اس لئے اجلال اور اکرام کے طور پر آپ کے لئے نزول کا لفظ استعمال فرمایا۔ اسی طرح احادیث نبویہ میں مثیل عیسیٰ کے لئے نزول کا لفظ اکراماً استعمال کیا گیا ہے جبکہ بحیثیت امام مہدی اُمت میں وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہونے والا تھا۔

دوسری بات اس آیت سے یہ ظاہر ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم سے مشابہ ہونے کی وجہ سے استعارۃً ذِکْرُ قرار دیا گیا ہے۔
 علامہ محمد اسماعیل حقّی اپنی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں۔

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذِکْرُ سے جو قرآن مجید میں ہے شدید ملا بہت (شدید تعلق) کی وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے فَأُطْلِقَ عَلَيْهِ اسْمُ الْمُشَبَّهِ بِهِ اسْتِعَارَةً تَصْرِيحِيَّةً۔ اس طرح مشبہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مشبہ بہ کا نام استعارہ تصریحیہ کے طور پر دیا گیا ہے۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ آنحضرت ﷺ حقیقتاً ذِکْرُ نہیں۔ استعارہ اور مجاز کے طور پر آپ کو ذِکْرُ قرار دیا گیا ہے۔ ویسے ہی پیشگوئی میں عیسیٰ بن مریم کا لفظ

اُمّتِ محمدیہ کے مسیح موعود کے لئے استعارہ ہے۔ حقیقتاً مسیح بن مریم کا آسمان سے اُترنا مراد نہیں۔

کنیت بھی بطور استعارہ استعمال ہو سکتی ہے علامہ زخشری نے آیت ھَذَا الَّذِي رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ کی تفسیر میں لکھا ہے۔

مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ قیامت کو جو رزق ملے گا یہ اس رزق کی مانند ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا۔ (نہ کہ حقیقتاً وہی رزق۔ ناقل) اور دلیل (یعنی قرینہ) اس کا وَأَتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ہے (یعنی وہ دنیا کے رزق سے ملتا جلتا رزق دیئے جائیں گے)۔ ناقل اس کی مثال میں علامہ زخشری لکھتے ہیں:

هَذَا كَقَوْلِكَ أَبُو يُوسُفَ أَبُو حَنِيفَةَ تُرِيدُ أَنَّهُ لَا سِتْحَكَامَ الشَّيْبَةِ كَانَ ذَاتَهُ ذَاتُهُ.

(تفسیر الکشاف جلد 1 صفحہ 261 زیر تفسیر سورة البقرة : 26) ترجمہ : قیامت کے رزق کو دنیا کا رزق قرار دینا تیرے اس قول کی مانند ہے کہ ابو یوسف ابو حنیفہ ہیں اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ دونوں کے درمیان مستحکم مشابہت کی وجہ سے گویا ابو یوسف کی ذات کو ابو حنیفہ کی ذات ہی قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے ابو یوسف کہنے کی بجائے ابو حنیفہ کہہ کر مراد ابو یوسف لیا جاتا ہے۔

علامہ عبید اللہ بن مسعود حنفی اپنی کتاب التوضیح میں لکھتے ہیں۔
اِسْتِعَارَةَ اِسْمِ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لِرَجُلٍ عَالِمٍ
فَقِيهِ مُتَّقٍ.
(التوضیح صفحہ 184)

یعنی ایک عالم متقی فقیہ شخص کو استعارہ کے طور پر ابو حنیفہ کہا جاتا ہے۔
اس طرح صحیح بخاری کی حدیث میں مذکور ہے کہ ہر قل قیصر روم کے دربار

میں ابوسفیان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ فقرہ کہا۔

لَقَدْ أَمَرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ يَخَافُهُ، مَلِكُ بَنِي أَصْفَرٍ.

(بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی)

کہ ابن ابی کبشہ کا کام تو خوب بن گیا کہ رومیوں کا بادشاہ بھی اس سے ڈرتا ہے۔

اس فقرہ میں اعلانِ توحید میں ابن ابی کبشہ سے مشابہت کی وجہ سے

ابوسفیان نے استعارہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ قرار دیا ہے حالانکہ آپ محمد بن عبد اللہ تھے۔

یحییٰ علیہ السلام ایلیا کے بروز

بائبل میں ایلیا (الیاس علیہ السلام) کے آنے کی پیشگوئی کو حضرت عیسیٰ

علیہ السلام نے یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کے وجود میں پورا ہونا قرار دیا ہے جس سے یہی مراد ہے کہ وہ یحییٰ علیہ السلام کو ایلیا کا بروز قرار دیتے ہیں۔

تفصیل اس کی یوں ہے:

کتاب ملاکی باب 4 آیت 5 میں لکھا ہے:

دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیا نبی

کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔

اس سے یہودی یہ سمجھتے تھے کہ ایلیا کا سچے مسیح سے پہلے آسمان سے آنا

ضروری ہے۔ کتاب سلاطین کے مطابق ان کا عقیدہ تھا کہ ایلیا رتھ سمیت

بگولے میں سوار ہو کر آسمان پر چلا گیا۔ (2۔ سلاطین باب 2 آیت 12)

مسیح سے سوال کیا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو ایلیا کہاں ہے؟ مسیح نے یوحنا کو

ایلیا قرار دیتے ہوئے جواب دیا۔

سب نبیوں اور توریت نے یوحنا کے وقت تک آگے کی خبر دی اور ایلیا جو آنے والا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کرو۔ جس کے کان سُننے کے ہوں سُنے۔

(متی باب 11 آیت 13، 14)

نزول کی حقیقت:

ہم بتا چکے ہیں کہ نزول کا لفظ مجازاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور اکرام استعمال کیا گیا۔ قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل ہوتی ہے مراد یہ ہے کہ آسمانی یعنی خدائی فیصلے کے نتیجہ میں ہی سب اشیاء کا ظہور ہوتا ہے مندرجہ ذیل آیات اس پر شاہد ہیں۔

1- وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ۔

(الحجر: 22)

اس آیت میں ہر چیز کا آسمان سے نازل ہونا مذکور ہے۔

2- يُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا۔ (المومن: 14)

اس آیت میں ہر رزق کا آسمان سے نزول ہونا مذکور ہے۔ حالانکہ بظاہر رزق زمین پر پیدا ہوتا ہے۔

3- وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ۔ (الشوری: 28)

اس آیت میں بھی رزق کا نزول مذکور ہے۔

4- وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَنِيَّةً أَرْوَاجٍ۔ (الزمر: 7)

اس آیت میں چار پایوں کا نزول مذکور ہے۔

5- يُبَيِّنُ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُورِي سَوَاتِكُمْ وَرِيشًا۔

(الاعراف: 27)

اس آیت میں لباس کا نزول مذکور ہے حالانکہ وہ زمین پر تیار ہوتا ہے۔
6۔ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ (الحديد: 26)

اس آیت میں لوہے کا نزول مذکور ہے حالانکہ وہ زمینی کانوں سے نکلتا ہے۔
کسی صحیح حدیث میں عیسیٰ ابن مریم کے لئے نزول کے ساتھ سَمَاء کا لفظ موجود نہیں۔ لیکن اگر سَمَاء کا لفظ مذکورہ بھی ہوتا تب بھی اس سے مراد ابن مریم کا اصالتاً آنا نہ لیا جاسکتا کیونکہ عیسیٰ بن مریم کی وفات نصوصِ قرآنیہ سے ثابت ہے جو اس بات کیلئے قرینہ حالیہ ہے کہ وہ اصالتاً نازل نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر: 43) کہ جس روح کو موت کے ذریعہ قبض کر لیا جائے اُسے خدا رو کے رکھتا ہے یعنی دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجتا۔
ویسے ہر شے اور بالخصوص موعودا شیاء آسمان سے ہی آتی ہیں ان معنی میں کہ ان کے ظہور میں آسمانی اسباب کا دخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذريات: 23)

کہ آسمان میں تمہارا رزق ہے اور ہر وہ شے جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔

پس وہ مسیح جس کے آخری زمانہ میں آنے کا وعدہ دیا گیا وہ ایک رنگ میں آسمان سے ہی آیا ہے۔

ابن مریم کے استعارہ کے لئے قرینہء لفظیہ

ابن مریم کے بروزی نزول کے متعلق وفاتِ مسیح کے حالیہ قرینہ کی موجودگی کے علاوہ احادیثِ نبویہ میں قرینہء لفظیہ بھی موجود ہے۔ جَوَامِئُكُمْ مِنْكُمْ اور فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ اور عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اِمَامًا مَّهْدِيًّا کے الفاظ ہیں اور پھر طبرانی

کی حدیث کے یہ الفاظ بھی کہ **أَلَا إِنَّهُ خَلِيفَتِي فِي أُمَّتِي** کہ وہ میری اُمت میں میرا خلیفہ ہے۔

ان سب حدیثوں میں یہ مذکور ہے کہ مسیح موعود اُمتِ محمدیہ کا امام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوگا۔ لیکن ہوگا اُمت سے۔ باہر سے نہیں آئے گا۔ کیونکہ آیتِ استخلاف میں یہ وعدہ ہے کہ اس اُمت کے ائمہ و خلفاء اُمت میں سے ہی ہوں گے البتہ وہ اس اُمت سے پہلے گزرے ہوئے خلفاء سے مشابہ ہوں گے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ تو کوئی خلیفہ آ سکتا ہے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصالتاً نزول آیتِ استخلاف کی رو سے محال اور ممتنع ہے کیونکہ اس سے مشتبہ اور مشبہ بہ کا عین ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔

حیاتِ مسیحؑ پر اجماع کا دعویٰ باطل ہے

اوپر کی بحث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مسیحؑ کی حیات اور وفات کے متعلق دو خیال مسلمانوں میں موجود رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ پر اُمت میں کبھی اجماع نہیں ہوا۔ البتہ جیسا کہ ہم نے ثابت کر دیا ہے وفاتِ مسیحؑ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت ہے پس وفاتِ مسیحؑ کے عقیدہ کو ہی اجماعی دلیل ہونے کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح نزولِ ابنِ مریم کے بارہ میں بھی دو خیال کے مسلمان موجود رہے ہیں۔ ایک گروہ ابنِ مریمؑ کے اصالتاً نزول کا قائل رہا اور دوسرا بروزی صورت کا قائل۔ لہذا حضرت مسیح علیہ السلام کے اصالتاً آسمان سے نازل ہونے پر بھی اجماع ثابت نہیں۔

لہذا مفسرین کے جو اقوال اس بارہ میں مفردانہ حیثیت کے ہیں وہ حجت اور دلیل نہیں بن سکتے ماسوائے اس کے فقہ حنفیہ کی رو سے آئندہ ہونے والے امور

کے متعلق جو پیشگوئیاں ہوں اُن کے کسی خاص معنی اور مفہوم پر اجماع نہیں ہو سکتا۔
چنانچہ شیخ محبت اللہ بن عبدالشکور اپنی کتاب مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں:-

أَمَّا فِي الْمُسْتَقْبَلَاتِ كَأَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَأُمُورِ الْآخِرَةِ فَلَا
(اجْمَاعَ) عِنْدَ الْحَنْفِيَّةِ لِأَنَّ الْغَيْبَ لَا مَدْخَلَ فِيهِ لِلْاجْتِهَادِ.

(مسلم الثبوت مع شرح صفحہ 521 الاصل الثالث الاجماع)

ترجمہ: یعنی جو باتیں مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں جیسے علاماتِ قیامت
(جن میں نزول ابن مریم بھی شامل ہے۔ ناقل) اور امورِ آخرت ان میں
حنفیوں کے نزدیک اجماع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ امورِ غیبیہ میں اجتہاد اور رائے
کو کوئی دخل نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:-

”مسیح موعود کا آسمان سے اترنا محض جھوٹا خیال ہے۔ یاد رکھو کوئی
آسمان سے نہیں اترے گا۔ ہمارے سب مخالف جواب زندہ موجود ہیں وہ
تمام مریں گے اور کوئی اُن میں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں
دیکھے گا اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان میں سے بھی
کوئی آدمی عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی
اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی۔
تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی
گزر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ اب تک آسمان
سے نہ اُترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی
تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے
کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں

گے۔ اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔“

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 67)

مسئلہ ختم نبوت

جماعت احمدیہ کا اس بات پر ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی سورۃ الاحزاب کے مطابق خاتم النبیین ہیں اور یہ وصف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے سوا کسی اور نبی کو نہیں ملا۔

”مسح موعود علیہ السلام کے الہامات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے جیسا کہ لکھا ہے۔

صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ سَيِّدِ وَلَدِ آدَمَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ.

(تذکرہ صفحہ 60 مطبوعہ 2004ء)

ترجمہ: درود بھیج محمد اور آل محمد پر جو سردار ہے آدم کے بیٹوں کا اور خاتم الانبیاء ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

پس بانی سلسلہ احمدیہ کے متعلق اگر کوئی یہ کہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے تو اس کا یہ محض اتہام ہوگا جس کی تغلیط آپ کے الہامات اور وہ سینکڑوں حوالہ جات کرتے ہیں جن میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا ہے چنانچہ آپ ازالہ اوہام میں تحریر فرماتے ہیں:-

”ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد

رسول اللہ ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ

ہم بفضل و توفیق باری تعالیٰ اس عالم گزران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ

حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و خیر المرسلین ہیں۔

جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بہر تہہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہِ راست کو اختیار کر کے خدائے تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ (ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 169، 170)

پھر اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا:

عقیدہ کے رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدیت کی چادر پہنائی گئی۔ (کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 15، 16)

ان دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے کہ بانیء سلسلہ احمدیہ اور آپ کی جماعت خاتم النبیین کی آیت کی نص کی مصدق ہے نہ کہ مکذّب۔

خاتم النبیین کے معنی

آیت خاتم النبیین کے دو معنی ہیں۔

- 1- ایک معنی بلحاظ لغت و محاورہ عرب و سیاقِ کلام۔
- 2- دوسرے معنی وہ عربی معنی ہیں جو دراصل حقیقی لغوی معنی کو لازم ہیں۔

لازم المعنی کی وضاحت اور تعیین

فقہ حنفیہ کے جلیل القدر امام و محدث حضرت امام علی القاری یوں فرماتے ہیں:-

الْمَعْنَى أَنَّهُ لَا يَأْتِي نَبِيٌّ بَعْدَهُ يَنْسَخُ مِلَّتَهُ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِهِ.

(موضوعات کبیر صفحہ 59 مطبوعہ مطبع مجتہائی دہلی)

ترجمہ: (خاتم النبیین کے) معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کی ملت (شریعت) کو منسوخ کر دے اور آپ کی امت میں سے نہ ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نئی شریعت لانے والا نبی آ سکتا ہے جو پہلی شریعت کو منسوخ کرے اور نہ امت محمدیہ سے باہر عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں وغیرہ میں کوئی نبی آ سکتا ہے یہ معنی خاتمیت زمانی کہلاتے ہیں۔

وَلَمْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِهِ کے الفاظ میں اشارہ ہے کہ امت میں سے نبی کا ہونا آیت خاتم النبیین کے منافی نہیں۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کا یہ مفہوم ہوا کہ آپ آخری شارع اور آخری مستقل نبی ہیں ان معنی پر ساری اُمت کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری شارع نبی اور آخری مستقل نبی ہیں اور جماعت احمدیہ ان معنوں سے پورا اتفاق رکھتی ہے یہ معنی خاتم النبیین کے حقیقی لغوی معنی کو لازم ہیں۔

اہلسنت کے تمام فرقوں نے انہی معنوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانا ہے ان فرقوں میں سے کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق آخری نبی نہیں مانا۔ کیونکہ ان سب کا عقیدہ ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت نبی اللہ اور امتی کے نازل ہوں گے۔ چنانچہ اس عقیدہ کی نمائندگی میں امام علی القاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

لَا مُنَافَاةَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ نَبِيًّا وَأَنْ يَكُونَ مُتَابِعًا لِنَبِيِّنَا صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيَانِ أَحْكَامِ شَرِيعَتِهِ وَإِتْقَانِ طَرِيقَتِهِ
وَلَوْ بِالْوَحْيِ إِلَيْهِ كَمَا يُشِيرُ إِلَيْهِ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ
مُوسَى حَيًّا لَمَّا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي أَيُّ مَعَ وَصْفِ النُّبُوَّةِ وَالرَّسَالَةِ
وَالْأَمَعَ سَلْبَهُمَا فَلَا يُفِيدُ زِيَادَةَ الْمَزِيَّةِ.

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب)

ترجمہ : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہونے میں کوئی منافاة (تضاد) نہیں اس صورت میں کہ وہ آپ کی شریعت کے احکام بیان کریں۔ اور اس شریعت کی طریقت کو پختہ کریں خواہ وہ یہ کام اپنی وحی کے ذریعہ کریں جیسا کہ حدیث لَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا لَمَّا وَسِعَهُ إِلَّا اتَّبَاعِي (اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا) اس طرف اشارہ کر رہی ہے (کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نبی کا آنا ممنوع نہیں۔ ناقل) مراد اس حدیث سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ موسیٰ وصف نبوت اور رسالت کے ساتھ زندہ ہوتے ورنہ نبوت اور رسالت چھن جانے کے ساتھ (ان کا تابع ہونا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

پس جماعت احمدیہ اہل سنت کے تمام فرقوں سے اس بات میں اصولی طور پر متفق ہے کہ اُمتِ محمدیہ کا مسیح موعود نبی اللہ ہوگا۔ اگر اختلاف ہے تو اس پہلو میں کہ جماعت احمدیہ اور بعض اور لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آیت استخلاف کے الفاظ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: 56) کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُمتِ محمدیہ میں اصالتاً نہیں آسکتے بلکہ ان کا مثیل نبی اللہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہونے والا ہے اور یہ اختلاف جزوی ہے جن لوگوں پر وفاتِ مسیح کی حقیقت کھل جائے ان کو بالآخر ہمارے ساتھ اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ حدیثوں کا موعود عیسیٰ اُمتِ محمدیہ کا ایک فرد ہونا چاہئے۔

امام علی القاریؒ کی طرح حضرت بانی سلسلہ احمدیہ بھی فرماتے ہیں۔
 ”شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے اُمتی ہو۔“ (تجلیاتِ الہیہ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 412)

خاتم النبیین کے لغوی معنی

مفرداتِ راغب میں جو قرآن مجید کی مستند لغت ہے لفظ ختم کے نیچے لکھا ہے:-
 الْخَتْمُ وَالطَّبْعُ يُقَالُ عَلَى وَجْهَيْنِ مَصْدَرُ خَتَمْتُ وَطَبَعْتُ
 وَهُوَ تَأْيِيرُ الشَّيْءِ كَنَقْشِ الْخَاتَمِ وَالطَّابِعِ وَالثَّانِي الْأَثَرُ الْحَاصِلُ
 عَنِ النَّقْشِ وَيَتَجَوَّزُ بِذَلِكَ تَارَةً فِي الْأُسْتِثْقَاءِ مِنَ الشَّيْءِ
 وَالْمَنْعُ مِنْهُ إِغْتِبَارًا بِمَا يَحْصُلُ مِنَ الْمَنْعِ بِالْخَتْمِ عَلَى الْكُتُبِ
 وَالْأَبْوَابِ نَحْوُ خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ
 وَقَلْبِهِ وَتَارَةً فِي تَحْصِيلِ أَثَرٍ عَنْ شَيْءٍ إِغْتِبَارًا بِالنَّقْشِ الْحَاصِلِ
 وَتَارَةً يُعْتَبَرُ مِنْهُ بَلَوُغُ الْآخِرِ. وَمِنْهُ قِيلَ خَتَمْتُ الْقُرْآنَ أَيْ
 أَنْتَهَيْتُ إِلَى آخِرِهِ.

(مفرداتِ راغب مصنفہ امام راغب اصفہانی زیر لفظ ختم)

ترجمہ : ختم اور طبع کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت (جو حقیقی لغوی
 معنی کی صورت ہے) یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ مصدر ہیں اور ان کے معنی خاتم
 (مہر) کے نقش پیدا کرنے کی طرح تاثیر اشیاء ہیں۔ یعنی دوسری شے میں کسی
 شے کا اپنے اثرات پیدا کرنا) اور دوسری صورت ختم اور طبع کی اس نقش کی
 تاثیر کا اثر حاصل ہے اور یہ لفظ مجازاً کبھی تو ختم علی الکُتُبِ وَالْأَبْوَابِ
 (کتابوں اور بابوں پر مہر لگنے) کے لحاظ سے شے کی بندش اور روک کے
 معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے ختم اللہ علی قُلُوبِهِمْ وَخَتَمَ عَلَى
 سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ (میں) اس کا استعمال مجازی معنی میں ہوا ہے اور کبھی اس کے
 مجازی معنی نقش حاصل کے لحاظ سے کسی شے سے اثر پیدا کرانا ہوتے ہیں

(جیسے خَتَمَ الزَّرَاعَةَ جبکہ بیج ڈالنے اور پانی دینے پر کھیتی اُگ آئے اور کھیتی اس کے مجازی معنی آ خر کو پہنچنے کے ہوتے ہیں اور انہی معنی میں خَتَمْتُ الْقُرْآنَ کہا گیا ہے کہ میں تلاوتِ قرآن میں اس کے آخر تک پہنچ گیا۔
ماحصل اس کا یہ ہے کہ خَتَمَ اور طَبَعَ کے پہلے معنی جو تا شِیر لشیٰ اور اثر حاصل میں لغوی مصدری معنی ہیں اور باقی سارے معنی مجازی ہیں جن پر یُتَجَوَّزُ کا لفظ دلالت کرتا ہے۔ واضح رہے کہ اثر نقش حاصل بھی حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی معنی ہیں جن کے آگے تَخْصِیلُ اَثَرٍ عَنْ شَیْءٍ کے معنوں کا قیاس کیا گیا ہے اگر اثر نقش حاصل امام راغب کے نزدیک حقیقی معنی ہوتے تو ایک مجازی معنی کا ان پر قیاس نہ ہوتا۔

لفظ خَاتَمَ ، خَتَمَ سے اسم آلہ ہے اور خَاتِمَ اسم فاعل ہے خَاتَمَ کے معنی ہوں گے تا شِیر کا ذریعہ یا آلہ اور خَاتِمَ کے معنی ہوں گے تا شِیر کرنے والا۔ مآل دونوں معنوں کا مؤثر وجود ہوگا۔

جب اسے جمع کی طرف مضاف کیا جائے جیسے خاتم الاولیاء، خاتم الشعراء، خاتم الحکام وغیرہ تو معنی اس کے ہوں گے ایسا وجود جس کی تا شِیر سے اولیاء یا شعراء یا حاکم وجود میں آئیں۔ اس لحاظ سے خاتم النبیین کے بلحاظ لغتِ عربی و محاورہ زبان عربی معنی ہوں گے۔ ایسا نبی جس کی مہر یعنی تا شِیر سے انبیاء ظہور میں آئیں۔

ایسے نبی کیلئے ضروری ہے کہ وہ مرتبہ میں تمام انبیاء سے بڑھ کر ہو۔ ان معنی کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے آنحضرت ﷺ کی ذات میں تسلیم کر کے خاتمیت مرتبی قرار دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں

مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدّم یا تاخّر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔“ (تحذیر الناس صفحہ 3 مطبوعہ سرکار پریس سہارنپور)

صحیح معنی آپ کے نزدیک یہ ہیں:

”آ نحضرت ﷺ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہو جاتا ہے غرض جیسے آپ نبی اللہ ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی۔“

(تحذیر الناس صفحہ 4 مطبوعہ سرکار پریس سہارنپور)

پھر مولانا موصوف سیاق آیت اور لغت عربی کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاتم النبیین کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

”جیسے خَاتَم بفتح التاء کا اثر اور نقش مختوم علیہ میں ہوتا ہے ایسے موصوف بالذات (آ نحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا اثر موصوف بالعرض (دوسرے تمام انبیاء) میں ہوتا ہے۔ حاصل مطلوب آیہ کریمہ (وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ) اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوت معروفہ (جسمانی باپ ہونا) تو رسول اللہ صلعم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوت معنوی (روحانی باپ ہونا) امتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو فقط آیت خاتم النبیین شاہد ہے کیونکہ اوصاف معروض (مثلاً دیگر انبیاء کی نبوتیں) و موصوف بالعرض (مثلاً دیگر انبیاء) موصوف بالذات (مثلاً خاتم النبیین) کے فرع ہوتے ہیں۔ اور موصوف بالذات اوصاف عرضیہ کی اصل ہوتا ہے اور وہ اس کی نسل اور امتیوں کی

نسبت لفظ رَسُولُ اللّٰہِ میں غور کیجئے۔“

(تحذیر الناس صفحہ 10، 11 مطبوعہ سرکار پریس سہارنپور)

خاتم النبیین کے ان مرتبی معنوں کا نتیجہ مولانا موصوف یہ بیان کرتے ہیں۔
 ”ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا اس
 ہچمدان نے عرض کیا ہے تو سوارسول اللہ صلعم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق
 میں مماثل نبوی صلعم نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس صورت میں انبیاء کی افراد
 خارجی (انبیاء سابقین۔ ناقل) ہی پر آپؐ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی۔
 افراد مقدرہ (جن انبیاء کا آئندہ آنا تجویز کیا جائے۔ ناقل) پر بھی آپؐ کی
 افضلیت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا
 ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“

(تحذیر الناس صفحہ 28 مطبوعہ سرکار پریس سہارنپور)

استدلال:

خاتمیت محمدی، خاتمیت زمانی اور خاتمیت مرتبی دونوں کی جامع ہے۔
 خاتمیت مرتبی کا تقاضا یہ ہے کہ آئندہ بھی نبی پیدا ہو سکتا ہے اگر خاتمیت زمانی کے
 ان کے نزدیک یہ معنی ہوتے کہ آئندہ کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔ تو پھر وہ یہ فقرہ نہ
 لکھتے کہ تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ کیونکہ اس صورت میں تو
 خاتمیت زمانی ٹوٹ جاتی اور خاتمیت محمدی میں فرق آ جاتا اور مولانا کا یہ فقرہ محض
 جھوٹ قرار پاتا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں خاتم النبیین کے دو متضاد معنی
 پائے جانے کے قائل قرار پاتے جبکہ وہ دونوں معنی ایک دوسرے کے نفیض ہوتے۔
 چونکہ اجتماع النقیضین یا اجتماع الضدین محال ہے اس لئے خاتمیت زمانی مولانا
 کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق آخری نبی ہونے کا مفہوم نہیں رکھتی

بلکہ آخری شارع اور آخری مستقل نبی ہونے کا مفہوم رکھتی ہے اور اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نبی پیدا ہو سکتا ہے اس سے خاتمیت مرتبی بھی قائم رہتی ہے اور خاتمیت زمانی بھی اور اجتماع النقیضین لازم نہیں آتا جو محال ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ دُنْیٰ فَتَدُلُّی کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات کا نقطہء مرکزیہ قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

1۔ بجز ایک نقطہ مرکز کے اور جس قدر نقاطِ وتر ہیں ان میں دوسرے انبیاء و رسل و اربابِ صدق و صفا بھی شریک ہیں اور نقطہ مرکز اس کمال کی صورت ہے جو صاحبِ وتر کو بہ نسبتِ جمیع دوسرے کمالات کے اعلیٰ و ارفع و انھن و ممتاز طور پر حاصل ہے جس میں حقیقی طور پر مخلوق میں سے کوئی اس کا شریک نہیں ہاں اتباع و پیروی سے ظلی طور پر شریک ہو سکتا ہے۔ اب جاننا چاہئے کہ دراصل اسی نقطہ وسطی کا نام حقیقتِ محمدیہ ہے جو اجمالی طور پر جمیع حقائقِ عالم کا منبع و اصل ہے.....

غرض سرچشمہ رموزِ غیبی و مفتاحِ کنوزِ لاریبی اور انسانِ کامل دکھلانے کا آئینہ یہی نقطہ ہے اور تمام اسرارِ مبدء و معاد کی علتِ غائی اور ہر یک زیر و بالا کی پیدائش کی لُتِ یہی ہے جس کے تصور بالکُنہ و تصور بکنہ سے تمام عقول و افہام بشریہ عاجز ہیں اور جس طرح ہر یک حیاتِ خدائے تعالیٰ کی حیات سے مستفاض اور ہر یک وجود اس کے وجود سے ظہور پذیر اور ہر یک تعین اس کے تعین سے خلعت پوش ہے ایسا ہی نقطہء محمدیہ جمیع مراتبِ اکوان اور خطائرِ امکان میں باذنہ تعالیٰ حسب استعداداتِ مختلفہ و طبائعِ متفاوتہ مؤثر ہے۔ (سرمہ چشم آریہ روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 267 تا 271 حاشیہ)

اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام انبیاء و اولیاء بلکہ تمام کائنات کی علت غائی ہیں۔

نیز تحریر فرماتے ہیں:-

2- ”اللہ جلّ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔“ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 100 حاشیہ)

نیز تحریر فرماتے ہیں:-

”اور وہ خاتم الانبیاء بنے مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے بجز اس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا ہے..... سو خدا نے ان معنوں سے آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا لہذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی کہ جو شخص سچی پیروی سے اپنا امتی ہونا ثابت نہ کرے اور آپ کی متابعت میں اپنا تمام وجود محو نہ کرے ایسا انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پا سکتا ہے اور نہ کامل ملہم ہو سکتا ہے کیونکہ مستقل نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی تا انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو اور تا یہ نشان دنیا سے مٹ نہ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت نے قیامت تک یہی چاہا ہے کہ مکالمات اور مخاطبات الہیہ کے دروازے کھلے رہیں اور معرفت الہیہ جو مدارِ نجات ہے مفقود نہ ہو جائے۔“ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 29، 30)

بملاحظہ سیاقِ آیت خاتم النبیین تحریر فرماتے ہیں:

3۔ خدا تعالیٰ نے جس جگہ یہ وعدہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اسی جگہ یہ اشارہ بھی فرمادیا ہے کہ آنجناب اپنی روحانیت کی رُوسے اُن صلحاء کے حق میں باپ کے حکم میں ہیں جن کی بذریعہ متابعت تکمیلِ نفوس کی جاتی ہے اور وحی الہی اور شرف مکالمات کا اُن کو بخشا جاتا ہے جیسا کہ وہ جلّ شانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور خاتم الانبیاء ہے۔ اب ظاہر ہے کہ لَکِن کا لفظ زبانِ عرب میں استدراک کے لئے آتا ہے یعنی تدارکِ مافات کے لئے۔ سو اس آیت کے پہلے حصے میں جو امر فوت شدہ قرار دیا گیا تھا یعنی جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نفی کی گئی تھی وہ جسمانی طور سے کسی مرد کا باپ ہونا تھا سَوَلَّکِن کے لفظ کے ساتھ ایسے فوت شدہ امر کا اس طرح تدارک کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد براہِ راست فیوضِ نبوت منقطع ہو گئے اور اب کمالِ نبوت صرف اُسی شخص کو ملے گا جو اپنے اعمال پر اتباعِ نبوی کی مہر رکھتا ہوگا۔

(ریویو بر مباحثہ بئالوی وچکڑالوی روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 213، 214)

آیاتِ قرآنیہ خاتم النبیین کی تفسیر میں

قرآن مجید کی یہ شان ہے کہ وہ اپنی تفسیر آپ کرتا ہے لہذا جب آیت خاتم النبیین کی تفسیر آیاتِ قرآنیہ سے تلاش کی جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی

لغوی معنی میں بھی خاتم النبیین نظر آتے ہیں جنہیں مولانا محمد قاسم خاتمیت مرتبی قرار دیتے ہیں اور خاتمیت زمانی کے معنی بھی خاتمیت مرتبی کو لازم دکھائی دیتے ہیں۔

آیت قرآنیہ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (المائدة: 4) سے ظاہر ہے کہ اسلام ایک کامل شریعت ہے اور پھر شریعت قرآنیہ کے متعلق فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ (الحجر: 10) کہ بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

پس قرآنی شریعت کامل بھی ہے اور تاقیامت محفوظ بھی لہذا کوئی نئی شریعت لانے والا نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آ سکتا۔ آپ آخری شارع نبی ہیں اور یہ خاتمیت زمانی کے مفہوم کا پہلو ہے جو خاتم النبیین کے حقیقی معنی (نبیوں کیلئے مؤثر وجود) کو لازم ہے۔

خاتم النبیین کے حقیقی معنی از روئے قرآن کریم:

1: سورة الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے دُعا سکھائی ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ . صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ .

ترجمہ: ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام کیا نہ اُن کی راہ پر جن پر غضب نازل کیا گیا اور نہ گمراہوں کی راہ پر۔ استدلال:-

اس آیت میں مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّالِّينَ کے رستے سے بچنے کی دُعا سکھائی گئی ہے تاکہ ہم مغضوب اور ضال نہ بن جائیں اور انعام یافتہ لوگوں کے رستے پر چلنے کی دعا سکھائی گئی ہے تاکہ ہم بھی انعام یافتہ بن جائیں۔

انعام یافتہ خدا تعالیٰ کے نزدیک چار گروہ ہیں چنانچہ فرماتا ہے اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالشّٰهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔ (النساء: 70)
 اس آیت میں نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے چار گروہوں کو انعام یافتہ قرار دیا گیا ہے۔ پس اس دعا کے سکھانے میں ایک پیشگوئی مد نظر ہے کہ اُمتِ محمدیہ میں چاروں گروہ کے افراد پیدا ہو سکتے ہیں نبی بھی، صدیق بھی، شہید بھی اور صالح بھی۔

2. وَمَنْ يُطِيعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالشّٰهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْعًا ۚ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیْمًا۔

(النساء : 70، 71)

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین میں اور یہ لوگ بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ بہت جاننے والا ہے۔

استدلال:

اس آیت میں آئندہ نبی، صدیق، شہید اور صالح بننے کے لئے اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو شرط قرار دیا گیا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت کی چاروں نعمتیں آپ کی اطاعت سے وابستہ ہیں اور نبی، صدیق، شہید اور صالح بننے کے لئے آپ کی اطاعت شرط ہے گو یہ چاروں مرتبے ملتے خدا کے فضل سے ہی ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا مستقل نبی نہیں آ سکتا جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت شرط نہ ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی رو سے جہاں نبیوں کے آنے کے لئے مؤثر وجود قرار دیئے گئے ہیں وہاں آپ کی اطاعت کو شرط قرار دے کر مستقل اور شارع انبیاء کا انقطاع بھی بطور اشارۃ النص بیان کر دیا گیا ہے گویا اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتمیت مرتبی اور خاتمیت زمانی دونوں کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔ ہاں نبیوں کے لئے مؤثر وجود بطور عبارت النص اور آخری شارع اور آخری مستقل نبی ہونے کا ثبوت بطور اشارۃ النص بیان کیا گیا ہے۔

لفظ مَعَ :

لفظ مَعَ عربی زبان میں فی اور مِنْ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کا مفہوم اگلے گروہ میں شامل کرنا ہوتا ہے چنانچہ امام راغب الاصفہانی اپنی لغت مفردات القرآن میں فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّهِدِينَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أَيُّ اجْعَلْنَا فِي زُمْرَتِهِمْ أَيْ إِشَارَةً إِلَى قَوْلِهِ أُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ۔ (مفردات زیر لفظ كَتَبَ)

ترجمہ: فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّهِدِينَ کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں شاہدین کے زمرہ میں داخل کر دے اور شاہدین کے لفظ میں خدا کے قول أُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا کی طرف اشارہ ہے۔

گویا چاروں قسم کے مراتب پانے کا امت میں امکان ہے۔ نبی بھی، صدیق بھی، شہداء بھی اور صالحین بھی۔

قرآن مجید میں ذیل کی آیات میں لفظ مَعَ، مِنْ یا فِی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

1- وَتَوْفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ۔ (آل عمران: 194)

ہمیں ابرار کے زمرہ میں داخل کر کے وفات دینا۔

2- إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَهُمْ

نَصِيرًا. إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ

لِلَّهِ فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (النساء: 146، 147)

ترجمہ : بے شک منافق جہنم کی گہرائی کے سب سے نچلے حصہ میں ہوں گے

اور تو ہرگز کسی کو اُن کا مددگار نہیں پائے گا۔ سوائے ان منافقوں کے جنہوں

نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور اللہ کے ذریعہ حفاظت چاہی اور اپنی عبادت

کو اللہ کے لئے خالص کر دیا سو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں (یعنی

مومنوں میں شامل ہیں)

فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ بھی جملہ اسمیہ ہے پہلی آیت میں فَأُولَئِكَ

مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ بھی جملہ اسمیہ ہے جملہ اسمیہ استمرار پر دلالت کرتا

ہے اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح توبہ کرنے والے اسی دنیا میں مومنوں میں شامل

ہو جاتے ہیں اسی طرح اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے

اسی دنیا میں ان چاروں گروہوں میں سے کسی نہ کسی گروہ میں شامل ہوں گے۔ پس

اس جگہ نہ معیت مکانی مراد ہو سکتی ہے نہ معیت زمانی کیونکہ یہ اطاعت کرنے والے

اس دنیا میں نہ پہلے گزرے ہوئے نبیوں، صدیقوں شہیدوں اور صالحین کا زمانہ

پاسکتے ہیں اور نہ اس دنیا میں اُن کے ساتھ ایک جگہ اکٹھے ہو سکتے ہیں پس معیت

زمانی و مکانی تو اس جگہ محال ہے اور یہ بات قرینہ ہے کہ اس جگہ معیت فی الدرجہ مراد

ہے یعنی وہی درجہ پاتا مراد ہے۔

تفسیر بحر المحيط میں زیر آیت ہذا علامہ ابو حیان لکھتے ہیں:-
وَالظَّاهِرُ أَنَّ قَوْلَهُ مِنَ النَّبِيِّينَ تَفْسِيرٌ لِلَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ فَكَانَتْ قِيلَ مَنْ يُطِيعُ اللَّهَ وَالرَّسُولَ مِنْكُمْ الْحَقُّهُ اللَّهُ بِالَّذِينَ
قَدْ مَنَّهُمْ مِمَّنْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ.

(البحر المحيط. تفسیر سورة النساء: 69)

یہاں تک قول علامہ ابو حیان کا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔
یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول مِنَ النَّبِيِّينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ کی تفسیر ہے
گویا یہ کہا گیا ہے کہ جو تم میں سے اللہ اور رسول کی اطاعت کرے اللہ تعالیٰ نے اُسے
اُن لوگوں سے ملا دیا ہے جو انعام یافتہ لوگوں میں سے ان سے پہلے بھیجے۔
اس سے آگے امام راغب اصفہانی کا قول لکھتے ہیں:

قَالَ الرَّاعِبُ مِمَّنْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْفِرَقِ الْأَرْبَعِ فِي
الْمَنْزِلَةِ وَالْثَوَابِ النَّبِيُّ وَالنَّبِيُّ وَالصِّدِّيقُ وَالصِّدِّيقُ وَالشَّهِيدُ
بِالشَّهِيدِ وَالصَّالِحُ بِالصَّالِحِ.

(البحر المحيط. تفسیر سورة النساء: 69)

ترجمہ : راغب نے کہا ہے یعنی ان چار گروہوں میں درجہ اور ثواب میں
شامل کر دے گا جن پر اس نے انعام کیا ہے اس طرح کہ اللہ اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر کے نبی بننے والے کو نبی کے ساتھ شامل کر
دے گا اور اطاعت کر کے صدیق بننے والے کو صدیق کے ساتھ شامل کر دے
گا اور اسی طرح شہید کو شہید کے ساتھ ملا دے گا اور صالح کو صالح کے ساتھ ملا
دے گا۔

پس اگر اس آیت کا یہ مفہوم قرار دیا جائے کہ یہ اطاعت کرنے والے نبی نہیں بن سکتے تو چونکہ النَّبِيِّینَ اور الصَّادِقِیْنَ اور الشُّہَدَاءِ اور الصَّالِحِیْنَ ایک دوسرے کے ساتھ واو عاطفہ سے وابستہ ہیں۔ اس لئے معیت کا مفہوم چاروں کے لئے ایک ہی لینا پڑے گا۔ لہذا آیت کا مفہوم یہ بن جائے گا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والے نبی نہیں بن سکتے بلکہ صرف بظاہر نبیوں کے ساتھ ہوں گے۔ صدیق نہیں بن سکتے بلکہ بظاہر صدیقوں کے ساتھ ہوں گے۔ شہداء کا مرتبہ نہیں پاسکتے بظاہر شہیدوں کے ساتھ ہوں گے اور صالحین کا مرتبہ نہیں پاسکتے صرف بظاہر صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

ایسے معنی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ بزرگ کے منافی ہیں۔ کیونکہ اس طرح آیت کے یہ معنی بن جاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے کوئی آدمی نیک بھی نہیں بن سکتا صدیق، شہید تو کجا۔

اس آیت کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت کے چاروں درجے مل سکتے ہیں۔ نبوت کی نعمت قومی ہے اور صدیقیت، شہادت اور صالحیت شخصی افضال ہیں۔ نبوت کی نعمت قومی اس لئے ہے کہ نبی دنیا میں ضرورت پر آتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اس دنیا میں مقامِ نبوت نہ مل سکتا ہوتا بلکہ صرف صدیقیت، شہادت اور صالحیت کا مقام ہی حاصل ہو سکتا تو پھر خدا یوں فرماتا۔ اُولَئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصَّادِقِیْنَ وَالشُّہَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ۔

3۔ یَبْنَیْ اِذَا مَا یَأْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقْضُوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ

فَمَنْ اتَّقَى وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

(الاعراف : 36)

ترجمہ: اے بنی آدم! جب آئندہ تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں اور بیان کریں تم پر میری آیتیں تو جو لوگ تقویٰ اختیار کریں اور اپنی اصلاح کر لیں نہ انہیں آئندہ کے متعلق کوئی خوف ہوگا نہ وہ ماضی کے متعلق غمگین ہوں گے۔

استدلال:

لفظ يَتَّقِينَ پر نون تاکید رسولوں کے بھیجا جانے کو زمانہ مستقبل سے وابستہ کر رہا ہے اِمَّا حرف شرط تاکید کا فائدہ دے رہا ہے یہ خطاب آئندہ زمانہ کے بنی آدم کو ہے پہلی ساری آیات مستقبل کیلئے قرینہ ہیں چنانچہ ایک آیت میں ہے:

يَبْنِي آدَمُ خُذْ وَارِيزِنْتَكَوْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ۔ (الاعراف : 32)

ترجمہ: اے بنی آدم! ہر عبادت کے وقت زینت اختیار کرو (لباس پہن کر عبادت کرو) اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو کیونکہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

واضح ہو کہ عرب کے لوگ ننگے بدن طوافِ کعبہ کرتے تھے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ تفسیر اتقان میں لکھا ہے۔ هَذَا خِطَابٌ لِّأَهْلِ ذَلِكَ الزَّمَانِ وَلِكُلِّ مَنْ بَعْدَهُمْ کہ یہ خطاب اس زمانہ کے لوگوں کیلئے ہے اور ان لوگوں کے لئے بھی جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔ اس جگہ رسل کا لفظ عام مخصوص بالبعض ہے کیونکہ آیت وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ (النساء : 70) آئندہ رسول

کے لئے امتی ہونا شرط قرار دیتی ہے پس لفظ رُسُل اس آیت میں امتی نبی کیلئے مخصوص ہوگا۔

4۔ اَللّٰهُ يَضْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنْ النَّاسِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ۔
(الحج: 76)

ترجمہ : اللہ چُناتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور لوگوں میں سے بھی۔
یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سُننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔

استدلال:

اس آیت میں فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول بھیجے جانے کے متعلق
خدائی قانون بیان ہوا ہے وَلٰكِنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (خدائی سنت میں تم
ہرگز تبدیلی نہیں پاؤ گے۔)

يَضْطَفِيْ مضارع کا صیغہ ہے جو اس جگہ قانون بیان کرنے کی وجہ سے
استمرار تَجِدَ دی کا فائدہ دیتا ہے۔ مضارع کے معنی حال کے بھی ہوتے ہیں اور مستقبل
کے بھی۔

5۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّۦۨنَ لَمَّا اٰتٰیْکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَةٍ ثُمَّ
جَآءَکُمْ رَّسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُوْمِنَنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ۚ
قَالَ ؕ اَقْرَازُکُمْ وَاَخَذْتُکُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اٰصِرٰی ۚ قَالُوْۤا اَقْرَازُنَا ۚ قَالَ
فَاشْہَدُوْۤا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِيْنَ۔
(ال عمران: 82)

ترجمہ : یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا البتہ میں نے تم کو کتاب
اور حکمت دی ہے پس اگر کوئی رسول تمہاری تعلیمات کا مصدق تمہارے پاس
آئے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ خدا نے پوچھا کیا تم

اقرار کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

استدلال:-

اس آیت سے ظاہر ہے کہ ہر نبی سے قوم کی نمائندگی میں بعد میں آنے والے نبی کے متعلق ایمان لانے اور نصرت کرنے کے لئے عہد لیا گیا یا یہ عہد ہر نبی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ اسی قسم کا عہد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی لیا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَ مِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ
وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا - لِيَسْأَلَ
الصَّادِقِينَ عَنْ صَدْقِهِمْ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا -

(الاحزاب : 8، 9)

ترجمہ: یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے ان کا پختہ عہد لیا اور تجھ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام سے بھی اور ہم نے ان سب سے مضبوط عہد لیا تا کہ خدا تعالیٰ صادقوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے اور اس نے کافروں کیلئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی نبیوں والا عہد لیا گیا ہے تا مسلمان آئندہ آنے والے رسول پر ایمان لائیں اور اس کی مدد کریں۔

تفسیر حسینی میں ہے :-

وَإِذْ أَخَذْنَا يَادَكَرَا سَ كِه۔ لَآ هَم نَ مِ نَ النَّبِیِّ نَ یَغْمِرُ و سَ
مِ شَاقَهُ مَ عَ هِدْ اُنْ كَا ا سَ بَات پَر كِه خِدَا كِ عِبَادَت كَرِ یں ا و ر خِدَا كِ عِبَادَت كِ

طرف بلائیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کریں..... یا ہر ایک کو بشارت دیں اس پیغمبر کی کہ اُن کے بعد ہوں گے۔ اور یہ عہد پیغمبروں سے روزِ الست میں لیا تھا۔ وَمِنْكَ اور لیا ہم نے تم سے بھی عہد اے محمدؐ۔

(تفسیر حسینی اردو جلد 2 صفحہ زیر تفسیر سورۃ الاحزاب: 8)

6۔ وَمَا كُنَّا مَعْذِيْنٍ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل: 16)
ترجمہ :- خدا فرماتا ہے، ہم اُس وقت تک عذاب بھیجنے والے نہیں جب تک ہم رسول مبعوث نہ کریں۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ اِنْ مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مَعْذِبُوْهَا
عَذَابًا شَدِيْدًا ۚ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا۔

(بنی اسرائیل: 59)

ترجمہ: قیامت سے پہلے ہم ہر بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں یا سخت عذاب دینے والے ہیں۔ یہ امر کتاب (تقدیر الہی) میں مقرر ہے۔

استدلال:-

پہلی آیت سے ظاہر ہے کہ عذاب سے پہلے اتمامِ حجت کے لئے رسول کا آنا ضروری ہے اور دوسری آیت بتاتی ہے کہ قیامت سے پہلے عالمگیر عذاب آئے گا پس اس موقع پر ایک رسول کا آنا ضروری ثابت ہوتا حجت پوری ہو اور نافرمان لوگ یہ نہ کہہ سکیں رَبَّنَا لَوْ لَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَتُنْبِئَ اَيْتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى۔ (طہ: 135) یعنی اے ہمارے رب! تُو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوں۔

7- وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ
فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ
دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ - (النور: 56)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو لوگ تم میں سے ایمان لا کر نیک
عمل کریں گے وہ ضرور ان لوگوں کو خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا
جو ان سے پہلے گزر چکے اور ضرور ان کیلئے ان کا دین (خلافت کے ذریعہ)
مضبوط کرے گا۔

استدلال:-

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس اُمت کے خلفاء
پہلی اُمتوں میں گزرے ہوئے خلفاء کے مثل اور ان کے مشابہ ہوں گے۔ چونکہ
پہلے گزرے ہوئے خلیفے دو قسم کے ہوئے ہیں بعض نبی اور بعض غیر نبی لہذا اس
خلافت موعودہ منصوصہ میں بھی دونوں قسم کے خلفاء ہونے ضروری ہیں۔ غیر نبی
خلفاء تو خلفائے راشدین اور مجتہدین اُمت ہیں۔ مگر عیسیٰ موعود کو حدیث میں نبی اور
رسول بھی قرار دیا گیا ہے۔ اور اَلَا إِنَّهُ خَلِيفَتِي فِي أُمَّتِي کہہ کر اُمت میں سے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو المعجم الاوسط للطبرانی جز نمبر 5 من اسمہ عیسیٰ حدیث نمبر 4898)

اُمت میں امکانِ نبوت

از روئے حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

1- أَبُوبَكْرٍ أَفْضَلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَبِيًّا.
(کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق صفحہ 4)

ترجمہ: ابوبکر اس اُمت میں سب سے افضل ہیں بجز اس کے کہ کوئی نبی اُمت میں پیدا ہو۔

2- أَبُوبَكْرٍ خَيْرُ النَّاسِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَبِيًّا.
(الجامع الصغير للسيوطی علیہ الرحمۃ جلد 1 حرف الهمزہ صفحہ 11- دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

ترجمہ: ابوبکر (آئندہ کے لئے) سب لوگوں سے بہتر ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی پیدا ہو۔

استدلال:-

يَكُونُ کا مصدر کُونُ ہے جس کے معنی ہیں نیست سے ہست ہونا یا عدم سے وجود میں آنا حسب آیت-

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ. (یس: 83)

ترجمہ: خدا کا حکم تو ایسا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے کہتا ہے کُنْ (ہو جا) تو وہ نیست سے ہست ہو جاتی ہے۔

استدلال:-

إِلَّا أَنْ يَكُونُ نَبِيٌّ كَاسْتِثْنَاءِ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اُمت میں نبی پیدا ہونے کا امکان تھا اگر امکان نہ ہوتا تو استثناء کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ واضح رہے کہ اس حدیث میں كَانَ تَامَمَ ہے نہ کہ ناقصہ۔ اسی لئے نَبِيٌّ کا لفظ استعمال ہوا ہے نہ کہ نَبِيًّا۔ كَانَ تَامَمَ ہونا آئندہ نبی کے امکان پر روشن دلیل ہے۔

3- حدیث نبوی میں وارد ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خواہش کی انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا نبی بنا دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے خدا کے حضور عرض کی۔

اجْعَلْنِي نَبِيًّا تِلْكَ الْأُمَّةِ. ”مجھے اس اُمت کا نبی بنا دیجئے“
خدا تعالیٰ نے جواب میں فرمایا:-

نَبِيُّهَا مِنْهَا

کہ اس اُمت کا نبی اس اُمت میں سے ہی ہوگا۔

پس اُمتِ محمدیہ میں نہ موسیٰ علیہ السلام بطور امتی نبی کے آسکتے ہیں نہ عیسیٰ علیہ السلام بلکہ صرف اُمت میں سے ہی نبی ہونے کا امکان بیان کیا گیا ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے کفایۃ اللیب فی خصائص الجیب المعروف بالخصائص الکبریٰ۔ مرتبہ امام جلال الدین السیوطی بروایت حضرت انس بن مالکؓ نیز المواہب اللدنیہ للقسطلانی صفحہ 425)
اس حدیث کو مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی نشر الطیب کے صفحہ 262 پر درج کیا ہے اور ترجمان السنۃ میں مولوی بدر عالم میرٹھی نے اسے درج کر کے اس کی توثیق کی ہے کتاب الرحمة المہدۃ میں بھی یہ حدیث آئی ہے۔ (صفحہ 338)

4- حدیث نبوی میں اپنے بیٹے صاحبزادہ ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں فرمایا:

لَوْعَاشَ (إِبْرَاهِيمُ) لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا.

(ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الصلاة علی ابن رسول اللہ)

ترجمہ: اگر ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور سچا نبی ہوتا۔

یہ فقرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا جبکہ اس سے پانچ سال پہلے آیت خاتم النبیین نازل ہو چکی تھی اس فقرہ سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آیت خاتم النبیین صاحبزادہ ابراہیم کے بالفعل نبی بننے میں روک نہ تھی۔ بلکہ صاحبزادہ موصوف کی وفات ان کے بالفعل نبی بننے میں روک ہوئی۔ اگر آیت خاتم النبیین اُن کے نبی بننے میں روک ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس فقرہ کی بجائے یہ فرماتے:

لَوْعَاشَ إِبْرَاهِيمُ لَمَا كَانَ نَبِيًّا لِأَنِّي خَاتَمُ النَّبِيِّينَ.

یعنی اگر ابراہیم زندہ بھی ہوتا تو بھی نبی نہ ہوتا کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فقرہ لَوْعَاشَ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا۔ ظاہر کرتا ہے کہ آیت خاتم النبیین ان کے نبی بننے میں روک نہ تھی۔ دیکھئے اگر بالفرض یونیورسٹی ایم۔ اے کا امتحان بند کر دے اور ایک شخص کا لائق لڑکا بی۔ اے تک پہنچ جائے اور وفات پا جائے تو اس وقت اس کا باپ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہتا تو وہ ایم۔ اے ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ فقرہ جھوٹ بن جاتا کیونکہ اگر وہ زندہ بھی رہتا تو ایم۔ اے نہ ہو سکتا۔ پس مخبر صادق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقرہ بھی اسی وجہ سے صحیح قرار پاتا ہے کہ خاتم النبیین کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے نزدیک نبی کا آنا ممکن تھا اور آیت خاتم النبیین آپ کے ماتحت نبی کے آنے میں روک نہ تھی۔

حدیث کی صحت وقوت

بعض لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دے کر رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور بعض نے اس کے یہ معنی لے کر کہ گویا صاحبزادہ ابراہیم اسی لئے فوت ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا تھا۔ ان معنی میں اسے قبول کیا ہے۔ حضرت امام علی القاریؒ ان لوگوں کے خیالات کو رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

لَوْ عَاشَ وَصَارَ نَبِيًّا وَكَذَلِكَ وَصَارَ عُمَرُ نَبِيًّا لَكُنَّا مِنْ أَتْبَاعِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

ترجمہ: اگر صاحبزادہ ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے اور اسی طرح اگر حضرت عمرؓ نبی ہو جاتے تو وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے ہوتے۔

یہ لکھ کر آگے اس اعتراض کا جواب کہ کیا ان کا نبی ہو جانا خاتم النبیین کے خلاف نہ ہوتا یوں دیتے ہیں۔

فَلَا يُنَاقِضُ قَوْلُهُ تَعَالَى خَاتَمَ النَّبِيِّينَ إِذَا الْمَعْنَى أَنَّهُ لَا يَأْتِي نَبِيٌّ بَعْدَهُ يَنْسَخُ مِلَّتَهُ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِهِ .

(موضوعات کبیر صفحہ 58، 59 مطبوعہ مطبع مجتہبانی دہلی)

ترجمہ: صاحبزادہ ابراہیم کا نبی ہو جانا آیت خاتم النبیین کے خلاف اس لئے نہ ہوتا کیونکہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں سے نہ ہو۔

(گویا امت محمدیہ میں نبی ہونے میں آیت خاتم النبیین مانع نہیں۔ دوسری امتوں میں نبی ہونے میں مانع ہے یا شارع نبی کے آنے میں مانع ہے۔)

ضعفِ روایت کی تردید

ضعفِ روایت کی تردید میں لکھتے ہیں۔

لَهُ طُرُقٌ ثَلَاثَةٌ يُقْوَى بِبَعْضِهَا بِبَعْضٍ.

(موضوعات کبیر صفحہ 58 مطبوعہ مطبع مجتہانی دہلی)

کہ یہ حدیث تین طریقوں سے مروی ہے جو آپس میں ایک دوسرے کو قوت دے رہے ہیں۔

نیز اوپر کے معنی کو مد نظر رکھتے ہوئے جن سے امکان نبوت ثابت ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

يُقْوَى حَدِيثُ لَوْ كَانَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ حَيًّا لَمَّا وَسِعَهُ إِلَّا

اِتِّبَاعِي. (موضوعات کبیر صفحہ 59 مطبوعہ مطبع مجتہانی دہلی)

یعنی ان معنی کو قوت وہ حدیث بھی دے رہی ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتا تو اُسے میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

بعض نے راوی ابن ابی شیبہ کو ضعیف قرار دے کر اس حدیث کو رد کرنے کی کوشش کی، لیکن تہذیب التہذیب اور اکمال الاکمال میں اس راوی کے متعلق لکھا ہے:

قَالَ يَزِيدُ ابْنُ هَارُونَ مَا قَضَى رَجُلٌ أَعْدَلَ فِي الْقَضَاءِ مِنْهُ

وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ لَهُ أَحَادِيثٌ صَالِحَةٌ وَهُوَ خَيْرٌ مِنْ أَبِي حَيَّةٍ.

(تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ 35)

ترجمہ : ”ابن ہارون نے کہا ہے کہ راوی ابن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان عیسیٰ سے بڑھ کر کسی نے قضاء میں عدل نہیں کیا اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی احادیث اچھی ہیں اور وہ ابی حییہ سے بہتر راوی ہے۔

ابی حییہ کے متعلق لکھا ہے:

”وَتَقَّةٌ دَارُ قُطْنِيٍّ وَقَالَ النَّسَائِيُّ ثَقَّةٌ.“

(تہذیب التہذیب جلد 1 صفحہ 13)

ترجمہ : دارقطنی نے ابی حییہ کو ثقہ راوی قرار دیا ہے اور نسائی بھی اسے ثقہ کہتے ہیں۔

بیضاوی کے حاشیہ الشہاب علی البیضاوی میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:-

أَمَّا صِحَّةُ الْحَدِيثِ فَلَا شُبْهَةَ فِيهَا.

ترجمہ: لیکن اس حدیث کی صحت میں شبہ نہیں۔

نووی نے اس حدیث کو باطل قرار دیا تھا لیکن علامہ شوکانی نووی کے خیال کو یہ کہہ کر رد کرتے ہیں:

هُوَ عَجِيبٌ مِنَ النَّوَوِيِّ مَعَ رُودِهِ عَنْ ثَلَاثَةِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَكَانَهُ لَمْ يَظْهَرْ لَهُ تَأْوِيلُهُ.

(الفوائد المجموعہ صفحہ 141)

ترجمہ: نووی کا اس حدیث کو باطل قرار دینا حیران کن بات ہے باوجودیکہ یہ حدیث تین صحابہ سے وارد ہوئی ہے (گویا تین صحابہ کے طریق سے ثابت ہے) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نووی پر اس کی تاویل نہیں کھلی۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث تعلیق بالمحال کے طور پر ہے اور حرف لُو سے یہ مسئلہ فرضی طور پر بیان کیا گیا ہے۔

الجواب

یہ تو ٹھیک ہے کہ مسئلہ فرضی طور پر بیان ہوا ہے لیکن امر محال کو فرض نہیں کیا گیا بلکہ امر ممکن کو فرض کیا گیا ہے اور صاحبزادہ ابراہیم کا نبی ہونا زندگی کی شرط نہ پایا جانے کی وجہ سے محال قرار دیا گیا ہے ورنہ اپنی ذات میں امتی نبی کا ہونا آیت خاتم النبیین کے منافی نہیں جیسا کہ امام علی القاریؒ نے بیان کیا ہے۔ بے شک آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء: 23) میں آلہۃ کا ہونا محال ہے اور آیت میں تعلیق بالمحال کی صورت ہے۔ اسی طرح لَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الانعام: 89) میں انبیاء سے شرک سرزد نہ ہونے کی وجہ سے تعلیق بالمحال نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول آیت قرآنیہ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَسُّوْهُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ (البقرة: 104) کی طرح ہے یعنی اگر یہود ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ان کے لئے بہتر ثواب ہوتا۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ وہ ایمان نہیں لائے اس لئے ثواب سے محروم ہیں۔ ورنہ ان کے ایمان نہ لانے سے دوسرے ایمان لانے والے ثواب سے محروم نہیں پس اپنی ذات میں ثواب پانے کا امکان ہے لیکن اس آیت میں یہودیوں کیلئے جو ایمان نہ لائیں بہتر ثواب پانا محال قرار دیا گیا ہے اسی طرح حدیث ہذا کی رو سے اپنی ذات میں آنحضرت ﷺ کے بعد امتی نبی کا ہونا آیت خاتم النبیین کے منافی نہیں بلکہ ممکن ہے اور صاحبزادہ ابراہیم کی زندگی کے محال ہونے پر ان کیلئے بالفعل نبی ہونا محال قرار دیا گیا ہے نہ اپنی ذات میں۔

5۔ احادیث نبویہ سے ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ نے درود بھیجنے کا طریق یہ بتایا ہے:-

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ - اَللّٰهُمَّ
بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ
وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

ترجمہ: اے اللہ! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمت بھیج جس طرح تُو نے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل پر رحمت بھیجی۔ بیشک تُو تعریف کیا گیا اور بزرگ شان والا ہے اور اے اللہ تو محمد رسول اللہ اور آپ کی آل کو برکت دے جس طرح تُو نے ابراہیم اور اُن کی آل کو برکت دی۔ بے شک تُو تعریف کیا گیا اور بزرگ شان والا ہے۔

استدلال:-

چونکہ آلِ ابراہیم کو ولایت، امامت اور نبوت کی برکات سے حصہ ملتا رہا اس لئے ضروری ہے کہ درود شریف کی دُعا کی برکت سے آلِ محمد کو بھی ولایت، امامت اور نبوت سے حصہ ملتا رہے۔

آل سے مراد تبعین بھی ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں۔

وَاعْلَمُ اَنَّ اِلَ الرَّجُلِ فِيْ لُغَةِ الْعَرَبِ هُمْ خَاصَّتُهُ الْاَقْرَبُونَ
اِلَيْهِ وَخَاصَّةُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْهَمُّ هُمُ الصّٰلِحُونَ الْعُلَمَاءُ بِاللّٰهِ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ.

(فتوحات مکیہ جلد اول صفحہ 545 مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ: جان لو کہ عربی زبان میں ایک آدمی کی آل سے مراد اُس کے خاص اقارب ہوتے ہیں اور انبیاء کے خواص اور اُن کی آل مومنوں میں سے علماء صالحین ہوتے ہیں۔

درد شریف کی تشریح میں شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں:-

فَكَانَ مِنْ كَمَالِ رَسُولِ اللَّهِ أَنْ الْحَقَّ اللَّهُ بِالْأَنْبِيَاءِ فِي الرُّتْبَةِ وَزَادَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ بَأْنَ شَرْعَهُ لَا يُنْسَخُ.

ترجمہ: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے کہ آپ نے دُرود شریف کی دعا کے ذریعہ اپنی آل کو رتبہ میں انبیاء سے ملا دیا اور حضرت ابراہیمؑ سے بڑھ کر آپ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کی شریعت منسوخ نہ ہوگی۔
پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

قَطَعْنَا أَنْ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ مَنْ لَحِقَتْ دَرَجَتُهُ دَرَجَةُ الْأَنْبِيَاءِ فِي النَّبُوَّةِ عِنْدَ اللَّهِ لَا فِي التَّشْرِيعِ.

(فتوحات مکبہ جلد اول صفحہ 569، 570 مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ: ہم نے دُرود شریف سے قطعی طور پر جان لیا ہے کہ اس اُمت میں وہ شخص بھی ہیں جن کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبوت میں انبیاء سے مل گیا ہے نہ کہ شریعت لانے میں۔

6- نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

وَأَشَوْقَاهُ إِلَى إِخْوَانِي الَّذِينَ يَأْتُونَ بَعْدِي.

(الانسان الكامل جلد 2 صفحہ 85 مطبوعہ مصر)

اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ آنے والی اُمت کو جس نے آپ کو نہیں دیکھا۔ بھائی قرار دیتے ہوئے اُن کے متعلق

اشتیاق کا اظہار فرمایا ہے سید عبدالکریم جیلانی علیہ الرحمۃ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:-

فَهَؤُلَاءِ أَنْبِيَاءُ الْأَوْلِيَاءِ يُرِيدُ بِذَلِكَ نُبُوَّةَ الْقُرْبِ وَالْإِعْلَامِ
وَالْحَكْمِ الْإِلَهِيِّ لَا نُبُوَّةَ التَّشْرِيعِ لِأَنَّ نُبُوَّةَ التَّشْرِيعِ انْقَطَعَتْ
بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(الانسان الكامل جلد 2 صفحہ 85 مطبوعہ مصر)

ترجمہ: یہ اخوان انبیاء الاولیاء ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نُبُوَّة الْقُرْبِ وَالْإِعْلَامِ وَالْحَكْمِ الْإِلَهِيِّ مراد لیتے ہیں (یعنی وہ نبوت جو قرب الہی کا درجہ ہے اور جس میں اخبارِ غیبیہ اور الہی حکمتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ ناقل) نہ کہ تشریحی نبوت کیونکہ تشریحی نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہوگئی ہے۔

7۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ سَيِّدَا كَهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ
وَالْآخِرِينَ إِلَّا النَّبِيَّ وَالْمُرْسَلِينَ.

(مشکوٰۃ . کتاب المناقب باب مناقب قریش و ذکر القبائل)

ترجمہ: ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں جنت کے ادھیر عمر والے آدمیوں میں سے سب پہلوں اور پچھلوں کے سردار ہیں سوائے نبیوں اور رسولوں کے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ جیسے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے پہلے لوگوں میں انبیاء اور مرسلین آئے جن سے انہیں افضل قرار نہیں دیا گیا اسی طرح ان سے پچھلوں میں بھی کسی نبی اور مرسل کا آنا مقدر تھا۔ تب ہی انہیں اُن سے پیچھے آنے والے نبیوں اور مرسلین سے افضل قرار نہیں دیا گیا۔

مسیح موعود کا نبی اللہ اور امتی ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بروایت حضرت ابوبکرؓ سے ثابت ہے چنانچہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

أَلَا إِنَّهُ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ وَلَا رَسُولٌ وَلَا إِنَّهُ خَلِيفَتِي فِي أُمَّتِي.

(المعجم الاوسط للطبرانی جزء 5 من اسمه عيسى حديث نمبر 4898)
ترجمہ: سُن لو! میرے اور مسیح موعود کے درمیان کوئی نبی نہیں اور سُن لو کہ وہ میری امت میں میرا خلیفہ ہے۔

انقطاع نبوت والی احادیث کا مفہوم

از روئے اقوال بزرگان

تمام آیات قرآنیہ جو مذکورہ ہوئیں اور احادیث نبویہ جو امت میں امتی نبی کے امکان پر روشن دلیل ہیں۔ ان کے علاوہ جن حدیثوں میں نبوت کے منقطع ہونے یا لا نَبِیَّ بَعْدِی کے الفاظ وارد ہیں۔ وہ صرف یہ محدود مفہوم رکھتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی تشریحی اور مستقل نبی نہیں آ سکتا نہ یہ کہ کوئی امتی نبی بھی نہیں آ سکتا بلکہ اپنے بعد مسیح موعود کے امتی نبی اللہ ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خبر دی ہے اور کسی حدیث میں نہیں فرمایا کہ امتی نبی بھی نہیں آ سکتا۔ بلکہ جیسا کہ مذکورہ ہوا حضرت انسؓ والی روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمادیا نَبِیُّهَا مِنْهَا کہ اس کا نبی امت میں سے ہوگا۔

واضح ہوا لا نَبِیَّ بَعْدِی کا یہ مفہوم لینا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا یا کوئی نبی نہیں آئے گا۔ محققین علماء کے نزدیک درست نہیں بلکہ محققین کے نزدیک حدیث لا نَبِیَّ بَعْدِی کے یہ معنی لئے گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شارع نبی نہیں آئے گا چنانچہ امام علی القاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَرَدَ لَا نَبِیَّ بَعْدِی مَعْنَاهُ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ لَا یَحْدُثُ بَعْدَهُ نَبِیٌّ بِشَرْعٍ یَنْسَخُ شَرْعَهُ .

(الاشاعة فی اشرط الساعة صفحہ 149 . دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ : حدیث میں لا نَبِیَّ بَعْدِی کے جو الفاظ آئے ہیں اس کے

معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ کوئی نبی ایسی شریعت کو لے کر پیدا نہیں ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرتی ہو۔

نواب نور الحسن خان ابن نواب صدیق حسن لکھتے ہیں:-

حدیث لَا وَحْیَ بَعْدَ مَوْتِیْ بے اصل ہے البتہ لَا نَبِیِّ بَعْدِیْ آیا ہے اس کے معنی نزدیک اہل علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہیں لاوے گا۔ (التراب الساعۃ صفحہ 162)

حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:-

قُولُوا خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَلَا تَقُولُوا لَا نَبِیَّ بَعْدَهُ .

(درمنثور تفسیر سورة الاحزاب: 42)

اور دوسری جگہ یوں مروی ہے:

قُولُوا اِنَّهُ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُولُوا لَا نَبِیَّ بَعْدَهُ

(تکملہ مجمع البحار جلد 4 صفحہ 85 مطبوعہ مطبع نول کشور آگرہ)

ترجمہ: اے لوگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یا بروایت دیگر خاتم الانبیاء تو کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت اُمّ المؤمنینؓ نے لَا نَبِیَّ بَعْدَهُ کہنے سے اس لئے منع فرمایا کہ تا اُمت غلط معنوں پر قائم نہ ہو جائے کیونکہ ان الفاظ کا محل وقوع مختلف حدیثوں میں یہ ظاہر کرنے کے لئے نہیں آیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلق کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

نوٹ: تفسیر درمنثور سے ظاہر ہے کہ اس روایت کی تخریج ابن ابی شیبہ محدث نے حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کی ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں امام محمد طاہر علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے:

هَذَا نَاطِرٌ إِلَى نُزُولِ عِيسَى وَهَذَا أَيْضًا لَا يُنَافِي حَدِيثَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي لِأَنَّهُ أَرَادَ لَا نَبِيَّ يَنْسَخُ شَرْعَهُ.

(حکملہ مجمع البحار صفحہ 85 مطبوعہ مطبع نول کشور آگرہ)

ترجمہ : حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول عیسیٰ کے نزول کے پیش نظر ہے اور یہ قول حدیث لا نَبِيَّ بَعْدِي کے بھی خلاف نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد لا نَبِيَّ بَعْدِي سے یہ تھی کہ کوئی نبی آپ کی شریعت کو نسخ کرنے والا نہیں آئے گا۔

نوٹ: حضرت ام المومنین کا یہ قول اگر بالفرض نزول عیسیٰ کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے بھی ہو تو یاد رہے کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کی قائل تھیں جیسا کہ مستدرک میں ان سے روایت ہے:-

إِنَّ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِينَ وَمِائَةَ سَنَةً.

(دیکھو حجج الکرامہ صفحہ 428)

کہ عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال زندہ رہے۔

پس وہ عیسیٰ کے بروزی نزول کی قائل ہی سمجھی جاسکتی ہیں نہ اصالتاً نزول کی کیونکہ وہ قرآن مجید خوب جانتی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے
فَيَمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر: 43) کہ جس نفس پر موت وارد ہو جائے اسے خدا دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجتا۔

الشیخ الاکبر حضرت محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ حدیث لا نَبِيَّ بَعْدِي کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:-

لَمَّا ارْتَفَعَتِ النُّبُوَّةُ بِالْكَلِّيَّةِ وَلِهَذَا قُلْنَا إِنَّمَا ارْتَفَعَتْ نُبُوَّةُ

التَّشْرِيعُ فَهَذَا مَعْنَى لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ..

(فتوحات مکیہ جلد 2 صفحہ 58 مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ: نبوت کلی طور پر بند نہیں ہوئی اس لئے ہم نے کہا صرف تشریحی نبوت بند ہوئی ہے پس لَا نَبِيَّ بَعْدِي کے یہی معنی ہے۔

نیز تحریر فرماتے ہیں:-

إِنَّ النُّبُوَّةَ الَّتِي انْقَطَعَتْ بِوُجُودِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا هِيَ نُبُوَّةُ التَّشْرِيعِ لَا مُقَامُهَا فَلَا شَرْعَ يَكُونُ نَاسِخًا لِشَرْعِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَزِيدُ فِي حُكْمِهِ شَرْعًا آخَرَ وَهَذَا مَعْنَى قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ أَيْ لَا نَبِيَّ يَكُونُ عَلَى شَرْعٍ يُخَالِفُ شَرْعِي بَلْ إِذَا كَانَ يَكُونُ تَحْتَ حُكْمِ شَرِيعَتِي.

(فتوحات مکیہ جلد 2 صفحہ 3 مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ: وہ نبوت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے منقطع ہوئی ہے وہ صرف تشریحی نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت۔ پس اب کوئی شرع نہ ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع کی ناسخ ہو اور نہ آپ کی شرع میں کوئی نیا حکم بڑھانے والی شرع ہوگی اور یہی معنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے ہیں کہ رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ نبی۔ یعنی مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے یہ ہے کہ اب ایسا نبی کوئی نہیں ہوگا جو میری شریعت کے مخالف شریعت پر ہو۔ بلکہ جب کبھی کوئی نبی ہوگا تو وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت ہوگا۔

اس ماتحت نبوت کو شیخ اکبر علیہ الرحمۃ مخلوق میں قیامت تک کیلئے جاری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَالنُّبُوَّةُ سَارِيَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فِي الْخَلْقِ وَإِنْ كَانَ التَّشْرِيعُ
قَدْ انْقَطَعَ فَالتَّشْرِيعُ جُزْءٌ مِّنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ.

(فتوحاتِ مکیہ جلد 2 صفحہ 73)

ترجمہ: نبوت مخلوق میں قیامت تک جاری ہے اگرچہ شریعت کالانا منقطع ہو گیا۔ پس شریعت کالانا نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

امام شعرانی لکھتے ہیں:-

اعْلَمْ. أَنَّ مُطْلَقَ النُّبُوَّةِ لَمْ يَرْتَفِعْ وَ إِنَّمَا ارْتَفَعَ نُبُوَّةُ
التَّشْرِيعِ.

(الیواقیت والجواهر جلد 2 صفحہ 24 مطبوعہ مطبع منشی نول کشور آگرہ)

ترجمہ: یاد رکھو کہ مطلق نبوت نہیں اٹھی، صرف شریعت والی نبوت اٹھ گئی ہے۔

پھر وہ لکھتے ہیں:-

فَلَا تَخْلُوا الْأَرْضَ مِنْ رَسُولٍ حَتَّى بِجِسْمِهِ إِذْ هُوَ قُطْبُ
الْعَالَمِ الْإِنْسَانِيِّ وَلَوْ كَانُوا فِي الْعَدَدِ أَلْفَ رَسُولٍ فَإِنَّ الْمَقْصُودَ
مِنْ هَؤُلَاءِ هُوَ الْوَاحِدُ.

(الیواقیت والجواهر بحث نمبر 45 جلد 2 صفحہ 80، 81 مطبوعہ مطبع منشی نول کشور آگرہ)

ترجمہ: زمین کبھی مجسم زندہ رسول سے خالی نہ رہے گی خواہ ایسے رسول شمار میں ہزار ہوں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم انسانی کے قطب ہیں اور ان رسولوں سے مقصود خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی واحد شخصیت

ہے (یعنی ان رسولوں کی آمد ظلی طور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی آمد ہے)۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

فَمَا زَالَ الْمُرْسَلُونَ وَلَا يَزَالُونَ فِي هَذِهِ الدَّارِ لَكِنْ مِنْ
بَاطِنِيَّةٍ شَرَعَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنْ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُونَ. (اليواقيت والجواهر جلد 2 مبحث نمبر 45 صفحہ 81)

ترجمہ: پہلے بھی مرسلین دنیا میں رہے اور آئندہ بھی اس دنیا میں رہیں گے لیکن یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی باطنیت سے ہوں گے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی سے مرسل بنیں گے) لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں۔

عارف ربانی حضرت عبدالکریم جیلانیؒ لکھتے ہیں:

فَانْقَطَعَ حُكْمُ نُبُوَّةِ التَّشْرِيعِ بَعْدَهُ وَكَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ لِأَنَّهُ جَاءَ بِالْكَمَالِ وَلَمْ يَجِءْ أَحَدٌ
بِذَلِكَ. (الانسان الكامل جلد 1 صفحہ 69 مطبوعہ مصر)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریحی نبوت کا حکم منقطع ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین قرار پائے کیونکہ آپ ایسی کامل شریعت لے کر آئے جو کوئی اور نبی نہیں لایا۔

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں:

مگر گن در راہ نیکو خدمتے

تانبوت یابی اندر اُمتے

(مثنوی مولانا رومؒ دفتر پنجم صفحہ 57 مطبوعہ الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور)

ترجمہ: نیکی کی راہ میں خدمت کی ایسی تدبیر کر کہ تجھے اُمت کے اندر نبوت مل جائے۔

خاتم کے معنی یوں بیان کرتے ہیں:-

بہر ایں خاتم شد است او کہ بجود
مثل او نے اود نے خواہند بود

(مشنوی مولانا روم دفتر ششم صفحہ 30 مطبع الفیصل اردو بازار لاہور)

ترجمہ: یعنی آپ خاتم اس لئے ہوئے ہیں کہ فیض روحانی کی بخشش میں آپ کی مثال نہ کوئی نبی پہلے ہوا ہے اور نہ ایسا آئندہ ہوگا۔
پھر فرماتے ہیں:-

چونکہ در صنعت برد استاد دست
تو نہ گوئی ختم صنعت بر تو است

ترجمہ: جب کوئی استاد صنعت اور دستکاری میں دوسروں سے سبقت لے جاتا ہے تو کیا اے مخاطب! تو یہ نہیں کہتا کہ تجھ پر صنعت و دستکاری ختم ہے (یعنی تجھ جیسا کوئی صنعت گر اور دستکار نہیں)۔

پس آپ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین فیض نبوت پہنچانے کے لحاظ سے ہیں نہ کہ فیض نبوت بند کرنے کے لحاظ سے۔

حضرت ولی اللہ شاہ محدث دہلوی و مجتہد صدی دوازدهم تحریر فرماتے ہیں:-

1- خَتَمَ بِهِ النَّبِيُّونَ اَيُّ لَا يُوجَدُ بَعْدَهُ مَنْ يَأْمُرُهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ
بِالتَّشْرِيعِ عَلَى النَّاسِ - (تفهيمات الهيه جلد 2 صفحہ 85)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبی اس طرح ختم کئے گئے ہیں کہ ایسا شخص نہیں پایا جائے گا جسے اللہ لوگوں پر نئی شریعت دے کر مامور کرے۔

پھر فرماتے ہیں:

ب. اِمْتَنَعَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ مُسْتَقِلٌّ بِالتَّلَقُّی.

(الخير الكثير صفحہ 266 مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل بال تلقی (یعنی شارع نبی) نہیں آ سکتا۔

ج۔ حدیث نبوی لَمْ يَتَّقِ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں۔

لَاَنَّ النُّبُوَّةَ تَنْجِزِي وَجُزْءٌ مِنْهَا بَاقٍ بَعْدَ خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ.

(المسوی شرح مؤطا امام مالک جلد 2 صفحہ 216 مطبوعہ دہلی)

ترجمہ: نبوت قابل تقسیم ہے اور نبوت کی ایک جزء (قسم) حضرت خاتم الانبیاء کے بعد باقی ہے۔

مسح موعود کی شان میں لکھتے ہیں:

يَزْعُمُ الْعَامَّةُ أَنَّهُ إِذَا نَزَلَ فِي الْأَرْضِ كَانَ وَاحِدًا مِنَ الْأُمَّةِ
كَلَّا بَلْ هُوَ شَرَحٌ لِّلْأَسْمِ الْجَامِعِ الْمُحَمَّدِيِّ وَنُسْخَةٌ مُنْتَسِخَةٌ
مِّنْهُ فَشَتَانٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحَدٍ مِنَ الْأُمَّةِ.

(الخير الكثير صفحہ 237 مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی)

ترجمہ: عوام یہ گمان کرتے ہیں کہ مسح موعود جب زمین کی طرف نازل ہوگا تو اس کی حیثیت محض ایک امتی کی ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو اسم جامع محمدی کی پوری تشریح اور اس کا دوسرا نسخہ ہوگا (یعنی کامل ظن محمد ہوگا) پس اس کے درمیان اور ایک امتی کے درمیان بڑا فرق ہے۔

مجدد الف مانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

حصولِ کمالات نبوت مرتابعاں رابط طریق تبعیت و
وراثت بعد از بعثت خاتم الرسل علیٰ جمیع الانبیاء والرسل
الصلوة والتحيات منافیء خاتمیت او نیست علیہ و علیٰ آلہ
الصلوة والسلام فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُؤْمَرِينَ.

(مکتوباتِ امام ربانی مجدد الف ثانی جلد 1 مکتوب نمبر 301 صفحہ 432)
ترجمہ: خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبعوث ہونے کے بعد خاص متبعین
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور پیروی اور وراثت کمالات نبوت کا حاصل
ہونا آپ کے خاتم الرسل ہونے کے منافی نہیں پس اس میں شک مت کر۔
مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:-
ل۔ بعد آنحضرت کے یا زمانے میں آنحضرت کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں
بلکہ صاحب شرع جدید ہونا البتہ ممتنع ہے۔

(دافع الوسواس فی اثرا بن عباس صفحہ 16 بار دوم گردید)

ب۔ نیز لکھتے ہیں:

علمائے اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ
آنحضرت کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا اور نبوت آپ
کی تمام مکلفین کو شامل ہے اور جو نبی آپ صلعم کے ہم عصر ہوگا وہ متبع شریعت
محمدیہ ہوگا۔ (دافع الوسواس صفحہ 29 نیا ایڈیشن وتحذیر الناس)

علامہ حکیم صوفی محمد حسن مصنف غایۃ البرہان لکھتے ہیں:-

الغرض اصلاح میں نبوت خصوصیت الہیہ خبر دینے سے عبارت ہے۔
وہ دو قسم کی ہے۔ ایک نبوت تشریحی جو ختم ہو گئی۔ دوسری نبوت بمعنی خبردادن
ہے۔ وہ غیر منقطع ہے پس اس کو مبشرات کہتے ہیں اپنے اقسام کے ساتھ اس
میں سے روایا بھی ہے۔ (الکواکب الذریۃ صفحہ 147، 148)

انقطاع نبوت سے متعلقہ احادیث کی تشریح

حدیث اول :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ
نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي. (صحیح بخاری)
ترجمہ : یقیناً عنقریب میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ہر ایک ان میں
سے نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا اور میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے مقابل کوئی
نبی نہیں ہو سکتا۔

تشریح:

(1) امت محمدیہ کا مسیح موعود اس حدیث کا مصداق نہیں ہو سکتا کیونکہ اُسے خود رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لَيْسَ بِنَبِيٍّ وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ فرما کر نبی قرار دیا ہے۔ پس یہ
تیس کذاب وہی ہو سکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود کے
درمیانی زمانہ میں امت میں سے نبوتِ مستقلہ کا دعویٰ کریں اور ان تیس مدعیانِ
نبوتِ کاذبہ کی تعداد مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ تک پوری ہو چکی تھی۔ چنانچہ شرح
مسلم اکمال الاکمال میں لکھا ہے:

هَذَا الْحَدِيثُ ظَهَرَ صِدْقُهُ فَإِنَّهُ لَوْ عُذَّ مَنْ تَنَبَّأَ مِنْ زَمَانِهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْآنَ لَبَلَغَ هَذَا الْعَدَدَ وَيَعْرِفُ ذَلِكَ

مَنْ يَطَالُعُ التَّارِيخَ. (اکمال الاکمال جلد 7 صفحہ 458 مصری)
ترجمہ: اس حدیث کی سچائی ظاہر ہو چکی ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ سے آج تک نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کو گنا جائے تو یہ تعداد
پوری ہو چکی ہے اور جو شخص تاریخ کا مطالعہ کرے اسے جان لے گا۔

نوٹ: اس کتاب کے مؤلف 828ھ میں فوت ہوئے۔

2- خاتم النبیین کے معنی امام علی القاریؒ نے یہ کئے ہیں کہ:

الْمَعْنَى أَنَّهُ لَا يَأْتِي نَبِيٌّ بَعْدَهُ يَنْسَخُ مِلَّتَهُ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ
أُمَّتِهِ. (موضوعات کبیر صفحہ 59 مطبوعہ مطبع مجتہبی دہلی)

یعنی خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد
کوئی ایسا نبی نہیں ہو سکتا جو آپ کے دین کو منسوخ کرے اور آپ کی امت
میں سے نہ ہو۔

اور حدیث لا نَبِيَّ بَعْدِي کی تشریح میں لکھتے ہیں:-

وَرَدَّ لَا نَبِيَّ بَعْدِي مَعْنَاهُ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ لَا يَحْدُثُ بَعْدَهُ نَبِيٌّ
بِشَرْعٍ يَنْسَخُ شَرْعَهُ.

(الاشاعة فی اشراط الساعة صفحہ 149. دار الكتاب العلمية بيروت)

ترجمہ: لا نَبِيَّ بَعْدِي کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آئندہ کوئی ایسا نبی
پیدا نہیں ہوگا جو ایسی شریعت کے ساتھ ہو جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

پس حدیث زیر بحث میں امت میں سے تیس ایسے اشخاص کا ذکر ہے جو
تشریحی اور مستقلہ نبوت کا دعویٰ کریں جس سے یہ لازم آئے کہ وہ امتی نہیں رہتے
ایک پہلو سے امتی ہونے کا دعویٰ اس حدیث کے منافی نہیں اور مسیح موعودؑ کا دعویٰ
یہی تھا۔ چنانچہ اسی مضمون کا ایک دوسری حدیث میں ایسی نبوت کے دعویٰ کرنے

والے کا استثناء بھی مذکور ہے چنانچہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-
 سَيَكُونُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ كُلُّهُمْ يَدْعِي أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَّهُ لَا نَبِيَّ
 بَعْدِي إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ۔

(نبر اس شرح الشرح لعقائد النسفی صفحہ 445)

ترجمہ: میری امت میں تیس آدمی ہوں گے اُن میں سے ہر ایک نبوت کا
 دعویٰ کرے گا اور تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہیں سوائے اس نبی کے جسے
 اللہ چاہے۔

اس روایت کے متعلق بشرطِ صحت صاحبِ نبر اس لکھتے ہیں کہ اَلَّا کے
 استثناء کا تعلق مسیح موعود سے ہے۔ نیز نبر اس کے حاشیے میں لکھا ہے:

وَالْمَعْنَى لَا نَبِيَّ بِنُبُوَّةِ التَّشْرِيعِ بَعْدِي إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ مِنْ
 أَنْبِيَاءِ الْأَوَّلِيَاءِ۔ (نبر اس حاشیہ صفحہ 445)

ترجمہ: حدیث کے فقرہ لَا نَبِيَّ بَعْدِي کے معنی یہ ہیں کہ کوئی نبی تشریحی
 نبوت کے ساتھ میرے بعد نہیں ہوگا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ کے استثناء سے مراد
 أَنْبِيَاءِ الْأَوَّلِيَاءِ۔ ہیں یعنی وہ اولیاءِ جوامت میں سے مقامِ نبوت پانے
 والے ہیں۔

حدیث دوم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک پر جانے کے موقع پر حضرت
 علیؑ کو پیچھے خلیفہ مقرر کرنے اور حضرت علیؑ کے یہ فقرہ کہنے پر کہ اَتَّسْرُ كُنِي فِي
 النِّسَاءِ وَالصَّبِيَّانِ یعنی کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں پر چھوڑ رہے ہیں۔ یعنی آپ
 مجھے جنگ میں جانے کی اجازت نہیں دے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت علیؑ سے فرمایا:

أَلَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ
لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِي. (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوة تبوک)
ترجمہ : اے علی! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تُو مجھ سے اُس مرتبہ پر ہو
جو موسیٰ کی غیر حاضری میں ہارون کو حاصل تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ میری اس
غیر حاضری میں میرے سوا کوئی نبی نہیں۔

تشریح:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کی تشریح میں تحریر فرمایا ہے:-
باید دانست کہ مدلولِ اِس آیت نیست الا استخلافِ علیؑ بر مدینہ در غزوہ
تبوک و تشبیہ دادن اِین استخلاف با استخلافِ موسیٰ ہارون را در وقتِ سفرِ خود
بجانب طور و معنی بَعْدِی اینجا غَیْرِی است۔ چنانچہ در آیت فَمَنْ يَهْدِيهِ
مِنْ بَعْدِ اللَّهِ گفته اند نہ بَعْدِیّتِ زمانی۔

(قرة العینین فی تفصیل الشیخین صفحہ 206)

ترجمہ : جاننا چاہئے کہ اس حدیث کا مدلول صرف غزوہ تبوک میں
حضرت علیؑ کا مدینہ میں نائب یا مقامی امیر بنایا جانا اور حضرت ہارونؑ سے
تشبیہ دیا جانا ہے جبکہ موسیٰؑ نے طور کی جانب سفر کیا اور بَعْدِی کے معنی اس
جگہ غَیْرِی (اس وقت میرے سوا کوئی نبی نہیں) نہ بعدیتِ زمانی جیسا کہ
آیت فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ کے معنی اللہ کے سوا ہیں۔

پس اس حدیث سے بعدیتِ زمانی کا استنباط حضرت شاہ ولی اللہؒ کے
نزدیک جائز نہیں کیونکہ وہ آگے لکھتے ہیں:

زیرا کہ حضرت ہارون بعد حضرت موسیٰؑ نمازند تا ایشاں را بعدیت

زمانہ ثابت بود۔ و از حضرت مرتضیٰ آں را استثناء کنند۔

یعنی بعدیت زمانی اس لئے مراد نہیں کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بعد زندہ نہیں رہے کہ حضرت علیؑ کے لئے بعدیت زمانی ثابت ہو اور حضرت علیؑ سے بعدیت زمانی کا استثناء کریں۔

اس بارہ میں ایک روایت بالمعنی یوں وارد ہے:-

غَيْرَ أَنَّكَ لَسْتَ نَبِيًّا. (طبقات سعد جلد 5 صفحہ 15)
یعنی غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ سے غیر حاضری پر آپؐ حضرت علیؑ سے فرماتے ہیں کہ تو اس غیر حاضری میں ہارون کی طرح میرا خلیفہ تو ہے مگر تو نبی نہیں۔

حدیث سوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبَنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطْوِفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ: هَلَّا وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبَنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبَنَةُ. أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ. (بخاری کتاب المناقب باب خاتم النبیین)
ترجمہ: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا اور اُس کو بہت آراستہ پیراستہ کیا مگر اس کے گوشوں میں سے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ لوگ اُسے دیکھنے آتے اور خوش ہوتے اور کہتے کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی۔ آپؐ نے فرمایا میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

تشریح:

علامہ ابن حجرؒ اس کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں۔

الْمُرَادُ هُنَا النَّظَرُ إِلَى الْأَكْمَلِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الشَّرِيعَةِ
الْمُحَمَّدِيَّةِ مَعَ مَا مَضَى مِنَ الشَّرَائِعِ الْكَامِلَةِ.

(فتح الباری جلد 2 صفحہ 380)

ترجمہ: مراد اس تکمیل عمارت سے یہ ہے کہ شریعت محمدیہ پہلے گزری ہوئی
کامل شریعتوں کی نسبت ایک اکمل شریعت ہے۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں مَثَلِی وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي کہہ کر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال صرف پہلے گزرے ہوئے انبیاء سے دی
ہے جو تشریحی یا مستقل نبی تھے۔ بلاشبہ نبوت تشریحیہ یا نبوت مستقلہ کی عمارت
حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تکمیل ہو گئی۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والا امتی نبی اس جگہ زیر بحث نہیں آ
سکتا کیونکہ مسیح موعودؑ کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی بھی قرار دیا ہے اور
امتی بھی۔

حدیث چہارم

لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

(ترمذی کتاب المناقب باب فی مناقب عمر بن الخطابؓ)

یعنی خدا نے مجھے نبی بنا دیا ہے اگر اس زمانہ میں میرے سوا کوئی نبی
ہونا ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

امام ترمذیؒ نے لکھا ہے:

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔ یعنی یہ حدیث غریب ہے

امام سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ذیل کی روایات بالمعنی اس کی تشریح کرتی ہیں۔

1۔ لَوْ لَمْ أُبْعَثْ لَبِعِثْتُ يَا عُمَرُ۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد 5 صفحہ 539 وحاشیہ مشکوٰۃ مجتہائی باب مناقب)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں مبعوث نہ کیا جاتا تو اے

عمر تو مبعوث کیا جاتا۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ (دیکھو تعقبات سیوطی صفحہ 671)

ب۔ لَوْ لَمْ أُبْعَثْ فَيُكْمُ لَبِعِثْتُ عُمَرُ فَيُكْمُ۔ (کنوز الحقائق جلد 2 صفحہ 73 حاشیہ)

یعنی اگر میں تم میں مبعوث نہ ہوتا تو عمر تم میں مبعوث ہوتا۔

پس چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہو کر مبعوث ہو گئے اس لئے

حضرت عمرؓ نبی نہ بنے۔ یہی مفہوم ترمذی کی حدیث کا ہے کہ اگر میں نبی نہ بنایا جاتا تو

پھر حضرت عمرؓ کا حق تھا کہ وہ نبی بنائے جاتے۔

نوٹ: مسیح موعودؑ کو تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی قرار دیا ہے

اور امتی بھی۔ ترمذی کی حدیث میں امتی نبی کا وجود زیر بحث نہیں بلکہ تشریحی نبی کا

وجود زیر بحث ہے۔ تشریحی نبوت یہاں اس لئے مراد ہے کہ روایات بالمعنی میں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا ہے کہ اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ

مبعوث ہوتے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریحی نبی تھے اس لئے اگر آپ

مبعوث نہ ہوتے تو حضرت عمرؓ تشریحی نبی کے طور پر ہی مبعوث ہوتے۔

حدیث پنجم

إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ.

(صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل)

تشریح:

اس حدیث میں سَيَكُونُ خُلَفَاءُ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عنقریب غیر نبی خلفاء ہونے والے تھے مگر مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی بھی قرار دیا ہے اور اپنا خلیفہ بھی۔ چنانچہ طبرانی کی حدیث میں ہے۔

أَلَا إِنَّهُ لَيُسَّ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ وَلَا رَسُولٌ وَلَا إِنَّهُ خَلِيفَتِي فِي أُمَّتِي. (طبرانی فی الاوسط والكبير)

کہ سن لو! مسیح موعود اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور سن لو کہ وہ میری امت میں میرا خلیفہ ہے۔

اسی طرح صحیح مسلم کی نواس بن سمان والی روایت میں جو خروج دجال کے بارہ میں وارد ہے عیسیٰ موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار دفعہ نبی قرار دیا ہے۔

يُخَصِّرُ نَبِيَّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ فَيَرْغَبُ نَبِيَّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيَّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ فَيَرْغَبُ نَبِيَّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ إِلَى اللَّهِ

(صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال)

حدیث ششم

أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً وَخُتِمَ بِي النَّبِيُّونَ.

(صحیح مسلم کتاب الصلاة باب المساجد و مواضع الصلاة)

ترجمہ: میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میرے ذریعہ شریعتِ جدیدہ لانے والے نبی ختم کر دیئے گئے ہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّونَ أَيْ لَا يُوجَدُ مَنْ يَأْمُرُهُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ
بِالتَّشْرِيعِ إِلَى النَّاسِ. (تفهيمات الہیہ صفحہ 72)

ترجمہ: خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّونَ سے یہ مراد ہے کہ آئندہ کوئی ایسا شخص نہیں پایا جائے گا جسے خدائی شریعت دے کر لوگوں پر مامور کرے۔

مسیح موعود کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ وہ صرف امتی ہی نہیں ہوگا اسم جامع محمدی کی مکمل شرح اور اس کا دوسرا نسخہ ہوگا، گویا ظلی نبی ہوگا۔

(الخير الكثير مترجم صفحہ 237 مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی)

حدیث ہفتم

إِنِّي أَخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ مَسْجِدِي أَخِرُ الْمَسَاجِدِ.

(صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل الصلوٰۃ بمسجدی مکہ و مدینہ)

کہ میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد (نئے طریق عبادت کے لحاظ

سے) آخری مسجد ہے۔

تشریح:

۱۔ جس طرح مسجد نبوی کے تابع سینکڑوں مساجد بننے کے باوجود وہ آخری رہتی ہے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نبی کا آنا آپ کے آخری نبی ہونے میں روک نہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریعت لانے والے نبی تھے اس لیے آپ شریعتِ جدیدہ کے ساتھ آخری نبی ہیں نہ کہ مطلق آخری نبی۔ اور آپ کی مسجد نئے طریق عبادت کے لحاظ سے آخری ہے نہ کہ مطلق آخری مسجد۔

بعض کہتے ہیں کہ ایک حدیث میں **آخِرُ الْمَسَاجِدِ الْأَنْبِيَاءِ** کے الفاظ وارد ہیں کہ مسجد نبوی انبیاء کی مسجدوں میں سے آخری ہے مگر یہ حدیث ضعیف ہے صحیح حدیث مسلم کی ہی ہے تاہم آخر کے معنی عربی زبان میں افضل کے بھی ہوتے ہیں۔ لہذا اس حدیث کے معنی ہوں گے مسجد نبوی انبیاء کی مساجد سے افضل ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

شَرِيٌّ وَدَيٌّ وَشُكْرِيٌّ مِنْ بَعِيدٍ
لَاخِرِ غَالِبٍ أَبَدًا رَبِّيعِ

(حماسہ باب الادب)

ترجمہ : ربیع بن زیاد نے میری دوستی اور شکر کو دور بیٹھے ایسے شخص کے لئے جو بنی غالب میں سے آخری یعنی ہمیشہ کے لئے عدیم المثال ہے خرید لیا ہے۔ پس آخر کے معنی سب سے افضل اور عدیم المثال کے بھی ہوتے ہیں۔ لہذا حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں سے افضل اور عدیم المثال ہیں اور آپ کی مسجد سب مسجدوں سے افضل اور عدیم المثال ہے (خواہ انبیاء کی مساجد ہوں یا غیر انبیاء کی پہلے کی ہوں یا بعد کی، لیکن خانہ کعبہ کو سب سے افضلیت حاصل ہے کیونکہ وہ بیت اللہ ہے)

حدیث ہشتم

أَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ

(ترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی اسماء النبی)

ترجمہ : میں العاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

تشریح:

اگرچہ اس جگہ لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ نہیں بلکہ یہ امام زہریؒ کے الفاظ ہیں اور اس طرح پیش کئے گئے ہیں کہ روایت مدلس ہو گئی ہے تاہم مراد امام زہریؒ کی یہی ہو سکتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شریعت لانے والا نبی نہیں اور شریعت لانے والے نبیوں میں سے آپ سب سے پیچھے آنے والے نبی ہیں ماسوا اس کے صحیح معنی الْعَاقِب کے ایسا شخص ہوتے ہیں جو بھلائیوں میں اپنے سے پہلوں کا جانشین ہو چنانچہ امام علی القاریؒ نے اس حدیث کے بارہ میں تحریر فرمایا ہے:

الظَّاهِرُ أَنَّ هَذَا تَفْسِيرٌ لِلصَّحَابِيِّ أَوْ مَنْ بَعْدَهُ وَفِي شَرْحِ مُسْلِمٍ قَالَ ابْنُ الْأَعْرَابِيِّ الْعَاقِبُ الَّذِي يُخْلَفُ فِي الْخَيْرِ مَنْ كَانَ قَبْلَهُ.

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد 5 صفحہ 576 باب اسماء النبی ﷺ الفصل الاول)

ترجمہ: بظاہر لَيْسَ بَعْدَهُ، نَبِيٌّ کے معنی یا صحابی کی تفسیر ہے یا کسی بعد کے راوی کی شرح۔ مسلم میں ہے کہ ابن اعرابیؒ نے کہا ہے۔ الْعَاقِب وہ شخص ہوتا ہے جو بھلائی میں اپنے سے پہلوں کا جانشین ہو۔
شمال ترمذی مجتہائی میں بین السطور لکھا ہے:-

هَذَا قَوْلُ الزُّهْرِيِّ

کہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں بلکہ یہ امام زہریؒ کا قول ہے۔ پس یہ حدیث مدلس ہے یعنی اس میں راوی نے خلط ملط کیا ہے۔

نوٹ: بہر حال الْعَاقِب کے ایسے ہی معنی لینے چاہئیں جن سے مسیح موعود کی نبوت تضاد اور تناقص نہ رکھ کیونکہ مسیح موعود کی نبوت احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

حدیث نہم

إِنِّي أَخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ أَخِرُ الْأُمَمِ.

اس حدیث کے راوی الرحمن بن محارب اور اسماعیل بن رافع ضعیف ہیں۔

(ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد 2 صفحہ 115 و تہذیب جلد 6 صفحہ 266)

تاہم اس روایت کو انہی معنوں میں قبول کیا جاسکتا ہے کہ اس جگہ لفظ آخر دونوں جگہ بمعنی افضل استعمال ہوا ہے اور مراد یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہیں اور آپ کی اُمت تمام اُمتوں سے افضل ہے۔ آخر سے مراد اس جگہ نبیوں کا مطلق آخری فرد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مسیح موعودؑ کی نبوت احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

قرآن مجید نے اُمت محمدیہ کو خیر اُمت قرار دیا ہے اسی مضمون کو حدیث کے الفاظ اَنْتُمْ اَخِرُ الْأُمَمِ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ نئی اُمت بنانے والا کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آ سکتا اور مسیح موعودؑ کو ایسا نبی مانا گیا ہے جو نبی بھی ہے اور اُمتی یعنی وہ کوئی نئی اُمت بنانے والا نہیں۔

حدیث دہم

حدیث میں آیا ہے:-

أَنَا الْمُقَفَّى

جس کے معنی بعض لوگ آخری نبی کرتے ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ یہ معنی کرنے والے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق آخری نبی نہیں مانتے کیونکہ یہ لوگ مسیح موعودؑ کے نبی ہونے کے قائل ہیں۔ صحیح معنی

اَلْمُقَفَّى کے وہی ہیں جو اکمال الاکمال جلد 6 صفحہ 143 پر یوں لکھے ہیں:-
مَعْنَاهُ اَلْمُتَّبِعُ لِلنَّبِيِّينَ.

(اکمال الاکمال شرح مسلم جلد 6 صفحہ 143)

ترجمہ: معنی اس کے وہ شخص ہے کہ نبی جس کی پیروی کریں۔
پس یہ حدیث تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں انبیاء کے آنے پر
روشن دلیل ہے نہ کہ نبوت کے بکلی انقطاع پر۔
تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ.

لَا نَبِيَّ بَعْدِي کے متعلق ایک سوال

اگر کوئی یہ کہے کہ لا اس فقرہ میں نفی جنس کا ہے اور نبی کا لفظ عام ہے لہذا
اس حدیث کی رو سے مطلق نبی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے کی نفی
ہو جاتی ہے تو پھر کیوں اس حدیث سے حضرت امام مولا علی القاری وغیرہ علماء کی
طرف شارع نبی کی نفی مراد لی جائے۔

الجواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ کے اصول کے مطابق بعض جگہ لفظ بظاہر اپنے
مفہوم میں عام ہوتا ہے لیکن مراد اس سے مفہوم خاص لیا جاتا ہے اصطلاح اصول
فقہ میں ایسے لفظ کو عام مخصوص بالبعض قرار دیتے ہیں۔ البتہ ضروری ہوتا ہے کہ تخصیص
کرنے والی کوئی نص موجود ہو۔ چونکہ علماء محققین کے نزدیک مسیح موعود کا نبی اللہ کی
حیثیت میں آنا اور ایک پہلو سے اُس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بھی ہونا
احادیث نبویہ کی نصوص کی رو سے محقق اور مسلم امر ہے اس لئے یہ احادیث نبویہ لا
نَبِيَّ بَعْدِي میں نبی کے عمومی مفہوم کی تخصیص قرار دی جاتی ہیں اور مراد لا نَبِيَّ بَعْدِي

میں نبی سے شارع نبی لیا جاتا ہے کیونکہ مسیح موعودؑ کی حیثیت اُمتِ محمدیہ میں مبعوث ہونے پر امتی نبی کی تسلیم کی گئی ہے نہ کہ شارع نبی کی۔ اس لحاظ سے یہ سمجھنا چاہئے کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِی کا لَا نفی جنس، نفی کمال کیلئے ہے نہ نبی کی شخصیت کی نفی کے لئے۔ آنحضرت صلعم کے بعد ایک نبی کی شخصیت کا اُمت میں مبعوث ہونا تو احادیث نبویہ کی رو سے مسلم ہے اس حدیث میں لَا نَبِیَّ بَعْدِی کا لَا حدیث نبوی لَا هَجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ کی طرح ہے۔ اس حدیث میں فتح مکہ کے بعد مطلق ہجرت کی نفی نہیں بلکہ مکہ سے مدینہ کی طرف مخصوص ہجرت کی نفی ہے۔ یہ حدیث درج کر کے تفسیر کبیر میں لکھا ہے فَالْمُرَادُ الْهَجْرَةُ الْمَخْصُوصَةُ (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر للرازی جلد 4 صفحہ 580 مطبوعہ مصر) حالانکہ ہجرت کا بظاہر لفظ عام ہے اور اس سے پہلے لَا نفی جنس بھی مذکور ہے حدیث نبوی إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرٌ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ (صحیح بخاری کتاب الایمان و النذور باب کیف كانت یمن النبیؐ) میں بھی لَا نفی کمال کے لئے ہے کیونکہ قیصر و کسریٰ کے بعد بھی اُن کے بیٹے قیصر و کسریٰ ہوئے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ آپ کے زمانہ کے قیصر و کسریٰ جیسے قیصر و کسریٰ آئندہ کوئی نہیں ہوں گے۔ اسی طرح لَا نَبِیَّ بَعْدِی کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کامل نبی جو تشریحی نبی ہو یا مستقل نبی ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نہیں ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریحی اور مستقل نبی ہیں۔ یہی مفہوم حدیث نبوی لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوءَةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ کا ہے کہ نبوت میں سے الْمُبَشِّرَاتُ کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ نبوت کا کلیۃً نفی نہیں ہوئی بلکہ اس کا ایک جزء جو الْمُبَشِّرَاتُ ہیں، باقی ہے اور ظاہر ہے کہ مسیح موعودؑ کو امت میں نبی اللہ انہی الْمُبَشِّرَاتُ کی وجہ سے قرار دیا جاسکتا ہے

جو رسول کریم صلعم کی پیروی کے نتیجے میں ملیں۔ اُسے تشریح اور مستقل نبی قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ ایسی نبوت تو لَمْ يَبْقَ کی ذیل میں آ کر منقطع ہوگئی ہے۔

اس حدیث کی ترکیب لَمْ يَبْقَ مِنَ الْمَالِ إِلَّا الدَّرَاهِمُ یا لَمْ يَبْقَ مِنَ الطَّعَامِ إِلَّا الْخُبْزُ کی طرح ہے کہ مال میں سے دراہم کے سوا کچھ باقی نہیں رہا یا کھانے میں سے روٹی کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ ظاہر ہے کہ دراہم اور روٹی مال اور طعام بھی ہیں اور مال اور طعام کا حصہ بھی۔ اسی طرح الْمُبَشِّرَاتُ عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ ہوں تو نبوت بھی ہیں اور نبوت کا حصہ بھی۔ مسیح موعود کو الْمُبَشِّرَاتُ کا حصہ علی وجہ الکمال ملنے سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نبی کا نام دیا جاسکتا تھا۔

واضح رہے کہ الْمُبَشِّرَاتُ ہی نبوت کی جزء ذاتی ہے۔ شریعت کا لانا نبوت کی جزء ذاتی نہیں بلکہ جزء عارض ہے اسی طرح بعض انبیاء کو نئی شریعت ملتی رہی اور بعض انبیاء پہلی شریعت کے تحت رہے اور قوم میں اُس شریعت کے ساتھ حکم تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ

الَّذِينَ اسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا۔ (المائدة: 45)

ترجمہ: یعنی ہم نے توریت نازل کی جس میں ہدایت اور نور تھا اور اس توریت کے ذریعہ کئی نبی جو خدا کے فرمانبردار تھے۔ یہودیوں کے لئے بطور حکم کے کام کرتے تھے۔

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ تحریر فرماتے ہیں:-

عَلِمْنَا أَنَّ التَّشْرِيعَ فِي النُّبُوَّةِ أَمْرٌ عَارِضٌ بِكَوْنِ عِيسَى

عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْزِلُ فِينَا حَكَمًا مِّنْ غَيْرِ تَشْرِيعٍ وَهُوَ نَبِيٌّ بِلَا شَكِّ.

(فتوحات مکیہ جلد اول صفحہ 545 مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ : ہم نے جان لیا ہے کہ شریعت کا لانا امرِ عارض ہے۔ یعنی نبوت کی جزء ذاتی نہیں اسی وجہ سے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہم میں حکم کی صورت میں بغیر نئی شریعت کے نازل ہوں گے اور وہ بلا شک نبی بھی ہوں گے۔

پس نبوت کی جزء ذاتی الْمُبَشِّرَات ہی قرار پاتی ہیں جو مخالفوں کے لئے منذرات کا مفہوم رکھتی ہیں اور رسولوں کی یہی شان بیان کی گئی ہے کہ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَ مُنْذِرِينَ کہ رسول تبشیر و انداز کر نیوالے تھے پس مسیح موعودؑ بلا شک غیر تشریحی نبی بھی مانا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بھی۔ اور اہل عالم کے لئے حکم و عدل بھی۔

واضح رہے کہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بروز نزول کے قائل ہیں نہ کہ اصالتاً آمد کے جیسا کہ وفات مسیح کے مضمون میں حضرت شیخ اکبرؒ کے حوالہ سے تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کا نزول آخری زمانہ میں کسی دوسرے بدن کے تعلق سے واجب ہے اور وہ نبوت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

وَلَيْسَتْ النُّبُوَّةُ بِأَمْرٍ زَائِدٍ عَلَى الْأَخْبَارِ الْإِلَهِيَّةِ.

(فتوحات مکیہ جلد 2 صفحہ 375 مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ : نبوت خدا سے غیب کی خبریں ملنے سے زیادہ کوئی امر نہیں۔

البتہ قرآن شریف نے اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ نبی کے لئے اخبارِ غیبیہ کو بکثرت پانا شرط ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَّسُولٍ

(الجن : 27 ، 28)

ترجمہ : خدا عالم الغیب ہے وہ کسی کو اپنے غیب پر (دوسرے ملہموں کے مقابلہ میں) غلبہ نہیں بخشتا۔ بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو۔
عقلاً بھی کثرتِ مکالمہ مخاطبہ مشتمل بر امور غیبیہ کے بغیر نبی کا نام نہیں مل سکتا جیسے ایک دور روپیہ رکھنے والے کو کوئی مالدار نہیں کہہ سکتا جب تک اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ صاحبِ نصاب بن جائے۔

نوٹ: اگر کوئی یہ کہے کہ لَا نَبِيَّ بَعْدِي کی رو سے کوئی نبی آئندہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن پہلا نبی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اُمّتِ محمدیہ میں آ سکتا ہے تو واضح ہو کہ: الف۔ یہ بھی لَا نَبِيَّ بَعْدِي کے مفہوم عام کی تخصیص ہوگی اور تاویل ہوگی مفہوم عام کے لحاظ سے نہ کوئی پہلا نبی آ خضر ﷺ کے بعد آ سکتا ہے اور نہ بعد میں کوئی نبی ظاہر ہو سکتا ہے۔

ب۔ اگر بفرض محال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصالتاً دوبارہ آنا مان لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ مستقل نبی کی حیثیت میں نہیں آئیں گے یا آ کر انجیل کی طرف دعوت نہیں دیں گے بلکہ اُمّتِ نبی کی حیثیت میں آئیں گے اور قرآن کریم کی طرف دعوت دیں گے اور اُن کی نبوت میں یہ تغیر ایک نئی قسم کی نبوت کے حدوث (پیدا ہونے) پر دال ہوگا کیونکہ ہر تغیر حدوث کو چاہتا ہے اور جب نئی قسم کی نبوت آ خضر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو سکتی ہے تو نئی قسم کا نبی آ خضر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیوں نہیں ہو سکتا؟ جماعت احمدیہ بموجب احادیثِ نبویہ وَاَمَّا مِنْكُمْ (صحیح بخاری) اور فَاَمَّا مِنْكُمْ (صحیح مسلم) نازل ہونے والے ابن مریم کو اُمّتِ محمدیہ میں سے ہی پیدا ہونے والا اُمّت کا امام یقین کرتی ہے کیونکہ آیتِ اختلاف (سورۃ النور) کی رو سے جیسا کہ پہلے بیان ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی مثل تو آ خضر صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہو سکتا ہے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُمّتِ محمدیہ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ نہیں ہو سکتے پس احادیث میں ابن مریم کا نزول اس کے بروز کے ظہور کے لئے استعارہ تصریح ہے۔

اگر کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نئی نبوت کا حدوث تسلیم نہ کرے اور ان کا اپنی پہلی نبوت کے ساتھ جو مستقلہ تھی امت محمدیہ میں آنا تسلیم کرے تو پھر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستقل آخری نبی کے معنوں میں خاتم النبیین قرار پا جاتے ہیں حالانکہ خاتم النبیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وصف ہے اور مراد اس سے نبیوں کے لئے مؤثر وجود ہے جسے آخری تشریحی نبی ہونا لازم ہے۔

ضروری نوٹ:

خاتم النبیین کے وصف اور لَا نَبِيَّ بَعْدِي کی حدیث میں ایک پیشگوئی ہے اور پیشگوئی کی پوری حقیقت ہمیشہ اس کے وقوع پر ہی کھلتی ہے۔ پیشگویوں کے بارے میں کسی کا اجتہاد حجت نہیں ہو سکتا۔ وہ محض ایک شخص کی ذاتی رائے کی حیثیت رکھتا ہے جس کو دوسروں پر ٹھونسا نہیں جاسکتا۔ لہذا پیشگوئی کے مفہوم کے بارہ میں اجماع کا دعویٰ بھی نہیں کیا جاسکتا خواہ سب لوگ اُس پیشگوئی کے ایک ہی مفہوم پر متفق بھی ہو جائیں کیونکہ امور غیبیہ میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں اور یہ امر فقہ حنفیہ میں مسلم ہے چنانچہ اصول فقہ کی کتاب مسلم الثبوت میں لکھا ہے:

أَمَّا فِي الْمُسْتَقْبَلَاتِ كَأَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَأُمُورِ الْآخِرَةِ فَلَا (إِجْمَاعَ) عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ لِأَنَّ الْغَيْبَ لَا مَدْخَلَ فِيهِ لِلِاجْتِهَادِ.

(مسلم الثبوت مع شرح صفحہ 246)

ترجمہ: آئندہ سے تعلق رکھنے والے امور میں جیسے علامات قیامت اور امور آخرت میں احناف کے نزول اجماع نہیں ہو سکتا کیونکہ امور غیبیہ میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں۔

چونکہ مسیح موعودؑ کا ظہور اُمّتِ محمدیہ میں ہو چکا ہے اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کا یہ دعویٰ ہے کہ آپؑ مسیح موعود ہیں اور ایک پہلو سے نبی ہیں اور ایک پہلو سے اُمّتی، اس لئے واقعات کی شہادت یہ ہے کہ اُمّتی نبی کے آنے میں آیت خاتم النبیین اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِی روک نہیں جیسا کہ بعض آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ بھی اسے روک قرار نہیں دیتیں جن کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ذیل میں ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چند تحریریں پیش کرتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ آپ کا دعویٰ نہ تشریحی نبوت کا ہے نہ مستقل نبوت کا بلکہ آپ کا صرف یہ دعویٰ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پا کر اور آپ کا ظن ہو کر آپ ایک پہلو سے نبی ہیں اور ایک پہلو سے امتی۔ یا بالفاظ دیگر آپ ظلی نبی ہیں نہ کہ مستقل نبی۔ آپ کے نزدیک قرآن مجید آخری شریعت ہے اور تاقیامت اس میں ترمیم و تنسیخ نہیں ہو سکتی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان معنوں میں بھی خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے فیوض تاقیامت جاری رہیں گے، کبھی منقطع نہیں ہوں گے اور مسیح موعودؑ نے بھی ہر ایک کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کی برکت سے ہی پایا ہے۔

حوالہ جات:

- 1۔ ”میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمات و مخاطبت الہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے سو مکالمہ و مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں میں اُس کی کثرت کا نام بموجب حکم الہی

نبوت رکھتا ہوں۔ وَلِكُلِّ ان يَصْطَلِح۔“

(تمتہ حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 503)

2۔ ”یاد رہے کہ بہت سے لوگ میرے دعوے میں نبی کا نام سن کر دھوکہ کھاتے

ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ گویا میں نے اُس نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو پہلے زمانوں

میں براہ راست نبیوں کو ملی ہے لیکن وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں میرا ایسا دعویٰ

نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے افاضہ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کے لئے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپ کے

فیض کی برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا۔ اس لئے میں صرف نبی

نہیں کہلا سکتا بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی اور میری نبوت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظل ہے نہ کہ اصلی نبوت۔ اسی وجہ سے حدیث

اور میرے الہام میں جیسا کہ میرا نام نبی رکھا گیا ایسا ہی میرا نام امتی بھی رکھا ہے

تا معلوم ہو کہ ہر ایک کمال مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ

کے ذریعہ سے ملا ہے۔“ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 154 حاشیہ)

3۔ ”قرآن شریف بجز نبی بلکہ رسول ہونے کے دوسروں پر علوم غیب کا دروازہ بند

کرتا ہے جیسا کہ آیت فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ

رَسُولٍ سے ظاہر ہے پس مصطفیٰ غیب پانے کے لئے نبی ہونا ضروری ہوا اور

آیت أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ گواہی دیتی ہے کہ اس مصطفیٰ غیب سے یہ امت

محروم نہیں اور مصطفیٰ غیب حسب منطوق آیت نبوت اور رسالت کو چاہتا ہے اور

وہ طریق براہ راست بند ہے اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ اس موہبت کیلئے محض

بروز اور ظلیت اور فانی الرسول کا دروازہ کھلا ہے۔“

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 209 حاشیہ)

4۔ ”میں رسول اور نبی نہیں ہوں یعنی باعتبار نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے اور میں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیتِ کاملہ کے میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔“

(نزل المسح۔ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 381 حاشیہ)

5۔ ”جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔“

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 210، 211)

6۔ ”اور لعنت ہے اُس شخص پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے علیحدہ ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے مگر یہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے نہ کوئی نئی نبوت اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسلام کی حقانیت دنیا پر ظاہر کی جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی دکھلائی جائے۔“

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 341)

7۔ ”یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت تشریفی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطل کرے بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔“

(رسالہ الوصیت۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 311 حاشیہ)

8- ”ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے۔“

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 340 حاشیہ)

9- ”خدا اُس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے اور محمدی شریعت کے برخلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے۔“

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 340)

10- ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ایک خاص فخر دیا گیا ہے کہ وہ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت اُن پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ اُن کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو اُن کی امت سے باہر ہو بلکہ ہر ایک کو جو شرف مکالمہ الہیہ ملتا ہے وہ انہیں کے فیض اور انہیں کی وساطت سے ملتا ہے اور وہ امتی کہلاتا ہے نہ کوئی مستقل نبی۔“

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 380)

11- ”اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں شریعت والا نبی کوئی نہیں آ سکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔“

(تجلیات الہیہ۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 412)

12- ”خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور سے محمدیت کی چادر پہنائی گئی کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جد انہیں اور نہ شاخ اپنی تنخ سے جد ہے پس جو کامل طوڑ پر مخدوم میں فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب

پاتا ہے وہ ختم نبوت کا خلل انداز نہیں جیسا کہ تم جب آئینہ میں اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہیں ہو سکتے بلکہ ایک ہی ہو اگرچہ بظاہر دو نظر آتے ہیں صرف ظل اور اصل کا فرق ہے۔ سو ایسا ہی خدا نے مسیح موعود میں چاہا۔“

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 15، 16)

13۔ ”نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لئے صرف خدا تعالیٰ کی یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کامل طور پر شرف مکالمہ اور مخاطبہ الہیہ حاصل کرے اور تجدید دین کے لئے مامور ہو۔ یہ نہیں کہ وہ کوئی دوسری شریعت لاوے کیونکہ شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر نبی کے لفظ کا اطلاق بھی جائز نہیں جب تک اس کو امتی بھی نہ کہا جائے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک انعام اُس نے آنحضرت کی پیروی سے پایا ہے نہ براہ راست۔“ (تجلیات الہیہ۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 401 حاشیہ)

14۔ ”غرض اس حصہ کثرت وحی الہی اور امور غیبیہ میں اس اُمت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس اُمت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط اُن میں پائی نہیں جاتی اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جاتی کیونکہ اگر دوسرے صلحاء جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں وہ بھی اسی قدر مکالمہ و مخاطبہ الہیہ اور امور غیبیہ سے حصہ پالیتے تو وہ نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے تو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں ایک رخنہ واقع ہو جاتا اس لئے خدا تعالیٰ کی

مصلحت نے ان بزرگوں کو اس نعمت کو پورے طور پر پانے سے روک دیا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا وہ پیشگوئی پوری ہو جائے۔“ (ہیئۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 406، 407)

15۔ ”یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں۔ یہ الزام صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں یہ سراسر میرے پر تہمت ہے اور جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہم کلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے اور انہی امور کی کثرت کی وجہ سے اُس نے میرا نام نبی رکھا سو میں خدا کے حکم، کے موافق نبی ہوں اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا۔ اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر اس سے انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں۔“

(آخری مکتوب اخبار عام 26 مئی 1908ء)

معیار صداقت

صداقت

مسیح موعود علیہ السلام کے دلائل

دلیل اول:-

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:-

فَقَدْ بَشَّرْتُ فِيكُمْ عُمْرًا مِّن قَبْلِهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس : 17)

ترجمہ: پس بے شک میں تم میں ٹھہرا ہوں ایک عمر (چالیس برس) اس سے پہلے۔ پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

استدلال:-

یعنی خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی صداقت ثابت کرنے کیلئے فرماتا ہے کہ لوگوں سے آپ کہہ دیں کہ میرے دعویٰ سے پہلے کی عمر کی پاکیزگی اس بات پر شاہد ناطق ہے کہ میں اپنے دعویٰ میں صادق ہوں۔

اس سے ظاہر ہے کہ مدعی کی پہلی زندگی کی پاکیزگی اور طہارت اور افتراء کذب سے احتراز اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ مدعی اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور یہ دلیل عقل سلیم کے مطابق ہے اسی لئے فرمایا أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر الہام ہوا وَلَقَدْ بَشَّرْتُ فِيكُمْ عُمْرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (تذکرہ صفحہ 70 مطبوعہ 2004ء) اور اس الہام سے خدا نے تصدیق کی کہ آپ کی دعویٰ سے پہلے کی زندگی بھی عقلی طور پر اس بات کی راہنما ہے

کہ آپ اپنے دعویٰ میں صادق ہیں نہ کہ مفتری علی اللہ۔ چنانچہ آپ نے بڑی تحدی سے یہ اعلان فرمایا:۔

”تم کوئی عیب، افتراء یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا کون تم میں ہے جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ پس یہ خدا کا فضل ہے جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا اور سوچنے والوں کے لئے یہ دلیل ہے۔“

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 64)

آپ کی پاکیزہ زندگی کے متعلق شہادات:

1۔ مولوی سراج الدین صاحب والد مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر ”زمیندار“ آپ کی پہلی زندگی کے متعلق اپنی چشم دید شہادت یوں تحریر فرماتے ہیں:-

”مرزا غلام احمد صاحب 1860ء، 1861ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اس وقت آپ کی عمر 22، 23 سال کی ہو گئی اور ہم چشم دید شہادت سے کہتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔“ (زمیندار 8 جون 1908ء)

2۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈووکیٹ اہل حدیث آپ کی پہلی زندگی کے متعلق لکھتے ہیں:-

”مؤلف براہین احمدیہ مخالف اور موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رو سے وَاللّٰهُ حَسْبُ شَرِيعَتِ مُحَمَّدٍ یہ پر قائم و پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔“ (اشاعۃ السنۃ جلد 7 نمبر 9)

آپ کی تصنیف ”براہین احمدیہ“ کی تعریف کے سلسلہ میں لکھتے ہیں
 ”اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں
 ایسا ثابت قدم نکلا ہے کہ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی
 ہے۔“ (اشاعۃ السنۃ جلد 6 نمبر 7)

افسوس ہے کہ یہ مولوی صاحب معیار قرآنی کو نظر انداز کر کے آپ کے
 دعویٰ مسیح موعود کے بعد آپ کی تکفیر کرنے لگے۔

3۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایڈیٹر رسالہ ”اہل حدیث“ اپنی کتاب
 ”تاریخ مرزا“ کے صفحہ 53 پر لکھتے ہیں:-

”براہین تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک
 دفعہ جب میری عمر کوئی سترہ اٹھارہ سال کی تھی میں بشوق زیارت پایادہ تنہا
 قادیان گیا۔“

دلیل دوم:-

۱۔ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ
 الْمُجْرِمُونَ. (یونس: 18)

ترجمہ: اس سے کون زیادہ ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء کرے یا اللہ تعالیٰ کی
 آیات کی تکذیب کرے یقیناً مجرم کامیاب نہیں ہوتے۔

لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ
 مَنِ افْتَرَىٰ. (طہ: 62)

ترجمہ: اے لوگو! اللہ پر جھوٹ مت باندھو (ایسا کرو گے) تو وہ تم کو عذاب
 سے ہلاک کر دے گا۔ اور بے شک مفتری ناکام رہتا ہے۔

استدلال:-

ان ہر دو آیات میں مخالفین اسلام کے مقابلہ میں رسول کریم ﷺ کی کامیابی کو آپ کی صداقت کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے شدید مخالفین کے مقابلہ میں جو کامیابی حاصل کی ہے وہ آپ کے دعویٰ کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔ آپ کے مخالف ہر پہلو میں آپ کے مقابلہ میں ناکام رہے کفر کے فتوے لگا کر بھی، عدالتوں میں مقدمات قائم کر کے بھی اور آپ کے خلاف جھوٹ پھیلا کر اور غلط فہمیاں پیدا کر کے بھی کامیاب نہیں ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسب وعدہ مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت عطا فرمائی جو خدمت اسلام کے لئے جوش اور ولولہ رکھتی ہے اور تبلیغ اسلام کر کے غیر مسلموں کو مسلمان بنانے میں زبردست کامیابی حاصل کر رہی ہے اور تمام دنیا میں اشاعت قرآن کا فریضہ ادا کر رہی ہے۔

دلیل سوم:

(ا: كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي. (المجادلة: 22)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آتے رہیں گے۔

ب: وَلَقَدْ بَقَّتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ. إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ.

وَإِنْ جُنَدْنَا لَهُمُ الْغَلَبُونَ. (الصافات: 172-174)

ترجمہ: اور بے شک ہمارا فیصلہ ہمارے بندوں یعنی رسولوں کے لئے پہلے

گزر چکا ہے (جو یہ ہے) کہ یقیناً وہی مدد یافتہ ہوں گے اور بے شک ہمارا لشکر (مومنوں کا گروہ) ہی غالب آنے والا ہے۔

ج: أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ۔

(الانبیاء: 45)

ترجمہ: کیا (کفار) نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے آرہے ہیں (یعنی آنحضرت ﷺ کے ماننے والے آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں اور منکرین کم ہو رہے ہیں) کیا کفار پھر بھی غالب آئیں گے۔

استدلال:-

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی جماعت منکرین پر ضرور غالب آتے ہیں اور ہر طرح انہیں خدا کی طرف سے نصرت دی جاتی ہے اور یوں ہوتا ہے کہ مخالفین ہر طرف سے گھٹنے لگ جاتے ہیں۔ اور خدا کے مرسل کی جماعت بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کی آپ کے منکرین کی طرف سے شدید مخالفت ہوئی ہے مگر دشمن کے ہر حربہ استعمال کرنے کے باوجود مسیح موعود اور ان کی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے نصرت اور غلبہ عطا فرمایا ہے اور وہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔

دلیل چہارم:

فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَبَ السَّفِينَةَ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ۔

(العنکبوت: 16)

ترجمہ: پس ہم نے اسے (نوح کو) اور کشتی والوں کو (سیلاب میں غرق ہونے سے) نجات دی اور ہم نے اس (کشتی) کو تمام جہانوں کے لئے ایک نشان بنا دیا۔

استدلال:-

نوح علیہ السلام کے زمانے میں ان کے منکرین پر سیلاب کا عذاب آیا لیکن مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں پیشگوئیوں کے مطابق طاعون کا عذاب آیا جس میں ہزاروں گھرانے ملیا میٹ ہو گئے اور طاعون کے زمانہ میں شہر اور گاؤں ویران ہو گئے لوگ جنگلوں میں پناہ لے رہے تھے کیونکہ گھر طاعون کے جراثیم کا مرکز بنے ہوئے تھے اور طاعون کا سیلاب ہر طرف تباہی مچا رہا تھا۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہام کیا کہ وہ اپنا گھر نہ چھوڑیں۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ (تذکرہ صفحہ 350 مطبوعہ 2004ء) اس گھر کی چار دیواری میں سب رہنے والوں کی میں حفاظت کروں گا۔ نیز فرمایا وَ اُحَافِظُکَ خَاصَّةً (تذکرہ صفحہ 350 مطبوعہ 2004ء) کہ تیری خاص طور پر حفاظت کروں گا۔ چنانچہ یہ نشان صفائی سے ظاہر ہوا اور اپنے اندر نوح کی کشتی سے زیادہ شوکت رکھتا تھا کیونکہ کشتی تو بہر حال پانی سے بچانے کے لئے ہوتی ہے لیکن اس کے برخلاف طاعون کے سیلاب کے وقت گھر ہلاکت کا ذریعہ ہوتے ہیں مگر مسیح موعود علیہ السلام کے لئے خدا تعالیٰ نے ہلاکت کے ذریعہ کو اپنے فضل سے حفاظت کا ذریعہ بنا دیا۔ طاعون کے زمانہ میں اُسی کے قریب افراد اس مکان میں رہتے تھے ارد گرد کے گھروں میں طاعون سے اموات ہوئیں مگر دار مسیح میں ایک تنفس بھی طاعون سے ہلاک نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بڑی شان سے اپنی حفاظت کا وعدہ پورا فرمایا۔

دلیل پنجم:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ

ترجمہ: اگر یہ مدعی بعض باتیں جھوٹے طور پر ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کو داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے اور پھر تم میں سے کوئی اس کو بچا نہ سکتا۔

استدلال:

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے وحی والہام کو مخلوق کے سامنے پیش کرنے کے بعد تیس سال کی لمبی مہلت پانا اور اتنا لمبا عرصہ ہلاکت سے بچے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اپنے وحی والہام کے دعویٰ میں جھوٹے نہیں۔

چونکہ دلیل کی قوت عام ہوتی ہے گو مدلول اس کا اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے ہر وہ شخص جو بناوٹ سے خدا کی طرف وحی منسوب کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتا رہے وہ تیس سال کی مہلت نہیں پاسکتا بلکہ جان سے مارا جاتا ہے اور بناوٹی وحی کا دعویٰ اتنا خطرناک ہے کہ اگر کوئی بعض باتیں بھی خدا کی طرف منسوب کرے تو وہ پکڑا جاتا ہے اور خدا کی اس گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

اگر اس دلیل کو صرف آنحضرت کے منکرین کے لئے حجت قرار دیا جائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس معیار پر نہ پرکھا جائے تو مخالفین اسلام کے سامنے اس دلیل کا کوئی وزن نہیں رہتا اور وہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی جھوٹا دعویٰ الہام کر کے تیس سال سے بھی زیادہ مہلت پا چکے ہیں تو پھر یہ دلیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی کیسے ہو سکتی ہے؟

پس اس دلیل کے ہوتے ہوئے مسیح موعود علیہ السلام کا انکار قرآن مجید کے ماننے والوں کو جائز نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب اربعین میں بڑی تحدی سے اس دلیل کو لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”اگر یہ بات صحیح ہے کہ کوئی شخص نبی یا رسول اور مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے اور کھلے کھلے طور پر خدا کے نام پر کلمات لوگوں کو سنا کر پھر باوجود مفتری ہونے کے برابر تیس برس تک جو زمانہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے زندہ رہا ہے تو میں ایسی نظیر پیش کرنے والے کو بعد اس کے جو مجھے میرے ثبوت کے موافق یا قرآن کے ثبوت کے موافق ثبوت دے دے دے پانسو روپیہ نقد دے دوں گا۔“

(اربعین نمبر 3۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 402)

ب: اس آیت کی تفسیر میں علامہ فخر الدین الرازی تحریر فرماتے ہیں:-

هَذَا ذِكْرُهُ عَلَى سَبِيلِ التَّمْثِيلِ بِمَا يَفْعَلُهُ الْمُلُوكُ بِمَنْ يَتَكَذَّبُ عَلَيْهِمْ فَإِنَّهُمْ لَا يُمَهِّلُونَهُ بَلْ يَضْرِبُونَ رَقَبَتَهُ فِي الْحَالِ.
(تفسیر کبیر جلد 8 زیر آیت لہذا صفحہ 291)

ترجمہ: اس آیت میں مفتری کی حالت تمثیلاً بیان کی گئی ہے کہ اس سے وہی سلوک ہوگا جو بادشاہ ایسے شخص سے کرتے ہیں جو ان پر جھوٹ باندھتا ہے۔ وہ اس کو مہلت نہیں دیتے بلکہ فی الفور قتل کرواتے ہیں (گویا یہی حال مفتری علی اللہ کا ہوتا ہے اس کو لمبی مہلت نہیں ملتی۔ ناقل)

ج: اہل سنت کی مستند کتاب شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے:

فَإِنَّ الْعَقْلَ يَجْزِمُ بِامْتِنَاعِ اجْتِمَاعِ هَذِهِ الْأُمُورِ فِي غَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ فِي حَقِّ مَنْ يُعْلَمُ أَنَّهُ يَفْتَرِي عَلَيْهِ ثُمَّ يُمَهِّلُهُ ثَلَاثًا وَعَشْرِينَ سَنَةً.
(شرح عقائد نسفی مجتہانی صفحہ 100)

ترجمہ: عقل اس بات پر کامل یقین رکھتی ہے کہ یہ امور (معجزات اور اخلاق عالیہ وغیرہ) غیر نبی میں نہیں پائے جاتے۔ نیز یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ یہ باتیں کسی مفتری میں جمع نہیں کرتا اور یہ بھی کہ پھر اس کو تینیس برس مہلت نہیں دیتا۔

و: علامہ امام ابن قیم علیہ الرحمۃ نے ایک عیسائی کے سامنے یہی دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا:

وَهُوَ مُسْتَمِرٌّ فِي الْإِفْتِرَاءِ عَلَيْهِ ثَلَاثَةَ وَعِشْرِينَ سَنَةً وَهُوَ مَعَ ذَلِكَ يُؤَيِّدُهُ.
(زاد المعاد جلد 1 صفحہ 500)

ترجمہ: یہ کس طرح ممکن ہے کہ جسے تم مفتری قرار دیتے ہو وہ مسلسل تینیس برس تک اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ بایں ہمہ اس کو ہلاک کرنے کی بجائے اس کی تائید کرے۔

نوٹ: تَقْوَلْ کا لفظ باب تَفْعَلْ سے ہے اس کے مصدر تَقْوَلْ میں بناوٹ کا خاصہ پایا جاتا ہے۔ پس مجنون اور ماؤف الدماغ کی باتیں جو وہ خدا کی طرف منسوب کر کے کہے تَقْوَلْ کے ذیل میں نہیں آتیں۔ مجنون سے خدا کا یہ معاملہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی باتوں میں ناکام اور نامراد رہتا ہے اور دنیا میں کوئی نیک انقلاب پیدا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مدعیان الوہیت کیلئے بھی یہ معیار نہیں۔

دلیل ششم:

عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ۖ إِلَّا مَنِ

ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ. (الجن: 27، 28)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ پس وہ اپنے غیب پر کسی کو (دوسرے لوگوں کے مقابل) کیت و کیفیت میں غلبہ نہیں دیتا۔ بجز اس شخص کے جو اس

کا برگزیدہ رسول ہو۔

غیبہ سے مراد خالص غیب ہے جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوتا۔ اسی غیب کے متعلق وہ فرماتا ہے۔ وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (الانعام: 60) یعنی غیب کی کنجیاں خدا تعالیٰ کے پاس ہیں اور غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پس جس شخص کو خالص غیب پر جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے اطلاع دی جائے صاف ظاہر ہوگا کہ اس کے لئے غیب کا خزانہ غیب کی چابیوں سے خدا نے خود کھولا ہے کوئی شخص ایسے خزانے کو خدا سے چر نہیں سکتا۔ پس جس شخص کو بکثرت امور غیبیہ پر اطلاع دی جائے اور وہ خبریں بھی عظیم الشان ہوں اور آفاق و انفس سے تعلق رکھتی ہوں اور وہ وقوع میں بھی آجائیں تو یہ امور غیبیہ یا بالفاظ دیگر پیشین گوئیاں اس شخص کے منجانب اللہ ہونے پر الٰہی شہادت ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَتُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۖ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۚ

(حم السجدة : 54)

ترجمہ: ہم ان لوگوں کو تمام اطراف عالم میں بھی ضرور اپنے نشان دکھائیں گے اور خود ان کی جانوں (خاندانوں) میں بھی یہاں تک کہ ان کے لئے بالکل ظاہر ہو جائے گا کہ یہ (قرآنی وحی) حق ہے۔ کیا تیرے رب کا ہر چیز پر نگران ہونا ان کے لئے کافی نہیں۔

پس مامور من اللہ کے ذریعہ نشانات دو قسم کے ظاہر ہوتے ہیں۔ کچھ اطراف عالم سے تعلق رکھتے ہیں کچھ نفوس انسانی سے۔

مسیح موعود علیہ السلام کو دونوں قسم کے نشانات دیئے گئے جن میں سے بارہ نشانات جو امور غیبیہ پر مشتمل ہیں ہم ذرا تفصیل سے لکھ رہے ہیں ویسے آپ کے ذریعہ صد ہا غیب کی اخبار دی گئی ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہو کر خدا تعالیٰ کی ہستی اور آپ کی صداقت پر گواہ ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ ان کے مطالعہ کے لئے **ہیئتہ الوحی، تریاق القلوب اور نزول المسیح** کی کتب بہت مفید ہیں۔

پہلی پیشگوئی:

لیکھرام ایک نہایت ہی گندہ دہن، مفسد اور خدا اور اسکے رسول کا شدید دشمن آریہ پنڈت تھا جو آریہ سماج کا مذہبی لیڈر سمجھا جاتا تھا۔ سرور انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تحقیر کرنا اور حضور علیہ السلام کو گالیاں دینا اس کا اہم ترین مشغلہ تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے کئی مرتبہ سمجھایا اور تنبیہ کی کہ وہ اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدزبانی اور کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کی توہین و تحقیر اور استہزاء سے باز آ جائے مگر اس نے آپ کی تنبیہات اور نصائح سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا اور اپنی گندہ دہنی اور اسلام دشمنی میں دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک الہامی تنبیہ اور وارننگ کے طور پر اُسے مخاطب کر کے فرمایا:

اے دشمن نادان و بے راہ

بترس از تیغ بُران محمدؐ

یعنی اے نادان اور گمراہ دشمن! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کاٹنے

والی تلوار سے ڈر۔

مگر اس نے اس وعید سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور بدستور بدزبانی اور اسلام

دشمنی میں مصروف رہا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غیر مسلموں کو نشانِ نمائی کی دعوت دی تو پنڈت لیکھرام بھی مقابلہ کے لئے قادیان آیا مگر کچھ عرصہ مخالفوں کے پاس قیام کر کے اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ میرے حق میں جو چاہو پیشگوئی شائع کر دو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ (اشہار 20 فروری 1893ء) چنانچہ حضرت اقدسؑ نے اس کی شوخ طبیعت اور نشانِ نمائی کے مطالبہ کے پیش نظر اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے خاص دعا فرمائی جس کے جواب میں یہ الہام ہوا:-

عَجَلْ جَسَدَ لَهْ خُوَارْ. لَهْ نَصَبْ وَعَذَابْ

یعنی یہ صرف ایک بے جان گوسالہ ہے جس کے اندر سے ایک مکروہ آواز نکل رہی ہے اور اس کے لئے ان گستاخیوں اور بدزبانیوں کے عوض میں سزا اور رنج اور عذاب مقدر ہے جو ضرور اس کو مل کر رہے گا۔“

(اشہار 20 فروری 1893ء)

اس کے بعد جب حضرت اقدس علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے اس پر اس عذاب کا وقت معلوم کرنے کے لئے توجہ فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر فرمایا کہ:-

”آج کی تاریخ سے جو 20 فروری 1893ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بدزبانیوں کی سزا میں یعنی اُن بے ادبیوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی ہیں۔ عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا۔“

(اشہار 20 فروری 1893ء)

آپ کو اس کے متعلق ایک الہام بھی ہوا کہ:-

يُقْضَىٰ أَمْرُهُ فِي سِتٍّ - (استفتاء اردو۔ روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 125 حاشیہ)

”کہ اس کا معاملہ چھ میں ختم ہو جائے گا۔“

پھر 2 اپریل 1893ء کو حضور نے تحریر فرمایا:-

”آج جو 2 اپریل 1893ء مطابق 14 ماہ رمضان 1310ھ

ہے۔ صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ میں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں۔ اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اس کے چہرہ سے خون ٹپکتا ہے۔ میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شامل کا شخص ہے..... اور میں اس کو دیکھتا ہی تھا کہ اس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے اور ایک اور شخص کا نام لیا کہ وہ کہاں ہے۔ تب میں نے اس وقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور اُس دوسرے شخص کی سزا دی کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں رہا کہ وہ دوسرا شخص کون ہے۔“ (برکات الدعار وحانی خزائن جلد 6 صفحہ 33)

اسی طرح آپ نے اپنی کتاب کرامات الصادقین میں لکھا

وَبَشَّرَنِي رَبِّي وَقَالَ مُبَشِّرًا

سَتَعْرِفُ يَوْمَ الْعِيدِ وَالْعِيدُ أَقْرَبُ

یعنی مجھے لیکھرام کی موت کی نسبت خدا نے بشارت دی اور کہا کہ

عنقریب تو اس عید کے دن کو پہچان لے گا اور اصل عید کا دن بھی اس عید کے قریب ہوگا۔

پنڈت لیکھرام نے آپ کی ان پیشگوئیوں اور وعید سے نہ صرف کوئی فائدہ

نہ اٹھایا بلکہ اپنی شوخی اور شرارت میں بڑھتا گیا اور اس نے خود اپنی طرف سے بھی حضرت اقدس علیہ السلام کے متعلق پیشگوئی شائع کر دی کہ:-

یہ شخص تین سال کے اندر ہیضہ سے مر جائے گا کیونکہ (نعوذ باللہ)

کذاب ہے۔ (تکذیب براہین احمدیہ صفحہ 311)

لیکن ہوا وہی جو اسلام کے سچے خدا نے اپنے مسیح پر الہام کیا تھا یعنی خدا کے مامور کی پیشگوئی پوری ہوئی اور پیشگوئی کی میعاد کے اندر جیسا کہ الہام میں بتایا گیا تھا **قُضِيَ أَمْرُهُ فِي بَسْتٍ** یعنی پنڈت لیکھرام کا معاملہ چھ سال کے اندر اندر ختم کر دیا جائے گا۔ وہ عید الاضحیہ کے دوسرے روز 6 مارچ 1897ء کو شام کے چھ بجے کسی نامعلوم قوی ہیکل شخص کے ہاتھ سے گویا کہ وہ ملائکہ شداد و غلاظ میں سے تھا قتل ہو گیا۔ عین چھ بجے شام کو قاتل نے اسے کاری زخم لگایا اور اس کی انٹریوں میں ایسے چھرا گھمایا کہ وہ یک لخت ایک گوسالہ کی طرح ہائے کرتا ہوا چلا یا جس کے بعد پھر اس پر آپریشن کی چھری بھی پھیری گئی اور آخر کار ساری رات دردناک عذاب میں مبتلا رہ کر صبح کو مر گیا اور اس طرح پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر گواہ ٹھہرا۔

دوسری پیشگوئی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اصل کام اسلام کو جملہ مذاہب عالم پر غالب کر دکھانا تھا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کئی مواقع بہم پہنچائے اور آپ نے مختلف طریقوں سے دنیا پر اسلام کی حقانیت اور سچائی اور برتری ثابت کر دکھائی۔

عرصہ سے حضرت اقدس کی خواہش تھی کہ بڑے وسیع پیمانے پر کسی ایسے عالمگیر جلسے کا انعقاد ہو جس میں تمام مذاہب کے لیڈر اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کریں تاکہ دنیا یہ معلوم کر سکے کہ کونسا مذہب فی الحقیقت برتر اور دیگر مذاہب کے مقابل پر افضل و اعلیٰ ہے۔ چنانچہ حضور کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ

نے ایک زریں موقع اس طرح مہیا فرمادیا کہ 1896ء میں لاہور کے بعض معززین نے ایک مذہبی کانفرنس منعقد کرنے کا انتظام کر کے حضرت اقدس علیہ السلام کو بھی اس میں شمولیت اور اسلام کی خوبیاں بیان کرنے کی دعوت دی۔ تقریروں کے لئے حسب ذیل پانچ سوالوں کے جوابات تجویز کئے گئے۔

- 1: انسان کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتیں
- 2: انسان کی دنیوی زندگی کے بعد کی حالت
- 3: دنیا میں انسان کی ہستی کی غرض کیا ہے اور وہ غرض کس طرح پوری ہو سکتی ہے۔
- 4: کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے۔
- 5: علم یعنی گیان و معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں؟

جلسہ کے انعقاد کے لئے لاہور میں انتظام کیا گیا۔ 26، 27، 28 دسمبر تاریخیں مقرر کی گئیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس میں شرکت کی دعوت قبول فرما کر ایک لمبا مضمون اسلام کی حقانیت پر لکھنا شروع کیا۔ ابھی آپ مضمون لکھ ہی رہے تھے کہ آپ کو الہام بتایا گیا کہ آپ کا مضمون سب سے بالا رہے گا اور دیگر مذاہب کے وہاں پڑھے جانے والے سب مضامین پر غالب رہے گا۔ چنانچہ آپ نے اس وحی الہی اور بشارت کی اشاعت کے لئے مورخہ 21 دسمبر 1896ء کو (یعنی جلسہ مذاہب سے پانچ چھ روز قبل) ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں یہ پیشگوئی فرمائی کہ

”مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ کہ حاضر ہوں اور اس کو اول سے آخر تک سنیں شرمندہ ہو جائیں گی اور ہرگز قادر نہیں ہوں گے کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں خواہ

وہ عیسائی ہوں خواہ آریہ، خواہ سنا تن دھرم والے یا کوئی اور۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اس پاک کتاب (قرآن کریم) کا جلوہ ظاہر ہو۔ میں نے عالم کشف میں اس کے متعلق دیکھا کہ میرے محل پر غیب سے ایک ہاتھ مارا گیا اور اس کے چھونے سے اس محل میں سے ایک نورِ ساطعہ نکلا جو ارد گرد پھیل گیا اور میرے ہاتھوں پر بھی اس کی روشنی پڑی۔ تب ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا وہ بلند آواز سے بولا اللہ اکبر خربت خیبر اس کی یہ تعبیر ہے کہ اس محل سے میرا دل مراد ہے جو جائے نزول و حلول انوار ہے اور وہ نورانی معارف ہیں اور خیبر سے مراد تمام خراب مذہب ہیں جن میں شرک اور باطل کی ملوثی ہے اور انسان کو خدا کی جگہ دی گئی..... سو مجھے بتلایا گیا کہ اس مضمون کے خوب پھیلنے کے بعد جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ کھل جائیگا۔ اور قرآنی سچائی دن بدن زمین پر پھیلتی جائے گی جب تک کہ اپنا دائرہ پورا کر لے۔ پھر میں اس کشفی حالت سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے یہ الہام ہوا اِنَّ اللّٰهَ مَعَكَ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْمُ اَيْنَمَا قُمْتَ ليعنى خدا تیرے ساتھ ہے اور خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہو یہ حمایت الہی کے لئے ایک استعارہ ہے۔

(تبلیغ رسالت حصہ پنجم صفحہ 78، 79 اشتہار مورخہ 21 دسمبر 1896ء)

یہ اشتہار جو ایک زبردست پیشگوئی پر مشتمل تھا تمام ہندوستان میں پھیلا یا گیا اور لاہور میں اسکی خاص طور پر زیادہ سے زیادہ اشاعت کی گئی اور جلسہ شروع ہونے سے پہلے پہلے سب متعلقہ مقررین اور منتظمین تک بھی پہنچا دیا گیا جن میں سے اکثر غیر مسلم اور اسلام کے مخالف تھے۔

جلسہ میں حضرت اقدس کی تقریر کے لئے وقت ڈیڑھ بجے بعد دوپہر سے

ساڑھے تین بجے تک تھا۔ آپ کے صحابی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے مضمون پڑھنا شروع کیا۔ سامعین پر عجیب کیفیت طاری تھی ہر طرف سے تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہونے لگے۔ جب تقریر کا مقررہ وقت گزر گیا اور تقریر ختم نہ ہوئی تو ہزاروں کی تعداد میں جمع شدہ سب حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا کہ اس مضمون کو ختم کرنے کے لئے وقت بڑھایا جائے کیونکہ اسے ہم نے ضرور سننا ہے خواہ اس کے لئے کانفرنس کا ایک دن زائد کرنا پڑے۔ چنانچہ منتظمین مجبور ہو گئے کہ محض اس مضمون کی خاطر 29 دسمبر کا دن بڑھا دیں۔ اس کے لئے اگلے دن بھی سنائے جانے کا اعلان کیا گیا۔ چنانچہ دوسرے روز سامعین کی تعداد پہلے سے بھی زیادہ تھی جنہوں نے نہایت شوق اور انہماک سے ساری تقریر سنی۔

تقریر کے آخر پر کانفرنس کے صدر صاحب (جو کہ ایک ہندو لیڈر تھے) کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ ”یہ مضمون تمام مضمونوں سے بالا رہا۔“

اس کے علاوہ لاہور کے مختلف اخبارات نے بھی تسلیم کیا کہ حضرت اقدس کا یہ مضمون سب مضمونوں پر غالب و بالا رہا ہے۔ چنانچہ مشہور انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے اس عالمی کانفرنس کی روداد میں لکھا کہ :

”سب مضمونوں میں سے زیادہ توجہ اور دلچسپی سے مرزا غلام احمد قادیانی کا مضمون سنا گیا جو اسلام کے بڑے بھاری موید اور عالم ہیں اس لیکچر کو سننے کے لئے ہر مذہب و ملت کے لوگ کثرت سے جمع تھے..... مضمون قریباً ساڑھے تین گھنٹے تک پڑھا گیا اور گویا ابھی پہلا سوال ہی ختم ہوا تھا۔ لوگوں نے اس مضمون کو ایک وجد اور محویت کے عالم میں سنا اور پھر کمیٹی نے اس کے لئے جلسہ کی تاریخوں میں 29 دسمبر کی زیادتی کر دی۔“

تیسری پیشگوئی:-

امریکہ میں ایک شخص ڈاکٹر جان الیگزینڈر ڈوئی کے نام سے مشہور تھا جس نے 1899ء میں پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا اور بزعم خود یورپ اور امریکہ کی عیسائی اقوام کی اصلاح اور انہیں سچا عیسائی بنانے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ امریکہ کا ایک مشہور اور متمول شخص تھا اس نے 1901ء میں ایک شہر صیون (ZION) آباد کیا جو اپنی خوبصورتی، وسعت اور عمارات کے لحاظ سے تھوڑے ہی عرصہ میں امریکہ کے مشہور شہروں میں شمار ہونے لگا۔ جہاں سے ڈوئی کا اپنا اخبار لیوز آف ہیلنگ بڑی شان اور آب و تاب سے نکلنا شروع ہو گیا۔ اس اخبار نے ڈوئی کی شہرت اور نیک نامی کو چار چاند لگا دیئے اور لوگ جوق در جوق اس کے مرید ہونے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے اس قدر شہرت اور اہمیت حاصل کر لی کہ شکاگو کے پروفیسر فرینکلن جانسن ڈوئی کے حالات زندگی کی کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں

”گزشتہ بارہ برس کے زمانے میں کم ہی ایسے شخص گزرے ہیں جنہوں نے امریکن اخباروں میں اس قدر جگہ حاصل کی جس قدر کہ جان الیگزینڈر ڈوئی نے“

الغرض ڈاکٹر الیگزینڈر ڈوئی کو امریکہ میں جلد ہی بہت شہرت کا مقام حاصل ہو گیا۔ یہ شخص اسلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا اور ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ جس طرح سے بھی ہو سکے اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ چنانچہ اس نے اپنے اخبار میں لکھا:-

”میں امریکہ اور یورپ کی عیسائی اقوام کو خبردار کرتا ہوں کہ اسلام مردہ نہیں ہے اسلام طاقت سے بھرا ہوا ہے مگر اسلام کو ضرور نا بود ہونا

چاہیے۔ محمدؐ ن ازم کو ضرور تباہ ہونا چاہیے مگر اسلام کی بربادی نہ تو مضحکہ لاطینی عیسویت کے ذریعہ ہو سکے گی اور نہ بے طاقت یونانی عیسویت کے ذریعہ اور نہ ان لوگوں کی تھکی ماندی عیسویت کے ذریعہ سے جو مسیح کو صرف برائے نام مانتے ہیں۔“ (لیو آف ہیلنگ 25 اگست 1900ء)

مطلب اس کا یہ تھا کہ اسلام کی تباہی خود اس کے ذریعہ سے ہوگی۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو جب اس شخص کے دعاوی کا علم ہوا تو آپ نے 8 اگست 1902ء کو ایک چٹھی لکھی جس میں حضرت مسیح کی وفات اور سرینگر کشمیر میں ان کی قبر کا ذکر کرتے ہوئے اسے مبالغہ کا چیلنج دیا اور لکھا کہ:-

”غرض ڈوئی بار بار کہتا ہے کہ عنقریب یہ سب ہلاک ہو جائیں گے بجز اس گروہ کے جو یسوع مسیح کی خدائی مانتا ہے اور ڈوئی کی رسالت۔ اس صورت میں یورپ و امریکہ کے تمام عیسائیوں کو چاہیے کہ وہ بہت جلد ڈوئی کو مان لیں تاہلاک نہ ہو جائیں..... ہم ڈوئی کی خدمت میں بہ ادب عرض کرتے ہیں کہ اس مقدمہ میں کروڑوں مسلمانوں کو مارنے کی کیا ضرورت ہے ایک سہل طریق ہے جس سے اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ آیا ڈوئی کا خدا سچا خدا ہے یا ہمارا خدا۔ وہ بات یہ ہے کہ ڈوئی صاحب تمام مسلمانوں کو بار بار موت کی پیشگوئی نہ سنائیں بلکہ ان میں سے صرف مجھ اپنے ذہن کے آگے رکھ کر یہ دعا کریں کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے۔

(ریویو آف ریلجنز اردو دسمبر 1902ء)

ڈوئی نے تو حضرت اقدس کے اس چیلنج مبالغہ کا کوئی جواب نہ دیا مگر امریکہ کے اخبارات نے اس چیلنج کا ذکر اچھے ریمارکس کے ساتھ کیا۔ چنانچہ ایک اخبار ارگوناٹ سان فرانسسکو نے یکم دسمبر 1902ء کی اشاعت میں بعنوان ”اسلام

وعیسائیت کا مقابلہ دعا“ لکھا کہ :-

”مرزا صاحب کے مضمون کا خلاصہ جو انہوں نے ڈوئی کو لکھا یہ ہے کہ
..... ہم میں سے ہر ایک اپنے خدا سے یہ دعا کرے کہ ہم میں سے جو جھوٹا
ہے خدا سے ہلاک کرے۔ یقیناً یہ ایک معقول اور منصفانہ تجویز ہے۔“
جب ڈوئی نے حضور کو کوئی معقول جواب نہ دیا اور مباہلہ پر آمادگی کا اظہار
بھی نہ کیا تو حضور نے 1903ء میں ایک چٹھی کے ذریعہ اپنے مباہلہ کے چیلنج کو پھر
دہرایا اور لکھا کہ :-

”میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں اور وہ جیسا کہ بیان کرتا ہے پچاس
برس کا جوان ہے جو میری نسبت گویا ایک بچہ ہے، لیکن میں نے اپنی بڑی عمر
کی کچھ پرواہ نہیں کی کیونکہ اس مباہلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہوگا
بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا مالک اور احکم الحاکمین ہے وہ اس کا فیصلہ کرے گا
اور اگر مسٹر ڈوئی اس مقابلہ سے بھاگ گیا..... پس یقین سمجھو کہ اس کے
صیغون پر جلد تر ایک آفت آنے والی ہے۔“

(اشتہار مؤرخہ 23 اگست 1903ء۔ مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 607 مطبوعہ نظارت اشاعت ربوہ)

”مسیح موعود علیہ السلام کے اس چیلنج کا تذکرہ امریکہ کے بہت سے اخبارات
میں ہوا جن میں سے 32 اخبارات کے مضامین کا خلاصہ حضرت اقدس نے
تتمہ حقیقۃ الوحی میں درج فرمایا ہے۔ آخر جب پبلک نے ڈوئی کو بہت تنگ کیا اور
جواب دینے پر مجبور کیا تو اس نے اپنے اخبار کے دسمبر کے پرچے میں لکھا کہ :-

”ہندوستان کا ایک بے وقوف محمدی مسیح مجھے بار بار لکھتا ہے کہ یسوع مسیح
کی قبر کشمیر میں ہے اور لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو کیوں اس شخص کو جواب نہیں
دیتا مگر کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان مجھروں اور مکھیوں کا جواب دوں

گا۔ اگر میں ان پر اپنا پاؤں رکھوں تو ان کو کچل کر مار ڈالوں گا۔“

حضرت اقدس علیہ السلام کو جب ڈوئی کی اس گستاخی اور بے ادبی اور شوخی اور شرارت کی اطلاع ملی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس فیصلہ میں کامیابی کیلئے زیادہ توجہ اور الحاج سے دعائیں کرنا شروع کر دیں۔

اس دوران ڈوئی امریکہ و یورپ میں بہت شہرت اور ناموری حاصل کرتا جا رہا تھا اور صحت کے لحاظ سے بھی وہ بھرے جلسوں میں اکثر اپنی شاندار صحت، جوانی اور عروج پر فخر کیا کرتا تھا مگر اسلام کا خدا اسے تمام دنیا میں مشہور کرنے کے بعد ذلیل و رسوا کرنا چاہتا تھا تا دنیا کو پتہ لگ جائے کہ خدا کے ماموروں کے مقابلہ پر آنے والوں کا خواہ وہ کتنی ہی عظیم شخصیت کے مالک ہوں کیا حشر ہوتا ہے؟

آخر کار خدائی پیشگوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر اس پر شدید فالج کی صورت میں نازل ہوا اور اس پر عین اس وقت فالج کا حملہ ہوا جبکہ وہ اپنے عالی شان و خوبصورت شہر صیون میں ہزاروں کے مجمع کو مخاطب کر رہا تھا اور اپنے شہر کے مالی بحران کو دور کرنے کیلئے میکسیکو میں کوئی بہت بڑی جائیداد خریدنے کا منصوبہ اپنے مریدوں کے سامنے رکھ رہا تھا تا کہ ان سے قرض حاصل کر کے وہ منصوبہ مکمل کرے۔

چنانچہ دورانِ تقریر میں ہی خدائے منتقم اور قادر و قیوم نے اس کی اس زبان کو بند کر دیا جس سے وہ آنحضرتؐ کے خلاف بدزبانی کیا کرتا تھا آخر اس نے بحالی صحت کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ شہر بہ شہر پھر کر علاج کروا تا رہا مگر جس شخص کو وہ صیون میں اپنا نائب مقرر کر گیا تھا اسی نے بعد میں اعلان کر دیا کہ ڈوئی چونکہ غرور، تعالیٰ، فضول خرچی اور عیاشی اور لوگوں کے پیسوں پر تعیش کی زندگی بسر کرنے کا مجرم ہے اس لئے وہ اب ہمارے چرچ کی قیادت کرنے کیلئے قطعاً نااہل

ہے۔ صیون شہر اور اس کی رونق بھی آہستہ آہستہ کم ہونے لگی اور ڈوئی پر کئی لاکھ روپے کے غبن کا الزام لگایا گیا اور چرچ سے اس کو کلیتاً بے دخل اور علیحدہ کر دیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں اس کی صحت دن بدن خراب ہوتی چلی گئی اور بقول اس کے ایک مرید مسٹر لنڈز کے ان دنوں وہ نہ صرف فالج بلکہ دماغی فتور اور کئی اور بیماریوں کا شکار ہو گیا۔ بیماری کے دنوں میں اسے نہ صرف اس کے مریدوں بلکہ اس کے اہل و عیال نے بھی اسے چھوڑ دیا اور صرف دو تنخواہ دار جہشی اس کی دیکھ بھال کیا کرتے اور ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جاتے تھے۔ جس کے دوران اس کا پتھر جیسا بھاری جسم کبھی کبھی ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر جا گرتا تھا۔

ڈوئی اس قسم کی ہزاروں مصیبتیں سہتا ہوا آخر 9 مارچ 1907ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق نہایت ذلت کی حالت میں اس جہان سے رخصت ہوا۔ اس کے بیوی بچے اس سے اس قدر بدظن اور بے رغبت ہوئے کہ اس کے جنازے میں بھی شامل نہ ہوئے اور اس کی موت کے بعد اس کے گھر سے شراب کی بوتلیں اور کنواری لڑکیوں سے عاشقانہ رنگ کی خط و کتابت بھی برآمد ہوئی۔ غرضیکہ پیشگوئی کے مطابق بڑی ذلت و رسوائی سے اس کا خاتمہ ہوا اور اسلام کا ایک بہت بڑا دشمن اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر گیا۔

چوتھی پیشگوئی-----طاعون:-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 6 فروری 1898ء کو کشف میں دیکھا کہ:-

”خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاہ کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے

پودے لگا رہے ہیں اور وہ درخت نہایت بد شکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک

اور چھوٹے قد کے ہیں۔“ (تذکرہ صفحہ 262 مطبوعہ 2004ء)

آگے حضور فرماتے ہیں کہ

”میں نے بعض لگانے والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو

انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں

پھیلنے والی ہے۔“ (تذکرہ صفحہ 262 مطبوعہ 2004ء)

اس پیشگوئی کی اشاعت کے لئے آپ نے اسی روز ایک اشتہار شائع

فرمایا جس میں لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ چونکہ اس پیشگوئی کے مطابق عنقریب نہایت

وسیع پیمانے پر طاعون پھیلنے والی ہے اس لئے طاعون کے ایام میں بہتر ہوگا کہ لوگ

اپنی بستیوں سے باہر کھلے میدان میں قیام کریں۔ چونکہ اس اشتہار کے شائع ہونے

کے وقت ملک میں طاعون کا نام و نشان بھی نہیں تھا اور بظاہر اس کے پھیلنے کا کوئی

امکان نظر نہیں آتا تھا اس لئے علماء حضرات اور حضورؐ کے مکذبین اور مکفرین کو

حضور کے خلاف شور مچانے اور استہزاء کرنے کا ایک اور موقع میسر آ گیا۔ چنانچہ تحریر

و تقریر کے ذریعہ اس پیشگوئی کے خلاف خوب ہنسی اڑائی گئی۔

پیسہ اخبار نے جو اس وقت کے مشہور اخباروں میں سے تھا لکھا:-

”مرزا اسی طرح سے لوگوں کو ڈرایا کرتا ہے۔ دیکھ لینا خود اسی کو طاعون ہوگی“

آخر حضور کی پیشگوئی کے مطابق اس کے چند ماہ کے بعد پہلے جالندھر اور

ہوشیار پور کے اضلاع میں طاعون پھوٹی اور پھر اس نے اس قدر زور پکڑا کہ

گورنمنٹ کو انتظام کرنا مشکل ہو گیا۔ لیکن چونکہ ابھی اس نے دوسرے علاقوں میں

پوری طرح زور نہیں پکڑا تھا اس لئے شقی القلب علماء اور عوام نے بجائے اس وعید

سے فائدہ اٹھانے اور توبہ و استغفار سے کام لینے کے تکذیب و تمسخر کی راہ اختیار کی

جس پر کچھ عرصہ بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازراہ ہمدردی پھر ایک اشتہار

طاعون کے عنوان سے 17 مارچ 1901ء کو شائع فرمایا جس میں اپنی مذکورہ بالا پیشگوئی یاد دلانے کے بعد حضورؐ نے لکھا:-

”سوا بے عزیزو! اسی غرض سے پھر یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ سنبھل جاؤ اور خدا سے ڈرو اور ایک پاک تبدیلی دکھلاؤ تا خدا تم پر رحم کرے اور وہ بلا جو بہت نزدیک آگئی ہے خدا اس کو نابود کرے۔ اے غافلو! یہ ہنسی اور ٹھٹھے کا وقت نہیں ہے۔ یہ وہ بلا ہے جو آسمان سے آتی اور صرف آسمان کے خدا کے حکم سے دور ہوتی ہے۔“

(مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 500۔ اشتہار مورخہ 17 مارچ 1901ء)

آخر جب آپ کی ان تنبیہات سے لوگوں نے کچھ فائدہ نہ اٹھایا اور نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ اپنی سرکشی اور بے باکی میں بڑھتے گئے تو خدائے ذوالجلال کا غضب اور بھڑکا اور 1902ء میں طاعون نے اس قدر زور پکڑا کہ لوگ کتوں کی طرح مرنے لگے اور گھروں کے گھر خالی ہو گئے اور لاشیں گھروں میں سڑنے لگیں کیونکہ طاعون کی دہشت کی وجہ سے کوئی انہیں اٹھا کر دفن کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا اور جو جرأت کرتا بھی تھا تو وہ کثرت و شدت مرض کی وجہ سے ایک انار اور صد بیمار کا مصداق ہوتا تھا۔

یہ حالات دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رحیم و کریم دل میں پھر خلق خدا کی بھلائی نے جوش مارا اور ایک مرتبہ پھر حضور نے ہدایات الہیہ کی روشنی میں دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء کے نام سے ایک رسالہ شائع فرمایا جس میں ایک تو ظاہری صفائی کی تلقین فرمائی اور دوسرے طاعون کے حملوں کے اصل اور حقیقی علاج کی طرف توجہ دلائی کہ وہ لوگ اپنے گناہوں اور شرارتوں سے توبہ کر کے اپنے خالق و مالک حقیقی سے سچی صلح کریں۔ اسی کتاب میں آپ نے لوگوں کو وہ الہام بھی

یاد دلایا جسے آپ 26 مئی 1898ء کے اشتہار میں شائع فرما چکے تھے کہ:-

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرَ أَوَامِلَهُمْ إِنَّهُ
أَوَى الْقَرْيَةَ.

یعنی خدا نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس بلائے طاعون کو ہرگز دور نہیں کرے گا جب تک لوگ ان خیالات کو دور نہ کر لیں جو ان کے دلوں میں ہیں یعنی جب تک وہ خدا کے مامور اور رسول کو مان نہ لیں تب تک طاعون دور نہیں ہوگی اور وہ قادر خدا قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھے گا تا تم سمجھو کہ قادیان اسی لیے محفوظ رکھی گئی ہے کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔ (دافع البلاء روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 225، 226)

غور کا مقام ہے کہ ایک شخص جسے لوگ نعوذ باللہ کذاب اور دجال کہتے تھے وہ ملک میں طاعون کی آمد سے چار سال قبل جبکہ اس موذی مرض کا نام و نشان بھی اس ملک میں موجود نہ تھا طاعون کی خبر دیتا ہے پھر ایسے وقت میں جب کہ مرض پوری شدت کے ساتھ ملک میں پھیل گئی اور لوگ کتوں کی طرح مرنے لگے اپنی اور اپنے اہل و عیال اور اپنے گھر اور اپنے مولد و مسکن کی عصمت و حفاظت کی الہامی خبر ان الفاظ میں دیتا ہے اِنِّىْ اُحَافِظُ كُلَّ مَنْ فِى الدَّارِ وَ اُحَافِظُكَ خَاصَّةً۔ (تذکرہ صفحہ 350 مطبوعہ 2004ء) جو لوگ تیرے گھر کی چار دیواری میں ہوں گے میں انکی خود حفاظت کروں گا اور تیری خاص طور پر حفاظت کروں گا۔ پھر یہی نہیں بلکہ اپنے مخالفین کو چیلنج کرتا ہے کہ اگر ان کا بھی خدا تعالیٰ سے کچھ تعلق ہے تو وہ بھی اس قسم کا دعویٰ شائع کر کے دیکھ لیں اگر ان کے مساکن طاعون سے محفوظ رہے تو میں ان کو اولیاء اللہ میں سمجھ لوں گا مگر ہوا وہی جس کی اللہ تعالیٰ نے پہلے خبر دی تھی۔ یعنی خود آپ اور آپ کے اہل و عیال اور آپ کے

گھر میں رہنے والے 80 کے قریب افراد حضورؐ کی پیشگوئی کے مطابق طاعون سے محفوظ رہے اور قادیان کو بھی طاعون کی خوفناک تباہی سے خدا تعالیٰ نے نسبتاً محفوظ رکھا اور دوسری طرف آپ کے مخالفین میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس میدانِ مقابلہ میں قدم رکھے۔ پس یہ پیشگوئی بھی آپ کے مامور من اللہ ہونے کی واضح اور بین دلیل ہے۔

پانچویں پیشگوئی-----آہ نادر شاہ کہاں گیا:-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو 3 مئی 1905ء کو ایک رؤیا ہوا: فرمایا:-
صبح کے وقت لکھا ہوا دکھایا گیا ”آہ نادر شاہ کہاں گیا۔“
(تذکرہ صفحہ 461 مطبوعہ 2004ء)

یہ عظیم الشان پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ جب 1903ء میں اور اس کے بعد افغانستان کے شاہی خاندان کے حکم سے حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب اور ان کے شاگرد رشید حضرت مولوی عبدالرحمان صاحب حضرت اقدس علیہ السلام کی پیشگوئی شَتَانِ تَذْبَحَانِ کے مطابق محض احمدیت قبول کرنے کی وجہ سے ناحق اور بلا سبب کابل میں شہید کر دیئے گئے تو اس ظلم کی پاداش میں تمام افغانستان کو اور خصوصاً حکمران طبقہ کو خطرناک ہیضہ کی وباء سے دو چار ہونا پڑا اور وہاں ہزاروں باشندے موت کا شکار ہو گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر ایک الہام کے ذریعہ حضرت اقدس کو اطلاع دی ”تین بکرے ذبح کئے جائیں گئے۔“

(تذکرہ صفحہ 501 مطبوعہ 2004ء)

چنانچہ یہ الہام 1924ء میں آ کر پورا ہوا جب کہ افغانستان کے اسی حکمران شاہی خاندان کے آخری تاجدار امیر امان اللہ خان کے حکم سے اس زمانے میں جماعت احمدیہ کے مخلص فرد حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب اور

حضرت مولوی عبدالحلیم صاحب اور ملا نور علی صاحب اسی جرم یعنی احمدیت کی وجہ سے شہید کر دیئے گئے۔

ان واقعات کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ پسند نہ کیا کہ ملک افغانستان کی عنانِ حکومت اس خاندان کے ہاتھ میں رہے جس نے پانچ بے گناہ اور معصوم احمدیوں کو شہید کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو مٹانے کیلئے ایک نہایت ہی معمولی انسان حبیب اللہ المعروف بچہ سقہ کو اس تباہی و بربادی کے لئے کھڑا کر دیا اور اس نے صرف تین سو افراد پر مشتمل جمعیت کے ساتھ امان اللہ کو ایسی خطرناک شکست دی کہ وہ بری طرح ناکام ہو کر افغانستان چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

اب ”آہ نادر شاہ کہاں گیا“ کی پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ جب بچہ سقہ نے بغاوت کی تو جرنیل نادر خان جو بعض وجوہ مرض وغیرہ کی بنا پر 1923ء میں یورپ چلے گئے تھے افغانستان کی تباہی کو برداشت نہ کر سکے اور مریض ہونے کے باوجود کابل واپس آ گئے اور بچہ سقہ کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے چاہا کہ اہل افغانستان جس کو چاہیں بادشاہ بنالیں مگر انہوں نے آپ ہی کو بادشاہ بنانا منظور کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ مذکورہ بالا پیشگوئی کا پورا کرنا منظور تھا اس لئے الہی مشیت کے ماتحت ملک کے قدیم دستور کے خلاف انہوں نے یہ اعلان کیا کہ آئندہ کے لئے انہیں نادر خان یا شاہ نادر خان کے نام سے نہ پکارا جائے بلکہ نادر شاہ کہہ کر پکارا جائے۔ چنانچہ آپ نادر خان سے نادر شاہ کہلانے لگے۔

چونکہ الہی نوشتے پورے ہونے تھے اس لئے نادر شاہ کہلانے کے ٹھیک چار سال کے بعد جبکہ وہ اپنے ملک کے ایک محبوب و مقتدر ہر دلعزیز بادشاہ تسلیم کئے جانے لگے تو 8 نومبر 1933ء کو جبکہ وہ اپنے محلِ دلکشا میں طالب علموں کو ایک کھیل کے مقابلہ کے نتیجہ میں انعامات تقسیم کر رہے تھے ان پر طالب علموں میں سے ہی

ایک طالب علم عبد الخالق نامی نے ایک گز کے فاصلہ سے متواتر تین فار کر دیئے جن سے وہ جاں بحق ہو گئے اور یکدم وہ مجمع طرب مجمع عزابن گیا اور لوگ بدحواس ہو کر یہ کہتے ہوئے بازاروں کی طرف دوڑ پڑے کہ نادر شاہ فوت ہو گئے اور کوئی شخص اپنے محبوب بادشاہ کو موت کے حملہ سے نہ بچا سکا۔ اس غیر متوقع اور اچانک موت کے نتیجہ میں ملک بھر میں صف ماتم بچھ گئی اور لوگوں نے زبان حال سے کہا کہ

”آہ نادر شاہ کہاں گیا“

1905ء میں جب حضرت اقدسؒ نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی۔ نادر شاہ کا بحیثیت بادشاہ کوئی وجود نہ تھا مگر عین اٹھائیس سال بعد خدائے علیم وخبیر نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ یہ پیشگوئی نہایت شان اور حیرت انگیز طور پر پوری ہوئی اور آپؐ کے منجانب اللہ ہونے پر گواہ ٹھہری۔

چھٹی پیشگوئی ----- تزلزل درایوان کسریٰ فناد

حضرت اقدسؒ کو 15 جنوری 1906ء کو الہام ہوا:-

”تزلزل درایوان کسریٰ فناد۔“ (تذکرہ صفحہ 503 مطبوعہ 2004ء)

ایران ایک بہت پرانا تاریخی ملک ہے۔ عرصہ دراز سے اس ملک کے بادشاہوں کا لقب کسریٰ چلا آتا تھا جس وقت مذکورہ بالا الہام شائع ہوا اس وقت ایران پر شاہ مظفر الدین قاجار شاہ ایران حکمران تھے۔ اس الہام کے صرف چند ماہ قبل 1905ء میں باشندگان ملک کے مطالبات کو قبول کر کے شاہ مظفر الدین پارلیمنٹ کے قیام کا اعلان کر چکے تھے اور لوگ اس اعلان سے خوش بھی تھے۔ لیکن شاہ مظفر الدین قاجار اچانک 1907ء میں وفات پا گئے اور انکا ولی عہد مرزا محمد علی قاجار کسریٰ اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا مگر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ملک میں

بغاوت اور بادشاہ اور مجلس پارلیمنٹ میں اختلاف اور مخالفت شروع ہو گئی اور حالات اتنے بگڑ گئے کہ ایران کے دارالمبعوثین یعنی پارلیمنٹ ہاؤس کا ایک حصہ توپ خانہ سے اڑا دیا گیا اور بادشاہ نے پارلیمنٹ کو موقوف کر دیا۔ بادشاہ کے اس فعل سے ملک میں عام بغاوت بڑی شدت سے پھیل گئی اور آخر کار بادشاہ کی خاص باڈی گارڈ فوج بھی جس پر بادشاہ کو بڑا ناز تھا اس کے باغیوں کے ساتھ مل گئی اور اس طرح مرزا محمد علی قاجار شاہ کسریٰ ایران کے ایوان میں ایسا تزلزل پڑا کہ اسے 15 جولائی 1909ء کو اپنے حرم سمیت روسی سفارت خانہ میں پناہ لینا پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت پھر ہمیشہ کے لئے اس خاندان کے ہاتھ سے نکل گئی اور کسریٰ کا وجود دنیا سے مٹ گیا اور خدا کی مقدس وحی ”تزلزل در ایوان کسریٰ فدا“ پوری ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خدا کی طرف سے ہونے پر شاہد ناطق ثابت ہوئی۔

ساتویں پیشگوئی ----- اہل بنگال کی دلجوئی

حضرت اقدسؑ کو 11 فروری 1906ء کو الہام ہوا کہ:-

”پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی۔“

(بدر 16 فروری 1906ء صفحہ 2 - تذکرہ صفحہ 508 مطبوعہ 2004ء)

اس پیشگوئی کی تفصیل یہ ہے کہ اکتوبر 1905ء میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک حصہ مشرقی بنگال اور آسام پر مشتمل تھا اور دوسرا حصہ مغربی بنگال جس میں بہار اور اڑیسہ بھی شامل تھے۔ ہندوؤں نے اس تقسیم کو اپنے حق میں نقصان دہ سمجھ کر بہت شور مچایا، جلسے کئے، جلوس نکالے، سرکاری عمارات کو نقصان پہنچایا، ٹرینوں پر بم پھینکے، بعض انگریز افسروں کو قتل بھی کیا اور اس تقسیم کی منسوخی کیلئے پوری کوشش میں کوئی دقیقہ

فروگذاشت نہ کیا مگر گورنمنٹ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

لارڈ کرزن کی مدت ختم ہونے پر اس کی جگہ لارڈ منٹو آئے مگر انہوں نے بھی ہندوؤں کی ایک نہ مانی اور تقسیم قائم رہی اور پختہ سمجھ لی گئی اور جب اس میں رد و بدل کا بظاہر کوئی امکان نہ رہا تب مذکورہ بالا الہام تقسیم کی منسوخی کے متعلق ہوا جسے حضرت اقدس علیہ السلام نے شائع فرما دیا۔ لوگوں نے اس پر طرح طرح کے اعتراضات کئے۔ مضحکہ اڑایا۔ پھبتیاں کیں کہ جب سارے مراحل طے ہو چکے اور تقسیم اپنی جگہ قائم رہی تو اب اس کے خلاف الہام شائع کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

1910ء میں لارڈ منٹو بھی واپس چلے گئے اور لارڈ ہارڈنگ وائسرائے بن کر آ گئے ان کے زمانے میں 1911ء میں شاہ انگلستان جارج پنجم کی ہندوستان میں رسم تاج پوشی کے انتظامات ہونے لگے تو لارڈ ہارڈنگ نے از خود ہی ایک تجویز وزیر ہند کو پیش کر دی جس میں لکھا کہ اہل بنگال کی دلجوئی ہونی چاہیے اور بنگال کی تقسیم منسوخ کر دی جائے چنانچہ اس کے مطابق شہنشاہ جارج پنجم جب تاج پوشی کیلئے ہندوستان آئے اور دہلی میں دربار کا انعقاد ہوا جس میں ہندوستان بھر کے امراء، نواب، رؤساء، عمائد اور والیان ریاست سب جمع تھے بادشاہ نے بذات خود اس تقسیم کی منسوخی کا اعلان کر کے بنگالیوں کی دل جوئی اور منسوخی کے اعلان میں پیشگوئی کے مطابق یہ الفاظ بھی استعمال کئے کہ یہ تنبیخ محض اہل بنگال کی دلجوئی کے لئے کی گئی ہے اور اس طرح بظاہر انتہائی مخالف حالات میں اللہ تعالیٰ نے اس پیشگوئی کو پورا فرما کر مضحکہ اڑانے اور استہزاء کرنے والے مخالفوں کو شرمندہ کیا اور اپنے پیارے مسیح کی صداقت ثابت کی۔

آٹھویں پیشگوئی ----- سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق

لدھیانہ میں ایک شخص سعد اللہ نامی نو مسلم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے تھے انہوں نے حضرت اقدس کی مخالفت میں ایک کتاب ”شہاب ثاقب بر مسیح کاذب“ کے نام سے لکھی جس میں فارسی اشعار میں حضرت اقدس کو مخاطب کر کے لکھا:-

اخذیمین قطع وتین است بہر تو بے رونقی و سلسلہ ہائے مزوری
 انکوں بہ اصطلاح شام نام ابتلا است آخر بروز حشر و بایں دار خاسری
 یعنی ”خدا کی طرف سے تیرے لئے مقدر ہو چکا ہے کہ خدا تجھے
 پکڑے گا اور تیری رگ جان کاٹ دے گا۔ تب تیری موت کے بعد تیرا
 سلسلہ جو سراسر جھوٹا ہے تباہ و برباد کر دیا جائے گا اور اگرچہ تم کہتے ہو کہ ابتلاء
 بھی آیا کرتے ہیں مگر آخر تو حشر کے روز بھی اور اس دنیا میں بھی خائب
 و خاسر اور نامراد رہے گا۔“

اس کے بعد وہ گندہ دہانی میں بڑھتا چلا گیا آخر اس نے 16 ستمبر 1897ء کو حضورؑ کے متعلق ایک نہایت گندی اور ناپاک تحریر شائع کی جس میں حضرت اقدس کو اتر بھی لکھا۔ حضرت اقدس نے اس کی اس کارروائی کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر کے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کے اس کی نسبت انکشاف فرمانے پر آپ نے اپنی کتاب انوار الاسلام میں اسے لکھا:-

”حق سے لڑنا رہ آخراے مردار دیکھے گا کہ تیرا کیا انجام ہوگا۔ اے عدو اللہ تو مجھ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے لڑ رہا ہے۔ بخدا مجھے اسی وقت 29 ستمبر 1894ء کو تیری

نسبت یہ الہام ہوا ہے ”اِنَّ شَانِسَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ“۔ اس الہامی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ سعد اللہ جو تجھے ابتر کہتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تیرا (حضرت اقدس کا۔ ناقل) سلسلہ اولاد اور دوسری برکات کا منقطع ہو جائے گا ایسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ وہ خود ابتر رہے گا۔ (انوار الاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 85، 86، واشتہار 15 اکتوبر 1894ء)

گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کی دعا کے نتیجہ میں اپنا فیصلہ صادر فرمادیا کہ آپ نہیں بلکہ سعد اللہ ابتر رہے گا اور اس کی پیشگوئی جھوٹی ثابت ہوگی۔ چنانچہ ان تحریروں اور پیشگوئیوں کی اشاعت کے بعد حضرت اقدس کے ہاں تین لڑکے پیدا ہوئے مگر سعد اللہ نو مسلم کے ہاں کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا نہ ہوئے اور جو اولاد اس کے ہاں پہلے پیدا ہو چکی تھی وہ پہلے ہی مر چکی تھی سوائے صرف ایک چودہ پندرہ سالہ محمود نامی بیٹے کے جس نے ایک چھوڑ دو شادیاں بھی حضرت اقدس کے مخالفین کے آمادہ کرنے پر کیں مگر اس کے ہاں بھی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ سعد اللہ خود بھی اس پیشگوئی کی اشاعت کے بعد 12 سال زندہ رہا لیکن کوئی اولاد اس کے ہاں نہ ہوئی اور اسکی سالہا سال کی گریہ وزاری اور دعاؤں کا کوئی اثر نہ ہوا اور اسے اولاد کی حسرت ہی رہی۔ چنانچہ مرنے سے پہلے اس نے فارسی میں مناجات ”قاضی الحاجات“ نامی میں ذیل کے شعروں میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ بھی کیا کہ اسے اولاد سے محروم رکھا گیا ہے۔

جگر گوشہ ہادادی اے بے نیاز ولے چند زانہا گرفت تو بار
دل من بنعم البذل شاد کن بلطف از غم و غصہ آزاد کن
یعنی ”اے بے نیاز تو نے مجھ کو اولاد دی تھی مگر ان میں سے بعض کو تو نے واپس لے لیا۔ اب میرے دل کو ان کے عوض میں اور اچھی اولاد دے کر شاد کر اور اپنے لطف کے ساتھ مجھے رنج و غم سے آزاد کر۔“

اس کے ان دردناک شعروں پر نظر ڈال کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اولاد نہ ہونے اور مر جانے سے کس قدر حسرتیں اس کے دل میں بھری ہوئی تھیں اور وہ اس درد و غم میں کس قدر بے تاب تھا۔ لیکن وہ اس غم و ہم سے نجات نہ پاسکا اور اس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی اس کے ایک ہی لڑکے کی شادی 29 سال کی عمر میں اس کی زندگی میں ہوئی اور بڑے اہتمام سے سعد اللہ نے خود اس شادی کا سب انتظام کرایا مگر اس میں شریک ہونے کا موقع خدا تعالیٰ نے اُسے نہ دیا اور پہلے 3 جنوری 1907ء کو طاعون میں مبتلا ہو کر اس جہاں سے چل بسا۔

ایک مدت گزر جانے کے بعد مولوی ثناء اللہ وغیرہ مخالفین نے اس کے لڑکے کی دوسری شادی بھی کروائی مگر اس سے اسکے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی اور وہ بھی 12 جولائی 1926ء کو اپنے باپ کی طرح ابتر ہی مر گیا اور خدا کی بات پوری ہوئی۔ فَاغْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ!

نویں پیشگوئی - ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت :-
کوریا کا ملک ایک جزیرہ نما ملک ہے جو جاپان کے عین سامنے واقع ہے 1904ء تک یہ چین کے ماتحت تھا اور اس قدر غیر معروف ملک تھا کہ عام پڑھے لکھے لوگ بھی اس کے نام سے نا آشنا تھے اس زمانہ میں تقریباً جون 1904ء میں حضرت اقدس کو الہام ہوا:

”ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت۔“

(تذکرہ صفحہ 429 مطبوعہ 2004ء)

قادیان کی چھوٹی سی بستی میں بیٹھا ہوا ایک دنیوی سیاست سے ناواقف شخص جس کا کسی بڑے شہر سے بھی اتصال نہیں تھا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا ہے کہ مشرق میں ایک طاقت پیدا ہوگی جس کی وجہ سے کوریا کی حالت

نازک ہو جائے گی۔ اس کا یہ دعویٰ ظاہری لحاظ سے یقیناً تعجب انگیز ہے اور پورا ہونے کی صورت میں یقیناً معجزانہ رنگ رکھتا ہے۔ تاریخ دان جانتے ہیں کہ 1904ء میں ساری بڑی بڑی سلطنتیں اور طاقتیں مغرب تک ہی محدود تھیں اور مشرق میں کوئی طاقت اس وقت موجود نہیں تھی جو اہمیت کی حامل ہو یا جسے طاقت کہا جاسکے۔ جاپان اس وقت ایک بالکل چھوٹی سی سلطنت تھی اور حضرت اقدس کے اس الہام کے بعد ہی مشرق میں ایک عظیم طاقت مانی جانے لگی تھی۔ روس یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح کوریا پر قبضہ کر لے مگر جاپان کوریا پر روس کے قبضہ کو اپنی موت سمجھتا تھا۔ آخر 1905ء میں اسی بات پر دونوں ملکوں یعنی روس اور جاپان میں خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ اس زمانے میں روس اور جاپان کا مقابلہ کوئی مقابلہ نہیں تھا بلکہ باز کا چڑیا کے ساتھ لڑنا تصور کیا جاتا تھا کیونکہ جاپان روس کے مقابل پر کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا تھا۔ مگر خدا کا فرمودہ بہر حال پورا ہوتا تھا اس جنگ میں دنیا کے اندازوں اور امیدوں کے صریح خلاف روس باوجود اپنی بہت بڑی جنگی قوت کے جاپان کے مقابلہ میں حیرت انگیز طور پر شکست کھا گیا اور اس کا مایہ ناز جنگی بیڑا جاپان کے سمندر میں تباہ ہو گیا اور اس طرح کوریا پر جاپان کا تسلط و قبضہ تسلیم ہو کر حضرت اقدسؑ کی پیشگوئی ”ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت“ نہایت آب و تاب کے ساتھ پوری ہوئی۔

دسویں پیشگوئی ----- شہزادہ دلیپ سنگھ کے متعلق :-

جب پنجاب کو انگریزوں نے فتح کیا تو مصلحِ ملکی کے ماتحت راجہ دلیپ سنگھ صاحب جو اس وقت وارثِ تخت پنجاب سمجھے جاتے تھے مگر ابھی چھوٹی عمر کے تھے انگلستان لے جائے گئے چنانچہ وہ وہیں رہے، وہیں جوان ہوئے مگر انہیں

ہندوستان واپس آنے کی اجازت نہ دی گئی یہاں تک کہ پنجاب پر انگریزی تسلط پوری طرح ہو گیا۔ غدر کے بعد دہلی کی مغلیہ حکومت بھی کلیۃً مٹ گئی اور کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ رہا۔ اس وقت راجہ دلیپ سنگھ نے پنجاب آنے کا ارادہ کیا اور اجازت بھی مل گئی اور عام طور پر مشہور ہو گیا کہ وہ عنقریب آنے والے ہیں اس وقت حضرت اقدس کو الہلما بتایا گیا کہ وہ اس ارادے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ چنانچہ آپ نے بہت سے لوگوں کو خصوصاً ہندوؤں کو اس کے متعلق اطلاع دے دی اور ایک اشتہار میں بھی اشارتاً لکھ دیا کہ ایک نووارد رئیس پنجاب کو ابتلاء پیش آئے گا۔ چنانچہ حضورؐ نے لکھا :-

اشتہار 20 فروری 1886ء جس میں لکھا ہے کہ امیر نووارد پنجابی الاصل کے متعلق متوحش خبریں..... اس سے مراد دلیپ سنگھ ہے۔
اس کے بعد اشتہار واجب الاظہار میں لکھا :-

”ہم نے صد ہا ہندوؤں اور مسلمانوں کو مختلف شہروں میں بتلا دیا تھا کہ اس شخص پنجابی الاصل سے مراد دلیپ سنگھ ہے جس کے پنجاب میں آنے کی خبر مشہور ہو رہی ہے، لیکن اس ارادہ سکونت پنجاب میں وہ ناکام رہے گا بلکہ اس سفر میں اس کی عزت آسائش یا جان کا خطرہ ہے بالآخر اس کو مطابق اسی پیشگوئی کے بہت حرج اور تکلیف اور سبکی اور خجالت اٹھانی پڑی اور وہ اپنے مدعا سے محروم رہا۔“

جب حضورؐ نے یہ پیشگوئی شائع کی اور مختلف ہندوؤں اور مسلمانوں کو بتائی اس وقت کسی کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ دلیپ سنگھ ہندوستان آنے سے روک دیئے جائیں گے بلکہ اس کے برعکس یہ خبر گرم تھی کہ وہ ہندوستان آ رہے ہیں اور عنقریب پہنچنے والے ہیں مگر اسی عرصہ میں گورنمنٹ کو احساس ہوا کہ راجہ دلیپ سنگھ صاحب کا

ہندوستان آنا حکومت کے مفاد کے خلاف ہوگا اور اس سے سیاسی فتنے اور بغاوت کا خطرہ ہے لہذا انہیں راستے ہی سے یعنی عدن تک پہنچنے کے بعد روک دیا گیا اور یہ روک دیئے جانے کی خبر اس وقت معلوم ہوئی جبکہ لوگ یہ سمجھ چکے تھے کہ وہ چند ہی روز میں داخل ہندوستان ہوا چاہتے ہیں اگرچہ سکھوں کی امیدوں کو اس سے سخت صدمہ پہنچا لیکن خدائے عالم الغیب ذوالجلال کا جلال ظاہر ہوا اور اس کے مامور کی پیشگوئی پوری ہو کر اس کی صداقت پر مہر ثبت کر گئی۔

گیا رہویں پیشگوئی ----- پہلی جنگ عظیم:-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم الشان پیشگوئیوں میں ایک پیشگوئی ۱۹۱۴ء والی پہلی جنگ عظیم کے متعلق ہے جو اپنی تمام علامات کے ساتھ بڑی شان سے پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی ہستی اور حضرت اقدس کی صداقت کا زبردست ثبوت ہے۔ یہ پیشگوئی 1905ء میں شائع کی گئی تھی۔ اور وہ الہامات جن میں اس جنگ کی خبر دی گئی تھی یہ ہیں:-

تازہ نشان۔ تازہ نشان کا دھکہ۔ زُلْزَلَةُ السَّاعَةِ۔ قُورَا انْفَسَكُم۔

نَزَلْتُ لَكَ۔ لَكَ نُرِيْ اٰيَاتٍ وَنَهْدِيْ مَا يَعْمرُوْنَ۔ قُلْ عِنْدِيْ شَهَادَةٌ

مَنْ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّؤْمِنُوْنَ۔ (تذکرہ صفحہ 450، 451 ایڈیشن 2004ء)

ترجمہ : قیامت کا نمونہ زلزلہ اپنی جانوں کو بچاؤ۔ میں تیری خاطر نازل

ہوا۔ ہم تیری خاطر بہت سے نشان دکھائیں گے۔ اور جو کچھ وہ تعمیر کر رہے

ہیں ہم منہدم کر دیں گے۔

مذکورہ بالا الہامات میں جو نشانیاں اور علامات اس زلزلہ یا مصیبت عظمیٰ

کی بیان کی گئی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد کوئی ظاہری اور معمولی

زلزلہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسی ہمہ گیر آفت ہے جس سے دنیا پر ہولناک تباہی آئے گی۔

حضرت اقدس نے خود ان الہامات کی تشریح میں لکھا ہے کہ:-
 زلزلہ کے الفاظ کو قطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا ممکن ہے یہ معمولی زلزلہ نہ ہو بلکہ کوئی اور شدید آفت ہو جو قیامت کا نظارہ دکھا دے جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 151 حاشیہ)
 مذکورہ بالا الہاموں کے علاوہ اسی عرصہ میں آپ کو یہ الہام بھی ہوئے ”کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں“ ”لنگر اٹھا دو“ جو کہ صریح طور پر جنگ کی طرف اشارہ کرتے ہیں نیز اس زلزلے کی آفتِ عظیمہ کی تشریح حضورؐ نے اپنی ایک نظم میں بھی ایسی ہی فرمائی ہے جو صاف طور پر جنگِ عظیم پر صادق آتی ہے۔
 حضورؐ فرماتے ہیں

اک نشاں ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد
 جس سے گردش کھائیں گے دیہات و شہر اور مرغزار
 آئے گا قہر خدا سے خلق پر اک انقلاب
 اک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار
 اک جھپک میں یہ زمین ہو جائے گی زیر و زبر
 نالیاں خون کی چلیں گی جیسے آب رودبار
 رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگ یاسمن
 صبح کر دے گی انہیں مثل درختان چنار

ہوش اڑ جائیں گے انسان کے پرندوں کے حواس
 بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار
 خون سے مردوں کے کوہستان کے آب رواں
 سرخ ہو جائیں گے جیسے ہو شراب انجبار
 مضحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس
 زار بھی ہو گا تو ہو گا اس گھڑی با حال زار
 اک نمونہ قہر کا ہو گا وہ ربانی نشان
 آسمان حملے کرے گا کھینچ کر اپنی کنار
 وحی حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا
 کچھ دن صبر کر ہو کر متقی اور بردبار

(برائین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 151، 152)

مذکورہ بالا تمام الہامات اور پیشگوئیوں پر مجموعی نظر ڈالنے سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اس آفت، اس زلزلہ اور عالمگیر مصیبت سے مراد 1914ء والی جنگِ عظیم تھی۔ پیشگوئی میں بتایا گیا ہے کہ وہ زلزلہ کسی خاص علاقہ پر نہیں بلکہ ساری دنیا پر محیط ہو گا اس میں بڑے بڑے بحری بیڑے استعمال میں آئیں گے جنہیں لنگر اٹھانے کا حکم ہو گا۔ اور یہ مصیبت معمولی نہیں ہوگی بلکہ قیامت کا نظارہ پیش کرے گی جس کی نظیر زمانے نے کبھی نہ دیکھی ہوگی اور اس کے نتیجہ میں بعض حکومتیں مٹ جائیں گی بعض کمزور ہو جائیں گی مگر بعض حکومتیں طاقت پکڑ جائیں گی۔ کئی پہاڑ اور آبادیاں اور بستیاں، شہر، عمارتیں، محلات وغیرہ گولہ باری سے اڑادیئے جائیں گے۔ کھیت اور باغ اور چرند و پرند، دریا، سمندر غرض کہ

کوئی چیز بھی اس جنگ سے محفوظ نہیں ہوگی۔ بڑے بڑے بادشاہ حتیٰ کہ ”زار روس“ جو کہ دنیا کا عظیم ترین بادشاہ سمجھا جاتا ہے وہ بھی اس جنگ کے نتیجہ میں ملیا میٹ کر دیا جائے گا۔ زمین الٹ پلٹ ہو جائے گی یعنی گولہ باری اور جنگی مہلک سامانوں سے اس میں غاریں اور گڑھے پڑ جائیں گے۔ خون کی نالیاں چلیں گی۔ پس ان سب علامات اور پیش خبریوں کے مطابق 1914ء میں جرمنی اور اتحادیوں کے درمیان بے مثال ہولناک جنگ چھڑی جس نے ساری دنیا اور تمام کرہ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ایسی خوفناک تباہی آئی جو تمام نوع بشر بلکہ جاندار و غیر جاندار چیز کے لیے ایک عظیم زلزلہ اور عذاب عظیم کا موجب بن گئی اور اس طرح 1914ء سے 1918ء تک یہ الہی نوشتہ من و عن پورے ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا موجب ہوئے۔

اس جنگ میں سب سے زیادہ واضح اور عبرت آفرین شہنشاہ زار روس کی حالت زار اور اس کا ہولناک انجام ہے جو کہ پیشگوئی کے عین مطابق ظہور میں آیا اور خدائی نوشتہ ”زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار“ ظاہر و باہر طور پر پورا ہوتا دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کیونکہ زار روس کی سلطنت باغیوں کے ہاتھوں مٹ گئی۔ بارہویں پیشگوئی --- مصلح موعود اور مبشر اولاد کے متعلق :-

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بشارت دی کہ آپ کے ذریعہ جو سلسلہ حمایت و غلبہ اسلام کے لئے قائم کیا گیا ہے وہ آپ کی وفات کے بعد ہمیشہ کے لئے قائم رہے گا اور ترقی کرتا چلا جائے گا اور آپ کی جماعت خاندان اور مبشر اولاد کے ذریعہ حمایت اسلام کی ایک خاص بنیاد پڑے گی جو دنیا میں آئندہ اسلام کی سچائی اور خاص شان و شوکت کے اظہار کا موجب ہوگی اور یہ بشارت نہ صرف

حضرت اقدس کو ہی دی گئی بلکہ آج سے چودہ سو سال قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسیح موعود کے متعلق پیشگوئی کے طور پر فرمایا يَتَزَوَّجُ وَيُولَدُ لَهُ (مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ) کہ جب مسیح موعود کا آخری زمانے میں ظہور ہوگا تو وہ شادی کرے گا اور اس کے سلسلہ کی تقویت و ترقی کیلئے اس کے ہاں اولاد ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کے متعلق اس بشارت کے ذکر میں فرمایا ہے:-

خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایتِ اسلام کی ڈالے گا۔ اور اس میں سے وہ شخص پیدا کرے گا۔ جو آسمانی رُوح اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ اس لئے اُس نے پسند کیا کہ اس خاندان کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو اُن نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی ہے دُنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلاوے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہربانو تھا۔ اسی طرح میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہوگی۔ اس کا نام نصرت جہاں بیگم ہے۔ یہ تقابل کے طور پر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کے لئے میرے آئندہ خاندان کی بُنیا د ڈالی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ کبھی ناموں میں بھی اُس کی پیشگوئی مخفی ہوتی ہے۔

(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 275)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا پیشگوئی کے متعلق

حضرت اقدس فرماتے ہیں:-

مسیح موعود کی خاص علامتوں میں یہ لکھا ہے کہ وہ..... بیوی کرے گا

اور اس کی اولاد ہوگی..... یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا اس کی نسل سے ایک ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو اس کا جانشین ہوگا اور دین اسلام کی حمایت کرے گا جیسا کہ میری بعض پیشگوئیوں میں یہ خبر آچکی ہے۔

(ہیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 320 تا 325)

حضرت اقدس کے اس جانشین اور دین اسلام کی خاص حمایت کرنے والے پسر موعود کے متعلق اللہ تعالیٰ نے الہامی طور پر جو خبریں حضور کو دیں وہ اپنے اصل الفاظ میں درج ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

”سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا..... اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمہ تجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا..... دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبد گرامی ءارجمند مَظْهَرُ الْأَوَّلِ وَالْآخِرِ - مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ كَأَنَّ اللَّهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ - جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضا مندی کے عطر سے مسح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ (تذکرہ۔ صفحہ 109 تا 111 مطبوعہ 2004ء)

اس موعود اور خاص فرزند کے متعلق حضور علیہ السلام تحفہ گولڑویہ میں فرماتے ہیں:-

خدا نے مجھے وعدہ دیا ہے کہ تیری برکات کا دوبارہ نور ظاہر کرنے کے لئے تجھ سے ہی اور تیری ہی نسل میں سے ایک شخص کھڑا کیا جائے گا جس میں روح القدس کی برکات پھونکوں گا۔ وہ پاک باطن اور خدا سے نہایت پاک تعلق رکھنے والا ہوگا اور مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ ہوگا گویا خدا آسمان سے نازل ہوا۔ (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 181، 182)

چنانچہ خدا کے فضل و کرم سے یہ مسیحی صفت اور مصلح موعود بیٹا مذکورہ بالا پیشگوئیوں اور ربانی خبروں کے عین مطابق 12 جنوری 1889ء کو عالم وجود میں آیا۔ اس کا نام نامی بشیر الدین محمود احمد الہامات کے مطابق رکھا گیا۔ چونکہ اس موعود کا ایک الہامی نام فضل عمر بھی تھا اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؑ کی وفات کے بعد 1914ء میں آپ حضرت عمرؑ کی طرح دوسرے خلیفۃ المسیح الثانی مقرر ہوئے اور تقریباً نصف صدی تک آپؑ نے حمایت اسلام کے بے نظیر کارنامے سرانجام دے کر ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کا نظام قائم کر دیا۔ اللّٰہم اغفر لہ وارفع درجاتہ فی اعلیٰ علیین۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے تین بیٹے بھی الہی بشارتوں اور پیشگوئیوں کے مطابق پیدا ہوئے جنہیں حضرت اقدسؑ نے ان میں سے ہر ایک کی پیدائش سے پہلے واضح طور پر شائع فرما دیا تھا۔ چنانچہ حضورؑ اپنے جملہ بیٹوں کی پیدائش کی بشارتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان چاروں لڑکوں (یعنی مصلح موعود سمیت) کے پیدا ہونے کی نسبت پیشگوئی کی تاریخ اور پھر پیدا ہونے کے وقت پیدائش کی تاریخ یہ ہے

کہ محمود جو میرا بڑا بیٹا ہے۔ اس کے پیدا ہونے کے بارے میں اشتہار دہم جولائی 1888ء میں اور نیز اشتہار یکم دسمبر 1888ء میں جو سبز رنگ کے کاغذ پر چھاپا گیا تھا۔ پیشگوئی کی گئی اور سبز رنگ کے اشتہار میں یہ بھی لکھا گیا کہ اس پیدا ہونے والے لڑکے کا نام محمود رکھا جائے گا..... جب کہ اس پیشگوئی کی شہرت بذریعہ اشتہارات کامل درجہ پر پہنچ چکی..... تب خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے 12 جنوری 1889ء کو مطابق 9 جمادی الاول 1306ھ میں بروز شنبہ محمود پیدا ہو..... اور میرا دوسرا لڑکا جس کا نام بشیر احمد ہے۔ اس کے پیدا ہونے کی پیشگوئی آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ 266 میں کی گئی ہے..... پھر جب یہ کتاب..... جس کا دوسرا نام دفع الوسوس بھی ہے۔ فروری 1893ء میں شائع ہو گئی..... تو 20 اپریل 1893ء کو..... اس پیشگوئی کے مطابق وہ لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بشیر احمد رکھا گیا..... اور میرا تیسرا لڑکا جس کا نام شریف احمد ہے اس کے پیدا ہونے کی پیشگوئی میرے رسالہ انوار الاسلام صفحہ 39 کے حاشیہ پر درج ہے۔ اور یہ رسالہ ستمبر 1894ء میں شائع ہوا تھا..... یہ لڑکا یعنی شریف احمد 24 مئی 1895ء کو مطابق 27 ذیقعد 1312ھ پیدا ہوا..... اور میرا چوتھا لڑکا جس کا نام مبارک احمد ہے۔ اس کی نسبت پیشگوئی اشتہار 20 فروری 1886ء میں کی گئی۔ اور پھر انجام آتھم کے صفحہ 183 میں بتاریخ 14 ستمبر 1896ء یہ پیشگوئی کی گئی۔ اور رسالہ انجام آتھم صفحہ 58 میں اس شرط کے ساتھ پیشگوئی کی گئی کہ عبدالحق غزنوی جو امرتسر میں مولوی عبدالبجار غزنوی کی جماعت میں رہتا ہے نہیں مرے گا جب تک یہ چوتھا بیٹا پیدا نہ ہو لے۔ اور اس صفحہ 58 میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اگر عبدالحق غزنوی ہماری مخالفت میں حق پر ہے اور جناب

الہی میں قبولیت رکھتا ہے تو اس پیشگوئی کو دُعا کر کے ٹال دے..... سو خدا تعالیٰ نے میری تصدیق کے لئے اور تمام مخالفوں کی تکذیب کیلئے اور عبدالحق غزنوی کو متنبہ کرنے کے لئے اس پسر چہارم کی پیشگوئی کو 14 جون 1899ء میں..... بروز چار شنبہ پورا کر دیا یعنی وہ مولود مسعود چوتھا لڑکا تاریخ مذکورہ میں پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اصل غرض اس رسالہ کی تالیف سے یہی ہے کہ تا وہ عظیم الشان پیشگوئی جس کا وعدہ چار مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو چکا تھا۔ اس کی ملک میں اشاعت کی جائے کیونکہ یہ انسان کو جرأت نہیں ہو سکتی کہ یہ منصوبہ سوچے کہ اول تو مشترک طور پر چار لڑکوں کے پیدا ہونے کی پیشگوئی کرے..... اور پھر ہر ایک لڑکے کے پیدا ہونے سے پہلے اُس کے پیدا ہونے کی پیشگوئی کرتا جائے اور اس کے مطابق لڑکے پیدا ہوتے جائیں۔ یہاں تک کہ چار کا عدد جو پہلی پیشگوئیوں میں قرار دیا تھا وہ پورا ہو جائے..... کیا ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ مفتری کی ایسی مسلسل طور پر مدد کرتا جائے..... کیا کبھی مفتری کی تائید خدا نے ایسی کی یا صفحہ دُنیا میں اس کی کوئی نظیر بھی ہے؟..... کہ فلاں شخص نہیں مرے گا جب تک وہ پسر چہارم پیدا نہ ہو لے۔ پس اس کے قول کے مطابق پسر چہارم بھی پیدا ہو جاتا ہے..... اور کیا آسمان کے نیچے یہ قوت کسی کو دی گئی ہے کہ اس زور شور کی مسلسل پیشگوئیاں میدان میں کھڑا ہو کر شائع کرے اور پھر وہ برابر پوری ہو جائیں۔

(ضمیمہ تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 219، 222)

دلیل ہفتم:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”صحیح دارقطنی میں ایک حدیث ہے کہ امام محمد باقر فرماتے ہیں اِنَّ

لمہدینا ایتین لم تکونا منذ خلق السموات والارض ینکسف القمر لاوّل لیلة من رمضان وتنکسف الشمس فی النصف منه۔“

ترجمہ : یعنی ہمارے مہدی کے لئے دو نشان ہیں اور جب سے کہ زمین و آسمان خدا نے پیدا کیا یہ دو نشان کسی اور مامور اور رسول کے وقت میں ظاہر نہیں ہوئے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مہدی معبود کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں چاند کا گرہن اُس کی اوّل رات میں ہوگا یعنی تیرہویں تاریخ میں اور سورج کا گرہن اُس کے دنوں میں سے بیچ کے دن میں ہوگا۔ یعنی اسی رمضان کے مہینہ کی اٹھائیسویں تاریخ کو اور ایسا واقعہ ابتدائے دُنیا سے کسی رسول یا نبی کے وقت میں کبھی ظہور میں نہیں آیا صرف مہدی معبود کے وقت اُس کا ہونا مقدر ہے۔ اب تمام انگریزی اور اُردو اخبار اور جملہ ماہرین ہیئت اس بات کے گواہ ہیں کہ میرے زمانہ میں ہی جس کو عرصہ قریباً بارہ سال کا گذر چکا ہے اسی صفت کا چاند اور سورج کا گرہن رمضان کے مہینہ میں وقوع میں آیا ہے..... اور چونکہ اس گرہن کے وقت میں مہدی معبود ہونے کا مدعی کوئی زمین پر بجز میرے نہیں تھا اور نہ کسی نے میری طرح اس گرہن کو اپنی مہدویت کا نشان قرار دے کر صد ہا اشتہار اور رسالے اُردو اور فارسی اور عربی میں دنیا میں شائع کئے اس لئے یہ نشان آسمانی میرے لئے متعین ہوا..... یہ عظیم الشان نشان ہے جو مجھ سے پہلے ہزاروں علماء اور محدثین اس کے وقوع کے اُمیدوار تھے اور منبروں پر چڑھ چڑھ کر اور رو کر اس کو یاد دلایا کرتے تھے چنانچہ سب سے آخر مولوی محمد لکھو کے والے اسی زمانہ میں اسی گرہن کی نسبت اپنی کتاب احوال لا آخرت میں ایک شعر لکھ گئے ہیں جس میں مہدی موعود کا وقت بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے:-

تیرھویں چند ستیہویں سورج گرہن ہوسا اُس سالے

اندر ماہ رمضانے لکھیا ہک روایت والے

(ہیۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 202 تا 205)

یہ گرہن 1311ھ مطابق 1894ء میں لگے۔ نیز فرماتے ہیں:-
یہ پیشگوئی چار پہلو رکھتی ہے۔ (1) یعنی چاند کا گرہن اس کی مقررہ
راتوں میں سے پہلی رات میں ہونا۔ (2) سورج کا گرہن اس کے مقررہ
دنوں میں سے بیچ کے دن میں ہونا۔ (3) تیسرے یہ کہ رمضان کا مہینہ
ہونا۔ (4) چوتھے مدعی کا موجود ہونا جس کی تکذیب کی گئی ہو۔ پس اگر اس
پیشگوئی کی عظمت کا انکار ہے تو دنیا کی نظیر میں سے اس کی نظیر پیش کرو۔
(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 136)

دلیل ہشتم :

ابوداؤد کی حدیث میں روایت ہے :-

إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مِّنْ
يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا.

(ابو داؤد کتاب الملاحم باب ما یدکر فی قدر قرن المائۃ)

ترجمہ : بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایسے شخص
کو مبعوث فرماتا رہے گا جو اس امت کے لئے اس کے دین کی تجدید
کرتا رہے۔

اس حدیث کی روشنی میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کا یہ
دعویٰ ہے کہ آپ ہی چودہویں صدی کے مجدد ہیں۔ آپ کے زمانہ میں کسی اور شخص

نے مجدد من اللہ ہونے کا دعویٰ تک نہیں کیا۔ لہذا یہ امر اس بات کی روشن دلیل ہے کہ فی الواقع آپ ہی تجدید اسلام کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں یہ عجیب بات ہے کہ آپ کے زمانہ میں کسی نے مجددیت کا جھوٹا دعویٰ بھی نہ کیا حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ اگر آپؐ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتے تو خدا تعالیٰ آپ کے بالمقابل کسی اور شخص سے اپنی مجددیت کا اعلان کرواتا اور پھر وہ مقابلہ کر کے آپ کو شکست دے دیتا۔

دلیل نہم :-

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یہود کو مخاطب کر کے فرماتا ہے :-

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ . (الجمعة : 7)

ترجمہ : اے رسول کہہ دے اے لوگو جو یہودی ہوئے اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے پیارے ہو سوائے ان لوگوں کے (جو مسلمان ہیں) تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم صادق ہو۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ موت کی تمنا کرنے والا اگر اس تمنا کے بعد جلد ہلاک ہونے سے بچ جائے تو یہ امر اس بات کی صداقت پر گواہ ہوگا اگر کوئی غلط فہمی سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا پیارا سمجھتا ہو اور موت کی تمنا کر بیٹھے تو پھر اس کی موت نشان بن جاتی ہے جیسے ابو جہل نے جنگ بدر میں یہ تمنا کی کہ اے خدا جو ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے اس کو اسی جگہ موت دیدے چنانچہ وہ جنگ بدر میں مارا گیا اور اس کی موت اسلام کی صداقت کا نشان بن گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جھوٹا سمجھتے ہوئے اور مقابلے میں اپنے

آپ کو سچا سمجھتے ہوئے جن جن لوگوں نے آپ کیلئے بددعا کی اور آپ کے سچا ہونے کی صورت میں از خود اپنی موت چاہی وہ سب کے سب ہلاک ہوئے۔

حضرت مسیح موعود نے لوگوں کو یہ یقین دلانے کیلئے کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں بارگاہ الہی میں یہ دعا کی:-

اے قدیر و خالق ارض و سما	اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ میداری تو بردلہا نظر	اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر توے بنی مرا پُرفسق و شر	گر تو دیدستی کہ ہستم بدگھر
پارہ پارہ کن من بدکار را	شاد کن ایں زمرہ اغیار را
بر دل شاں ابر رحمت ہا بار	ہر مراد شاں بفضل خود برآر
آتش افشاں بر در و دیوار من	دشمنم باش و تبہ کن کار من
در مرا از بند گانت یافتی	قبلہ من آستان یافتی
در دل من آں محبت دیدہ	کز جہاں آں راز را پوشیدہ
با من از روئے محبت کار کن	اند کے افشاء آں اسرار کن

(ہقیقۃ المہدی۔ روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 434)

ترجمہ : اے قادر اور آسمان وزمین کو پیدا کرنے والے! اے رحیم مہربان اور رہنما! اے وہ کہ جو دلوں پر نظر رکھتا ہے! اے وہ ہستی کہ تجھ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اگر تو مجھے نافرمانی اور شرارت سے بھرا ہوا دیکھتا ہے۔ اگر تُو نے مجھے دیکھ لیا ہے کہ میں بد اصل ہوں تو مجھ بدکار کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال اور میرے مخالفوں کے گروہ کو خوش کر دے۔ ان کے دلوں پر اپنی رحمت کا بادل برسا اور اپنے فضل سے ان کی ہر مراد پوری کر دے اور میرے در و دیوار پر آگ برسا۔ میرا دشمن ہو جا اور میرا کار و بار تباہ کر دے۔ لیکن اگر تُو نے مجھے

اپنا فرمانبردار پایا ہے اور میرے دل میں وہ محبت دیکھی ہے جس کا بھید تُو نے دنیا سے پوشیدہ رکھا ہے تو مجھ سے محبت کی روح سے پیش آ اور ان اسرار کو تھوڑا سا ظاہر کر دے۔

اس دعا کے بعد آپؐ کے ہاتھ پر کئی نشان ظاہر ہوئے اور خدا تعالیٰ نے آپؐ کو دنیا میں قبولیت بخشی اور آپؐ کی تباہی کی بجائے آپؐ کو ہر رنگ میں ترقی دے کر اپنی نصرت اور محبت کا ثبوت دے دیا۔ اس میں سوچنے والوں کے لئے ایک بڑا نشان ہے۔

دلیل دہم-----علمی مقابلہ:-

قرآن کریم میں مخالفین اسلام کو بالمقابل قَاتُوا بِسُورَةِ مِّن مِّثْلِهِ کا چیلنج دیا گیا ہے کہ اس کی مثل ایک سورۃ بنا کر پیش کرو اور ساتھ ہی یہ پیشگوئی فرمادی اور ہدایت دی فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ۔ (البقرہ: 25) کہ اگر تم ایسا نہ کر سکو گے اور تم ہرگز ایسا نہیں کر سکو گے تو تم اس آگ سے بچاؤ کرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ پھر خدا نے یہ سمجھایا کہ فَإِنَّمَا يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ۔ (ہود: 15) کہ اگر مخالفین تمہیں اس چیلنج کا جواب نہ دیں تو پھر جان لو کہ یہ قرآن خدا تعالیٰ کے علم سے اتارا گیا ہے۔

مخالفین اسلام کا قرآن کی اس دعوت کے جواب میں عاجز رہ جانا اور صرف یہ اثر خالی کرنا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ۔ (الانفال: 32) (کہ اگر ہم چاہتے تو اس کی مثل بنالاتے۔ یہ قرآن تو پرانے لوگوں کی کہانیاں ہے۔) اس بات کی روشن دلیل ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ میں صادق ہیں کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں اور اسی نے آپ کو یہ علمی معجزہ عطا فرمایا ہے جس کے مقابلہ سے دنیا عاجز ہے۔

چونکہ مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند اور آپ کے ظلِ کامل ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلیت میں آپ کو علمی رنگ کا معجزہ اس وقت عطا کیا گیا جبکہ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ عربی زبان پر قدرت نہیں رکھتے۔

آپ نے خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت سے دو کتابیں اعجازِ مسیح اور اعجازِ احمدی شائع فرمائیں اور اپنے زمانہ کے علماء کو ان کا مثل لانے کی دعوت دی۔ ان میں سے ہر کتاب کے ساتھ یہ پیشگوئی تھی کہ لوگ اس جیسی کتاب لانے پر قادر نہیں ہوں گے۔ اعجازِ مسیح سورۃ الفاتحہ کی تفسیر پر مشتمل ہے جس میں حقائق و معارف کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اس کے بارے میں آپ کو الہام ہوا مَنِ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَمَّرَ فَسَوْفَ يَرَى اَنَّهُ تَنَدَّمَ وَتَذَمَّرَ (مائیل پیج اعجازِ مسیح) یعنی جو اس کے جواب کے لئے کھڑا ہو گا وہ جلد دیکھ لے گا کہ وہ نادم و رسوا ہو گیا ہے۔

اعجازِ مسیح کے جواب پر کوئی قادر نہ ہو سکا۔ اعجازِ احمدی کا جواب لکھنے کے بارے میں مولوی ثناء اللہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہو گئی کہ وہ اس کے جواب پر قادر نہیں ہوں گے۔

کلام الامام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی صداقت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

” میرے پر ایسی رات کوئی کم گزرتی ہے جس میں مجھے یہ تسلی نہیں دی جاتی کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور میری آسمانی فوجیں تیرے ساتھ ہیں اگرچہ جو لوگ دل کے پاک ہیں مرنے کے بعد خدا کو دیکھیں گے لیکن مجھے اُسی کے منہ کی قسم ہے کہ میں اب بھی اُس کو دیکھ رہا ہوں۔ دنیا مجھ کو نہیں پہچانتی لیکن وہ مجھے جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ یہ اُن لوگوں کی غلطی ہے۔ اور سراسر بد قسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ میں وہ درخت ہوں جس کو مالک حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ جو شخص مجھے کاٹنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ قارون اور یہود اسکر یوٹی اور ابو جہل کے نصیب سے کچھ حصہ لینا چاہتا ہے..... اے لوگو! تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر وقت تک مجھ سے وفا کرے گا۔ اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لئے دُعائیں کریں یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دُعائیں سنے گا اور نہیں رُکے گا جب تک وہ اپنے کام کو پورا نہ کر لے۔ اور اگر انسانوں میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو تو خدا کے فرشتے میرے ساتھ ہونگے۔ اور اگر تم گواہی کو چھپاؤ تو قریب ہے کہ پھر میرے لئے گواہی دیں۔ پس اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔ کاذبوں کے اور منہ

ہوتے ہیں اور صادقوں کے اور۔ خدا کسی امر کو بغیر فیصلہ کے نہیں چھوڑتا۔ میں اس زندگی پر لعنت بھیجتا ہوں جو جھوٹ اور افتراء کے ساتھ ہو۔ اور نیز اس حالت پر بھی کہ مخلوق سے ڈر کر خالق کے امر سے کنارہ کشی کی جائے۔ وہ خدمت جو عین وقت پر خداوند قدیر نے میرے سپرد کی ہے اور اسی کے لئے مجھے پیدا کیا ہے ہرگز ممکن نہیں کہ میں اس میں سستی کروں۔ اگرچہ آفتاب ایک طرف سے اور زمین ایک طرف سے باہم مل کر کچلنا چاہیں۔ انسان کیا ہے محض ایک کیڑا۔ اور بشر کیا ہے محض ایک مُضغہ۔ پس کیونکر میں حَیِّ و قَیُّوم کے حکم کو ایک کیڑے یا ایک مُضغہ کے لئے ٹال دوں۔ جس طرح خدا نے پہلے مامورین اور مکذبین میں آخر ایک دن فیصلہ کر دیا اسی طرح وہ اس وقت بھی فیصلہ کرے گا۔ خدا کے مامورین کے آنے کے لئے بھی ایک موسم ہوتے ہیں اور پھر جانے کے لئے بھی ایک موسم۔ پس یقیناً سمجھو کہ میں نہ بے موسم آیا ہوں اور نہ بے موسم جاؤں گا۔ خدا سے مت لڑو! یہ تمہارا کام نہیں کہ مجھے تباہ کر دو۔“

(ضمیمہ تحفہ گولڈویہ۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 49، 50)

تمت بالخیر

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



احمدیہ

تعلیمی پاکٹ بک

حصہ دوم

مرتبہ

قاضی محمد نذیر صاحب فاضل

ناظر اشاعت و تصنیف

پیشگوئیوں کے اصول

(1) پیشگوئیاں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ بعض وعدہ پر مشتمل ہوتی ہیں اور بعض وعید یعنی کسی عذاب کی خبر پر۔

(2) جو پیشگوئیاں کسی وعدہ پر مشتمل ہوتی ہیں اگر اس کے ساتھ کوئی شرط مذکور نہ ہو تو وہ وعدہ لفظاً لفظاً پورا کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ وعدہ مشروط ہو اور جس شخص یا قوم کے متعلق وعدہ ہو وہ اس شرط کو پورا نہ کرے جس شرط سے یہ وعدہ مشروط ہے تو وہ وعدہ پورا نہیں کیا جاتا اس میں تاخیر ڈال دی جاتی ہے۔ چنانچہ قوم موسیٰ علیہ السلام کو کنعان کی سرزمین دینے کا ان الفاظ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ:-
يَقُومُوا ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ۔

(المائدة: 22)

”یعنی اے قوم! ارض مقدسہ (کنعان) میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور (اس کام سے) پشت نہ پھیر لینا ورنہ نامراد لوٹو گے۔“

یہ وعدہ پشت نہ پھیرنے سے مشروط تھا۔ چونکہ بنی اسرائیل نے یہ کہہ کر پشت پھیر دی کہ:-

يُمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ.... إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا
أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا

قَعِدُونَ۔ (المائدة: 23 تا 25)

”یعنی اے موسیٰ! اس بستی میں ایک زبردست قوم رہتی ہے..... جب تک وہ اس میں ہیں ہم اس میں داخل نہیں ہونگے تم اور تمہارا خدا جا کر لڑائی کرو ہم یہاں ہی بیٹھتے ہیں۔“

اس پر اللہ تعالیٰ نے وہ علاقہ اُن پر چالیس برس کے لئے حرام کر دیا۔ جیسا کہ فرمایا:

فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَكْتِهُونَ فِي الْأَرْضِ۔ (المائدة: 27)

”یعنی وہ زمین (کنعان) اُن پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی۔ وہ زمین میں بھٹکتے رہے۔“

(ب) وعید کی تمام پیشگوئیاں عدم عفو کی شرط سے مشروط ہوتی ہیں۔ چنانچہ عقائد میں یہ مسلم ہے کہ:

إِنَّ جَمِيعَ الْوَعِيدَاتِ مَشْرُوطَةٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ فَلَا يُلْزَمُ مِنْ تَرْكِهَا دُخُولُ الْكُذْبِ فِي كَلَامِ اللَّهِ.

(تفسیر کبیر رازی جلد 2 صفحہ 409 مصری)

”یعنی وعیدی پیشگوئیوں میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نے معاف نہ کر دیا تو لفظاً لفظاً پوری ہوتی ہیں۔ لہذا اگر وعیدی پیشگوئی پوری نہ ہو تو اس سے خدا کے کلام کا جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔“

عقائد کی کتاب مسلم الثبوت کے صفحہ 28 میں ہے کہ:-

”إِنَّ الْإِيْعَادَ فِي كَلَامِهِ تَعَالَى مُقَيَّدٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ۔“

”کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر وعید میں عدم عفو کی شرط ہوتی ہے۔“

تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ:-

”إِنَّ وَعِيدَ الْفُسَّاقِ مَشْرُوطٌ بِعَدَمِ الْعُفْوِ -“

(بیضاوی تفسیر آل عمران غ زبر آیت إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ)

کہ فاسقوں کے متعلق عذاب کی پیشگوئی کا پورا ہونا اس شرط سے مشروط ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ معاف نہ کرے۔ یہ اصول وعیدی پیشگوئی کے متعلق حدیث نبوی سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد دوم صفحہ 55 مصری میں لکھا ہے:-

”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَجُوزُ أَنْ يُخْلِفَ الْوَعِيدَ وَإِنْ امْتَنَعَ أَنْ يُخْلِفَ الْوَعْدَ وَبِهَذَا وَرَدَّتِ السُّنَّةُ فَمِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَهُ اللَّهُ عَلَى عَمَلِهِ ثَوَابًا فَهُوَ مُنْجَزٌ لَهُ وَمَنْ أَوْعَدَهُ عَلَى عَمَلِهِ عِقَابًا فَهُوَ بِالْخِيَارِ وَمِنْ أَدْعِيَةِ الْأَنْمَةِ الصَّادِقِينَ يَا مَنْ إِذَا وَعَدَ وَفَا وَإِذَا تَوَعَّدَ عَفَا.“

”یعنی خدا تعالیٰ کے لئے جائز ہے کہ وہ وعید (یعنی عذاب کی

پیشگوئی) میں تخلف کرے اگرچہ وعدہ کے خلاف کرنا ممتنع ہے۔ اور اسی طرح سنت میں بھی وارد ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر خدا تعالیٰ انسان کے عمل پر کسی ثواب (انعام) کا وعدہ کرے تو اُسے پورا کرتا ہے اور جس سے اُس کے کسی عمل پر عذاب کی وعید کرے اُسے اختیار ہے (چاہے تو اُسے پورا کرے چاہے تو معاف کر دے) اور ائمہ صادقین کی دُعاؤں میں سے ایک دعا یوں ہے کہ اے وہ اللہ کہ جب وعدہ کرے تو پورا کرتا ہے اور جب وعید کرے تو معاف کرتا ہے۔“

عذابِ ادنیٰ رجوع سے بھی ٹل سکتا ہے

قرآن مجید بھی اس اصل کا مؤید ہے کہ توبہ استغفار بلکہ ادنیٰ رجوع سے بھی عذابِ الہی ٹل جاتا ہے۔ چنانچہ سورہ زخرف میں ہے کہ جب قوم فرعون پر موعود عذاب آیا تھا۔ تو وہ کہتے تھے کہ:-

يَا أَيُّهَا الشَّجَرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۖ إِنَّا لَمُهْتَدُونَ. فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ.

(الزخرف: 50-51)

”یعنی انہوں نے کہا اے جادوگر! ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر۔ اس عہد کی وجہ سے جو اُس نے تجھ سے کیا ہے ہم یقیناً ہدایت پانے والے ہیں۔ اور جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تو وہ معاً وعدہ توڑ دیتے تھے۔“

اس آیت سے ظاہر ہے کہ عذابِ ادنیٰ رجوع سے بھی ٹل جاتا ہے۔ قوم فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہتی ہے مگر صرف دعا کی درخواست کرنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ اُن سے عذاب کو دور کر دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ لوگ عہد شکنی کریں گے۔ پھر قرآن کریم میں ہے کہ:-

وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ.

(الانفال: 34)

”کہ خدا تعالیٰ انہیں عذاب دینے والا نہیں درآنحالیکہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔“

پیشگوئیوں میں ملہم اجتہاد میں غلطی کر سکتا ہے

(2) ملہم اپنے الہام کا بعض اوقات اپنے اجتہاد سے ایک مفہوم سمجھتا ہے لیکن اس کا یہ اجتہادی خیال درست نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کے اپنے اجتہادی معنوں میں تو وہ خمیر غیب پوری نہیں ہوتی۔ البتہ اصل الہام کے الفاظ میں بہر حال پوری ہو جاتی ہے اور واقعات الہامی الفاظ کی صحیح تعبیر کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تیرے اہل کو غرق ہونے سے بچالوں گا۔ جب اُن کا بیٹا غرق ہونے لگا۔ تو انہوں نے خدا تعالیٰ کو اس کا وعدہ ان الفاظ میں یاد دلایا کہ:-

إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ -

(ہود: 46)

”یعنی بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ (کہ میں تیرے اہل کو بچاؤں گا) سچا ہے۔“

ان الفاظ میں اپنے بیٹے کے لئے بچائے جانے کی درخواست تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ:

إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ .

(ہود: 47)

”یعنی یقیناً وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ عمل کے لحاظ سے صالح نہیں۔ یا تیرا ایسی درخواست کرنا مناسب نہیں۔ پس تو ایسی بات کے لئے جس کا تجھے علم نہیں مجھ سے درخواست مت کر۔ میں تجھے (اس لئے) نصیحت کرتا ہوں کہ (مبادا) تم نادانوں میں سے ہو جاؤ۔“

ان آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے غرق ہونے والے بیٹے کو خدا کی پیشگوئی میں مذکور لفظ ”اہل“ میں داخل سمجھا۔ کیونکہ جسمانی لحاظ سے وہ بہر حال آپ کے ”اہل“ میں داخل تھا۔ لیکن علم الہی میں اہل کے بچایا جانے کے وعدہ میں وہ داخل نہ تھا۔ کیونکہ خدا کے نزدیک وہ ”اہل“ مراد تھے جو روحانی لحاظ سے بھی ”اہل“ ہوں۔ اس لئے نوح علیہ السلام نے اجتہادی غلطی سے بچائے جانے والے اہل کے وعدہ میں اسے داخل سمجھا حالانکہ وہ خدا کے وعدہ میں شامل نہ تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے نوح کو اس کے بچایا جانے کی درخواست پر ان کی غلطی سے متنبہ کر دیا۔ پس ضروری نہیں کہ ملہم الہام کے جو معنی سمجھے وہ ضرور درست ہوں یا جس امر کو وہ خدائی وعدہ سمجھے وہ ضرور خدائی وعدہ ہو اور اس میں تخلف جائز نہ ہو۔ ایسے خیالی وعدہ کو پورا کرنے کا خدا تعالیٰ ذمہ وار نہیں ہوتا۔ اسلامی عقائد کی کتابوں میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ يَجْتَهِدُ فَيَكُونُ خَطَاً۔

(نبراس شرح الشرح لعقائد النسفی جلد دوم صفحہ 392)

”یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اجتہاد کرتے تو اس میں خطا ہو جاتی۔“

آگے اس کے ثبوت میں حدیث نبویؐ ان الفاظ میں درج کی ہے:-

”الْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيبُ فَإِنْ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِنْ

أَخْطَا فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ۔ (نبراس)

کہ ”مجتہد اجتہاد میں غلطی بھی کرتا ہے اور درست اجتہاد بھی کرتا

ہے۔ اگر اس کا اجتہاد درست ہو تو اُسے دو اجر ملتے ہیں (ایک اجتہاد کرنے کا

اور دوسرا اجتہاد درست ہونے کا) اور اگر وہ غلطی کرے تو اُسے ایک اجر (یعنی

صرف اجتہاد کرنے کا) ملتا ہے۔

لہذا بعض اوقات ملہم ایک وعیدی پیشگوئی کو قضاے مبرم سمجھ لیتا ہے لیکن عند اللہ وہ قضاے معلق ہوتی ہے۔ ایسی مبرم سمجھی جانے والی قضاء بعض اوقات صدقہ اور دُعا وغیرہ سے ٹل جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:-

اَكْثَرُ مِنَ الدُّعَاءِ فَإِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ.

(کنز العمال جلد 2 الباب الثامن من الدعاء..... حدیث نمبر 3120)

کہ ”کثرت سے دُعا کرو۔ کیونکہ دُعا تقدیر مبرم (مبرم سمجھی ہوئی) کو

بھی ٹال دیتی ہے۔

اسی طرح صدقہ کے بارے میں ہے کہ:-

”إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الصَّدَقَةَ تَدْفَعُ

الْبَلَاءَ الْمُبْرَمَ النَّازِلَ مِنَ السَّمَاءِ.

(روض الرياضین بر حاشیہ قصص الانبیاء صفحہ 364)

یعنی ”صدقہ و خیرات اس بلاء کو دور کر دیتا ہے جو مبرم طور پر آسمان

سے نازل ہونے والی ہو۔“ (یعنی جسے بظاہر مبرم سمجھا جاتا ہو)

اسلام میں خدا کے دربار سے کوئی شخص مایوس نہیں لوٹتا۔ اس لئے وہ

فرماتا ہے:-

قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا

مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۖ

(الزمر: 54)

”اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ تم خدا کی

رحمت سے مایوس مت ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا۔ اللہ

تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم پر چالیس دنوں کے اندر عذاب نازل ہونے کی پیشگوئی فرمائی (دُرّ منشور وغیرہ) اور اپنی پیشگوئی کے متعلق انہیں اتنا یقین تھا کہ شہر سے باہر ڈیرہ ڈال کر عذاب کا انتظار کرنے لگے۔ مگر قوم نے ٹاٹ پہن لئے۔ اور عورتوں، بچوں، جانوروں اور چار پایوں کو بھوکا رکھ کر خدا تعالیٰ کے حضور واویلا کیا تو خدا نے قوم کے رجوع کی وجہ سے اس سے عذاب ٹال دیا۔ لیکن حضرت یونس علیہ السلام اس خیال سے بھاگ کھڑے ہوئے کہ میری پیشگوئی پوری نہ ہونے کی وجہ سے لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔ اور اس بھاگنے کی وجہ سے اُن پر گرفت ہوئی اور انہیں تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا اِيْمَانُهَا اِلَّا قَوْمٌ يُّوْسُسُ لَمَّا اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ

(یونس: 99)

”کہ کیوں کوئی اور بستی ایمان نہ لائی سوائے یونس کی بستی کے۔ جب اس بستی کے رہنے والے ایمان لے آئے تو ہم نے اُن سے عذاب دور کر دیا۔“

اور یونس علیہ السلام کے متعلق ایک اور جگہ آیا ہے کہ:-

وَذَالتُّونِ اِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ.

(الانبیاء: 88)

”کہ ذالتون (مچھلی والا۔ یونس) قوم سے ناراض ہو کر چل نکلا اور اس نے یہ گمان کیا کہ ہم اس پر کوئی تنگی نہیں کریں گے۔“ (لیکن اس پر تنگی وارد ہوئی یعنی اُسے مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا۔)

حضرت یونس علیہ السلام سے یہ اجتہادی غلطی سرزد ہوئی تھی کہ وہ اس وجہ سے بھاگ نکلے کہ میری عذاب کی پیشگوئی لفظاً پوری نہیں ہوئی حالانکہ یہ پیشگوئی وعیدی پیشگوئیوں کے قاعدہ کے ماتحت قوم کے توبہ اور رجوع سے ٹل گئی تھی اور یونس علیہ السلام پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر چونکہ وہ ایک اجتہادی خطا سے بھاگ نکلے تھے اس لئے خدا تعالیٰ حضرت یونس علیہ السلام کے اس بلا وجہ بھاگ نکلنے کے واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرماتا ہے کہ آپ بھی کسی وعیدی پیشگوئی کے متعلق ایسا نمونہ نہ دکھائیں جو یونس علیہ السلام نے دکھایا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی غرض سے مخاطب کر کے فرماتا ہے:-

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْخُوْتِ
إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ . (القلم: 49)

ترجمہ۔ اے نبی! وعیدی پیشگوئیوں میں خوب انتظار کرنا اور مچھلی والے یعنی یونسؑ کی طرح نہ بننا جب اس نے خدا کو پکارا اس حال میں کہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا (کہ میری پیشگوئی کیوں پوری نہ ہوئی)۔

اور قرآن مجید اس واقعہ کو بیان کر کے اُمتِ محمدیہ کے ملہمین کو بھی اللہ تعالیٰ بالواسطہ نصیحت کرتا ہے کہ وعیدی پیشگوئیاں اگر لفظاً پوری نہ ہوں اور جس کے بارہ میں پیشگوئی ہو اس کے توبہ کر لینے سے اگر پیشگوئی ٹل جائے تو یہ گھبراہٹ کی جگہ نہیں۔ اور اُمت کے علماء اور دوسرے لوگوں کو اس واقعہ کے ذکر سے متنبہ کیا ہے کہ وہ وعیدی پیشگوئیوں پر بلا وجہ کسی ملہم پر زبان طعن دراز نہ کریں کیونکہ وعیدی پیشگوئیاں ہمیشہ توبہ کی شرط سے مشروط ہوتی ہیں اور توبہ کر لینے والوں سے ان میں بیان کردہ عذاب ٹل جایا کرتا ہے۔ اس لئے یہ بات محلّ اعتراض نہیں۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ

صلح حدیبیہ کا واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انبیاء سے اجتہادی خطا کے واقع ہونے میں خدا تعالیٰ کو خاص حکمتیں اور مصلحتیں بھی مد نظر ہوتی ہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے رؤیا میں دکھایا کہ مسلمان بے خوف ہو کر بالکل امن سے خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں اور سر منڈوا کر احرام کھول رہے ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق چودہ سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ عمرہ (چھوٹے حج) کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے آپ کا داخلہ روک دیا۔ چونکہ رؤیا بتاتی تھی کہ مکہ میں داخلہ امن سے ہوگا اور کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اس لئے صحابہ کو تلوار کے علاوہ دیگر اسلحہ ساتھ لے جانے کی اجازت نہ تھی۔ حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی خواہش پر ایک صلح کا معاہدہ کرنا پڑا جس میں شرط تھی کہ مسلمان اگلے سال آئیں تو اجازت دی جائے گی۔ صلح کی شرائط میں مشرکین نے یہ شرط بھی پیش کی کہ اگر مکہ کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا تو اُسے واپس کرنا پڑے گا۔ اور اگر مدینہ سے کوئی مکہ آئے گا تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ یہ شرط مساویانہ نہ تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ مسلمان اگر اس شرط کو قبول کر لیں تو گویا وہ مشرکین سے دب کر صلح کرنے والے ہوں گے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منشاء الہی سے یہ شرطیں مان لیں اور مشرکین سے صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ نے منکشف فرمایا کہ یہ شرائط مسلمانوں کے لئے کوئی نقصان دہ نہیں۔ چنانچہ بالآخر یہی شرائط خود مشرکین کے لئے وبال بن گئیں۔ انہوں نے اس معاہدہ کی

خلاف ورزی کی اور اس کے نتیجہ میں مکہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑھائی کی اور مکہ فتح ہو گیا۔ لیکن چونکہ بظاہر شرائط سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ صلح دُکھ کر کی جارہی ہے اس لئے بعض صحابہ کرام پر یہ معاہدہ بہت شاق گزرا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی گفتگو کی جس کا وہ بعد میں کفارہ دیتے رہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الفتح جلد 3 صفحہ 137 مصری میں حدیث ہے:-

جَاءَ عُمَرُ فَقَالَ أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ. أَلَيْسَ قَتَلْنَا فِي الْجَنَّةِ وَهُمْ فِي النَّارِ. قَالَ بَلَى. قَالَ فَفِيمَ أُعْطِيَ الدُّنْيَا فِي دِينِنَاو نَرْجِعُ وَلَمَّا يَحْكُمِ اللَّهُ بَيْنَنَا فَقَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِيَ اللَّهُ أَبَدًا فَرَجَعَ مُتَغَيِّظًا۔

”کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم سچائی پر اور وہ لوگ (مشرکین مکہ) باطل پر نہیں؟۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں (یعنی ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر) حضرت عمرؓ نے یہ بھی کہا کہ ہمارے مقتولین جنتی اور اُنکے مقتولین ناری نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں۔ (یعنی ہمارے مقتولین جنتی اور اُن کے ناری ہیں) حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر کس وجہ سے ہمارے دین کے معاملہ میں کمزوری دکھائی گئی ہے (یعنی جنگ نہیں کی جارہی اور ایسی شرائط پر صلح کی جارہی ہے جس میں مشرکین کی طرف سے ہم پر ناجائز دباؤ ڈالا گیا ہے) اور ہم واپس جا رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابن خطاب! میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ پس حضرت عمرؓ ناراض ہونے کی حالت میں واپس ہوئے۔“

پھر اُن کی یہ گفتگو صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشرط فی
 الجہاد والمصالحة جلد 2 صفحہ 81 مطبوعہ مصر میں یوں درج ہے:-
 حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں
 نے کہا۔ اَلَسْتُ نَبِیُّ اللّٰهِ حَقًّا۔ کیا آپ سچے نبی نہیں؟ آپؐ نے فرمایا بلی۔ ہاں
 میں سچا نبی ہوں۔ پھر کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟۔ آپؐ نے
 فرمایا۔ ہاں (یعنی ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر ہے) میں نے کہا فَلِمَ نُعْطِی
 الدِّنِیَّةَ فِی دِیْنِنَا اِذَا کہ پھر ہم اپنے دین میں کیوں کمزوری دکھائیں (یعنی کیوں
 دب کر صلح کریں)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور
 میں اس کی نافرمانی کرنے والا نہیں وہ میرا مددگار ہے۔ میں نے کہا اَوَلَیْسَ کُنْتُ
 نَحْدُثُکَ اِنَّا سَنَاتِی الْبَیْتُ فَتَطُوْفُ۔ کہ آپ ہم سے بیان نہیں کرتے تھے کہ ہم
 عنقریب بیت اللہ میں آئیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں
 تو کیا میں تمہیں یہ خبر دیتا تھا کہ ہم اسی سال ہی آئیں گے؟ میں نے کہا نہیں۔ تو
 آپؐ نے فرمایا تم بیت اللہ میں آنے والے ہو۔ اور اس کا طواف کرنے والے
 ہو۔ اس کے بعد اسی مضمون کی گفتگو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے بھی کی اور
 انہوں نے ایسے ہی جوابات دیئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے
 تھے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں اس گفتگو کے بعد مجھے کئی اعمال کرنے پڑے۔ (یعنی
 کفارہ ادا کرنا پڑا)

زاد المعاد میں امام ابن قیمؒ یہ روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا:-

مَا شَكَّكْتُ مِنْذُ اسْلَمْتُ اِلَّا يَوْمَ مِئْدٍ۔

(زاد المعاد جلد اول صفحہ 376)

کہ ”میں جب مسلمان ہوا مجھے صرف اسی دن شک پیدا ہوا۔“

پھر آگے بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اُٹھو قربانی دو۔ پھر سرمنڈواؤ (یعنی احرام کھول دو) راوی کہتا ہے۔ فَوَاللّٰهِ مَا قَامَ مِنْهُمْ رَجُلٌ حَتّٰی قَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ کہ خدا کی قسم کوئی صحابہ سے نہ اُٹھا یہاں تک کہ آپؐ نے تین دفعہ یہ حکم دیا۔ جب کوئی بھی نہ اُٹھا تو آپؐ حضرت اُمّ سلمہؓ (اپنی زوجہ) کے پاس گئے اور لوگوں کے اس معاملہ کا ذکر کیا۔ اُمّ سلمہؓ نے کہا۔ اے نبی اللہ کیا آپؐ ایسا چاہتے ہیں؟ آپؐ ان میں سے کسی سے ایک کلمہ بھی نہ کہیے۔ اپنی قربانی دیجیے۔ پھر سرمنڈنے والے کو بلائیے کہ وہ آپؐ کا سر منڈ دے۔ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ باہر نکلے۔ کسی سے کلام نہ کی۔ اپنی قربانی دی اور سرمنڈایا۔ جب صحابہ نے یہ دیکھا تو وہ بھی اُٹھے اور انہوں نے قربانیاں دیں اور بعض بعض کا سر منڈنے لگے۔ حَتّٰی كَادَ بَعْضُهُمْ يَقْتُلُ بَعْضًا غَمًّا كَهَقْدِهِ كَقَرِيبٍ تَهَاكُمُ الْغَمُّ كَمَا رَمَى (یعنی بدحواسی میں) ایک دوسرے کو قتل کر دیں (کیونکہ ان کے دل ان شرائط کی وجہ سے مغموم تھے) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رویاؑ کے بعد عمرہ کے لئے چلے جانا محض اپنے اجتہاد کی بناء پر تھا۔ آپؐ نے تعبیر یہی خیال کی تھی کہ عمرہ امن سے ہو جائے گا۔ گو اس سال تو عمرہ نہ ہو سکا مگر یہ اجتہاد ہی سفر بھی ایک لطیف حکمت کا حامل ثابت ہوا۔ گو اس سال طواف و زیارت کعبہ تو نہ ہو سکی مگر

۱۔ یہ رویا طواف کعبہ کے متعلق تھی۔ اس کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلے سال اس کے پورا ہونے کی شرط سے اطلاع نہیں دی گئی تھی ہاں اللہ تعالیٰ کے مد نظر یہی تھا کہ صلح واقعہ ہو جانے کے بعد اگلے سال یہ رویا پوری ہوگی۔ اس شرط پر اطلاع نہ دیا جانے کی وجہ سے ہی لوگوں کو ابتلا پیش آیا۔ اس سے ظاہر ہے بعض اوقات وعدہ عند اللہ مشروط ہوتا ہے مگر ملہم کو خاص مصلحت کے ماتحت شرط سے آگاہ نہیں کیا جاتا۔

مشرکوں سے صلح کا معاہدہ ہو گیا جس کے نتیجہ میں بالآخر مشرکین کے خود معاہدہ کی شرائط توڑ دینے پر یہ معاہدہ فتح مکہ پر منسوخ ہوا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ (الفتح: 28)

کہ خدا تعالیٰ نے رسول کو جو رؤیا دکھائی تھی اسے سچا کر دکھایا ہے کہ تم ضرور مسجد حرام میں امن سے داخل ہو گے۔ اپنے سر منڈاتے ہوئے یا تراشتے ہوئے اور کسی سے نہ ڈرتے ہوئے فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا۔ اللہ تو اس سے وہ کچھ جانتا تھا (یعنی وقت میں تاخیر کی مصلحت) جو تمہارے علم میں نہ تھا تو خدا تعالیٰ نے قریب ہی کے زمانہ میں فتح دے دی۔ پس نبی کی اجتہادی خطا میں بھی بعض اوقات خدا تعالیٰ کی کوئی لطیف حکمت ہوتی ہے۔ گو اس اجتہادی خطا کے نتیجہ سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو بھی سخت دھکا لگا تھا۔ مگر آخر خدا کی حکمت ظاہر ہوئی اور اس کے رسول کی بات بھی پوری ہوئی اور اس صلح کے نتیجہ میں جو مسلمانوں کا دل توڑ رہی تھی خدا تعالیٰ نے مکہ فتح کرادیا۔ چونکہ یہ وعدہ کی پیشگوئی تھی اس لئے ٹل نہیں سکتی تھی۔

صلح حدیبیہ کے متعلق مفسرین کے اقوال

(1) امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ تفسیر جلالین تفسیر سورۃ الفتح صفحہ 424 میں سورۃ فتح کے شان نزول میں لکھتے ہیں:-

رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ عَامَ الْحَدِيبَةِ قَبْلَ خُرُوجِهِ أَنَّهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ آمِنِينَ يُحَلِّقُونَ وَيُقَصِّرُونَ فَأَخْبَرَ بِذَلِكَ الصَّحَابَةَ فَفَرِحُوا فَلَمَّا خَرَجُوا مَعَهُ وَصَدَّهُمُ الْكُفَّارُ بِالْحَدِيبَةِ رَجَعُوا وَشَقَّ عَلَيْهِمُ

بِذَلِكَ وَ رَأَى بَعْضَ الْمَنَافِقِينَ فَنَزَلَتْ.

”کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال (سفر پر) باہر نکلنے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ آپؐ معہ صحابہ مکہ میں امن سے داخل ہوئے ہیں۔ سرمنڈاتے یا تراشتے ہوئے۔ تو آپؐ نے اس امر کی صحابہ کو خبر دی جس پر وہ خوش ہوئے۔ پس جب وہ آپؐ کے ساتھ نکلے اور کفار نے انہیں حدیبیہ پر روک دیا تو وہ ایسی حالت میں واپس ہوئے کہ یہ امر ان پر شاق تھا۔ اور بعض منافقوں نے شک کیا تو سورۃ فتح نازل ہوئی۔“

(2) امام ابن قیمؒ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

أَخْبَرَ سُبْحَانَهُ أَنَّهُ صَدَقَ رَسُولُهُ رُؤْيَاهُ فِي دُخُولِهِمُ الْمَسْجِدَ. آمِنِينَ وَأَنَّهُ سَيَكُونُونَ وَلَا بُدَّ وَلَكِنْ لَمْ يَكُنْ قَدْ آنَ وَقْتُ ذَلِكَ فِي الْعَامِ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ عَلِمَ مِنْ مَّصْلَحَةٍ تَأْخِيرِهِ إِلَى وَقْتِهِ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ فَأَنْتُمْ أَحْبَبْتُمْ اسْتِعْجَالَ ذَلِكَ وَالرَّبُّ تَعَالَى يَعْلَمُ مَصْلَحَةَ التَّأْخِيرِ.

”اللہ سبحانہ نے اپنے رسول کو سچی خواب دکھائی جو ان کے مسجد (حرام) میں امن سے داخل ہونے کے متعلق تھی کہ ایسا عنقریب ہوگا۔ یہ ضرور واقع ہوگا لیکن اس سال ابھی اس کا وقت نہ آیا تھا۔ اور اللہ سبحانہ اس کے وقت کی تاخیر کی مصلحت جانتا تھا جو تم لوگوں نے نہ جانی۔ پس تم نے تو اس بات کا جلدی وقوع میں آنا چاہا اور خدا تعالیٰ اس میں تاخیر کی مصلحت جانتا ہے۔“

(زاد المعاد جلد اول صفحہ 384)

(3) تفسیر روح البیان جلد 4 صفحہ 501 میں لکھا ہے:-

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي الْمَنَامِ أَنَّهُ

دَخَلَ مَكَّةَ وَاصْحَابُهُ آمِنِينَ..... وَآخَبَ بِذَلِكَ الصَّحَابَةَ ففَرَحُوا
ثُمَّ أَخَبَ اصْحَابَهُ أَنَّهُ يُرِيدُ الْخُرُوجَ لِلْعُمْرَةِ..... كَانَ الْمُسْلِمُونَ
لَا يَشْكُونُ فِي دُخُولِهِمْ مَكَّةَ وَطَوَافِهِمُ الْبَيْتَ ذَلِكَ الْعَامَ لِلرُّوْيَا
الَّتِي رَأَاهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَوْا الصَّلْحَ دَخَلَهُمْ
مِنْ ذَلِكَ أَمْرٌ عَظِيمٌ.

”کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ اور
صحابہؓ مکہ میں امن سے داخل ہو رہے ہیں..... آپؐ نے اس کی خبر صحابہ کو
دی وہ خوش ہوئے۔ پھر آپؐ نے بتایا کہ آپؐ عمرہ کے لئے جانا چاہتے
ہیں۔ مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس روایا کی وجہ سے اسی سال
مکہ میں داخل ہونے اور بیت اللہ کا طواف کرنے کے بارہ میں کوئی شک نہ
تھا۔ جب انہوں نے صلح (کا وقوع) دیکھا تو اس سے انہیں سخت صدمہ ہوا۔“
پس اس اجتہادی غلطی سے گو مسلمانوں کو بہت سخت صدمہ ہوا۔ لیکن
اجتہادی غلطی کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔

اجتہادی خطا کا ایک اور واقعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ
فَذَهَبَ وَهَلَيْتُ إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرْتُ فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرَبُ.

(بخاری کتاب مناقب الانصار باب ہجرة النبي)

”کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایک کھجوروں والی
زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں تو میرا خیال (اجتہاداً) اس طرف گیا کہ یہ
سرزمین یمامہ یا ہجر ہوگی۔ لیکن اچانک وہ زمین مدینہ یثرب نکلی۔“

پس اجتہادی غلطی اگر نبی سے سرزد ہو تو یہ نبوت میں خارج نہیں۔ اور اس پر اعتراض کرنا دیا ننداری نہیں۔

تقدیر مبرم کی اقسام

وہ تقدیر مبرم جس کے دُعا و صدقہ سے ٹل جانے کا ذکر احادیثِ نبویہ کی رو سے قبل ازیں پیش کیا جا چکا ہے ایسی تقدیر مبرم ہوتی ہے جو دراصل خدا کے نزدیک تو مبرم نہیں ہوتی بلکہ معلق ہی ہوتی ہے۔ لیکن ملہم پر اس کا معلق ہونا ظاہر نہیں کیا جاتا اور وہ اجتہاد اس کے قطعی مبرم ہونے کا حکم ہی لگا دیتا ہے اور پھر خبر کے پورا نہ ہونے پر پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ دراصل معلق تھی۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر 217 میں لکھتے ہیں:

”باید دانست اگر پرسند کہ سبب چیست کہ در بعضی از کشوف کوئی کہ از اولیاء اللہ صادر مے گرد غلط واقع مے شود و خلاف بظہور مے آید۔ مثلاً خبر کردند کہ فلانے بعد از یکماہ خواب مرد یا از سفر بوطن مراجعت خواب نمود اتفاقاً بعد از یکماہ ازیں دو چیز ہیچ کدام بوقوع نیامد۔ در جواب گوئم کہ حصول آں مکشوف و مخبر عنہ مشروط بشرائط بودہ است کہ صاحب کشف در آں وقت بہ تفصیل اطلاع نیافتہ و حکم کردہ بحصول آں شیء مطلقاً یا آنکہ گوئم حکمے از احکام لوح محفوظ بر عارف ظاہر شدہ کہ آں حکم فی نفسہ قابلِ محو و اثبات است و از قبیل قضائے معلق لما آں عارف را از تعلیق و قابلیت محو وے خبر نے دریں صورت اگر بمقتضائے علم خود حکم کند ناچار احتمالِ تخلف خواب داشت۔“

”کہ جاننا چاہیے اگر یہ سوال کریں کہ اس بات کا کیا سبب ہے کہ بعض آئندہ ہونے والے واقعات کی خبر دینے سے متعلق بعض کشوف جو خدا

کے پیاروں سے صادر ہوتے ہیں۔ غلط واقع ہو جاتے ہیں اور ان کے خلاف ظہور میں آتا ہے۔ مثلاً خبر دیتے ہیں کہ فلاں شخص ایک ماہ میں مرجائے گا یا سفر سے وطن واپس آجائے گا۔ اتفاقاً ایک ماہ کے بعد دونوں میں سے کوئی بات وقوع میں نہیں آتی۔

اس سوال کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ کشف اور اس کی خبر مشروط بشرائط ہوتی ہے جس پر اس وقت صاحب کشف کو ان شرائط کی تفصیل سے اطلاع نہیں ملتی وہ اس کے مطلق پورے ہونے کا حکم لگا دیتا ہے یا یہ کہ لوح محفوظ کے احکام کلی طور پر اس عارف پر ظاہر نہیں ہوئے کہ وہ حکم فی نفسہ محو اثبات کے قابل ہے اور قضائے معلق میں سے ہے۔ لیکن اس عارف کو اس کی تعلیق اور محو کی قابلیت کی خبر نہیں ہوتی۔ اس صورت میں اپنے علم کے تقاضا کے مطابق وہ حکم لگا دیتا ہے۔ ناچار ایسی خبر کے پورا نہ ہونے کا احتمال ہوگا۔“

(مکتوبات جلد اول صفحہ 122-123 مکتوب نمبر 217 مطبوعہ رؤف اکیڈمی لاہور)

اسی مکتوب میں اگلے صفحہ پر قضائے معلق کی دو قسمیں یوں بیان کرتے ہیں کہ:-

”قضائے معلق بر دو گونه است قضائے است کہ تعلیق اور در لوح

محفوظ ظاہر ساختہ اند و ملائکہ را بر آں اطلاع دادہ و قضائے کہ تعلیق او نزد خدا

است جل شانہ و بس و در لوح محفوظ صورت قضائے مبرم دارد و ایں قسم اخیر از

قضائے معلق نیز احتمال دارد در تبدیل رنگ قسم اول۔

(مکتوبات جلد اول صفحہ 124 مکتوب نمبر 217 مطبوعہ رؤف اکیڈمی لاہور)

”کہ قضائے معلق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قضائے معلق وہ ہے جس

کا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر کر دیا گیا ہوتا ہے اور فرشتوں کو اس (تعلیق)

پر اطلاع دے دی جاتی ہے۔ اور ایک قضائے معلق وہ ہے جس کا معلق ہونا

صرف خدا تعالیٰ جل شانہ ہی جانتا ہے۔ اور لوح محفوظ میں وہ قضائے مبرم کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہ آخری قسم قضائے معلق کی بھی (جو صورت مبرم ہوتی ہے) پہلی قسم کی قضا کی طرح تبدیلی کا احتمال رکھتی ہے۔“

ایک واقعہ

اس جگہ حضرت مجتہد الف ثانی علیہ الرحمۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا ایک واقعہ اور حضرت جبریل علیہ السلام کی پیشگوئی بھی درج کرتے ہیں جس میں ایک شخص کی موت کی خبر دی گئی تھی۔ مگر وہ صدقہ دینے کی وجہ سے بچ گیا۔ (مکتوبات جلد اول صفحہ 232)

ایک اور واقعہ

تفسیر روح البیان مطبوعہ مصر جلد 1 صفحہ 257 میں آتا ہے:-

”إِنَّ قَصَّارًا مَرَّ عَلَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ مَعَ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْحَوَارِيِّينَ فَقَالَ لَهُمْ عِيسَى أَحْضَرُوا جَنَازَةَ هَذَا الرَّجُلِ وَقَدْ الظُّهْرِ فَلَمْ يَمُتْ فَنَزَلَ جِبْرِيلُ وَقَالَ أَلَمْ تُخْبِرْنِي بِمَوْتِ هَذَا الْقَصَّارِ فَقَالَ نَعَمْ وَلَكِنْ تَصَدَّقْ بَعْدَ ذَلِكَ بِثَلَاثَةِ أَرْغِفَةٍ فَنَجَّا مِنَ الْمَوْتِ.“

”کہ ایک دھوبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے جب ایک حواریوں کی جماعت اُن کے ساتھ تھی گزرا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے کہا کہ اس آدمی کے جنازہ پر ظہر کے وقت حاضر ہو جانا۔ وہ نہ مرا تو جبریل نازل ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُسے کہا کیا تُو نے مجھے اس دھوبی کی موت کی خبر نہ دی تھی؟ جبریل نے کہا ہاں۔ لیکن اُس نے تین

روٹیاں صدقہ میں دے دیں تو موت سے نجات پا گیا۔“

پس صدقہ اور دُعا سے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ مبرم تقدیر بھی ٹل جاتی ہے۔ یہ وہی مبرم تقدیر ہوتی ہے جو دراصل تو معلق ہوتی ہے لیکن ملہم اُسے مبرم سمجھتا ہے۔ کیونکہ اسے اُس کے معلق ہونے کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے وضاحت نہیں ہوتی۔

تعبیر کا دوسرے رنگ میں ظہور

ایک اصل پیشگوئیوں کا یہ بھی ہے کہ کبھی ایک بات دکھائی جاتی ہے مگر وہ پوری کسی اور رنگ میں ہوتی ہے۔ چنانچہ تاریخ انجیس جلد 2 صفحہ 121 پر لکھا ہے:-

قال اسمعيلي قال اهل التعبير ان رسول الله صلى الله

عليه وسلم رأى في المنام اسيد بن ابى العيص واليا على مكة مسلما فمات على الكفر وكانت الرؤيا لولده عتاب أسلم.

”کہ اسماعیلی نے کہا ہے کہ اہل تعبیر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اسید بن ابی العیص کو مسلمان ہونے کی حالت میں مکہ کا والی دیکھا۔ وہ تو کفر پر مر گیا اور رؤیا اسکے بیٹے عتاب کے حق میں پوری ہوئی جو مسلمان ہو گیا۔“

پھر بخاری کتاب التعبير میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

بيننا انا نائم البارحة اذ اُتيتُ بمفاتيح خزائن الارض حتى وُضعتْ في يدي قال ابوهريرة فذهب رسولُ الله صلى الله عليه وسلم وانتم تَنْتَقِلُونَهَا۔ (بخاری کتاب التعبير باب رؤيا الليل)

”کہ میں سو رہا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں

یہاں تک کہ وہ میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو تشریف لے گئے۔ اب تم (اے صحابہ) ان خزانوں کو لارہے ہو۔“

پیشگوئی متعلق محمدی بیگم صاحبہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس پیشگوئی کے ذریعہ جس کی ہم وضاحت کریں گے۔ خدا تعالیٰ آپ کے اُن رشتہ داروں کو جو دہریہ اور دین اسلام سے تمسخر کرنے والے تھے ایک نشان دکھانا چاہتا تھا۔ تا جو لوگ اُن میں سے اس نشان کو رد کر دیں وہ سزا پائیں اور دوسرے اس سے تنبیہ حاصل کریں۔ یہی اس پیشگوئی کی اصل غرض تھی اور یہی حکمت الہی اور مصلحت اس میں مضمر تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود تحریر فرماتے ہیں:-

”ہمیں اس رشتہ (محمدی بیگم صاحبہ کے رشتہ) کی درخواست کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ سب ضرورتوں کو خدا نے پورا کر دیا تھا۔ اولاد بھی عطا کی اور ان میں سے وہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ ہوگا۔ بلکہ ایک اور لڑکا قریب مدت میں ہونے کا وعدہ دیا جس کا نام محمود احمد ہوگا۔ وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا۔ پس یہ رشتہ جس کی درخواست محض بطور نشان ہے تا خدا تعالیٰ اس کنبہ کے منکرین کو عجبہ قدرت دکھائے۔ اگر وہ قبول کریں تو برکت اور رحمت کے نشان اُن پر نازل کرے اور اُن بلاؤں کو دفع کرے جو نزدیک ہیں۔ لیکن اگر وہ رد کر دیں تو اُن پر قہری نشان نازل کر کے اُن کو متنبہ کرے۔“

(اشہار 15 جولائی 1888ء)

ان رشتہ داروں کی حالت حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب

”آئینہ کمالات اسلام“ میں یوں بیان کرتے ہیں:-

”خدا تعالیٰ نے میرے چچیرے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں (احمد بیگ وغیرہ) کو ملحدانہ خیالات اور اعمال میں مبتلا اور رسومِ قبیحہ اور عقائدِ باطلہ اور بدعات میں مستغرق پایا اور اُن کو دیکھا کہ وہ اپنے نفسانی جذبات کے تابع ہیں اور خدا تعالیٰ کے وجود سے منکر اور فسادی ہیں۔“

(ترجمہ عربی عبارت از آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 566)

پھر فرماتے ہیں:-

”ایک رات ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص میرے پاس روتا ہوا آیا۔ میں اس کے رونے کو دیکھ کر خائف ہوا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کسی کے مرنے کی اطلاع ملی ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت بات ہے۔ میں اُن لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جو دینِ خداوندی سے مُرد ہو چکے ہیں۔ پس اُن میں سے ایک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت گندی گالی دی۔ ایسی گالی کہ میں نے اس سے پہلے کسی کافر کے مُنہ سے بھی نہیں سنی تھی اور میں نے اُنہیں دیکھا کہ وہ قرآن مجید کو اپنے پاؤں تلے روندتے اور ایسے کلمات بولتے ہیں جن کے نقل کرنے سے زبان کا نپتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ دُنیا میں کوئی خدا نہیں۔ خدا کا وجود محض ایک مفتریوں کا جھوٹ ہے۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ کیا میں نے تمہیں اُن کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں کیا تھا۔“

(ترجمہ عربی عبارت از آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 569)

رشتہ داروں کا نشان طلب کرنا:

پھر حضرت اقدسؑ تحریر فرماتے ہیں:-

”ان لوگوں نے خط لکھا جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کو گالیاں دیں اور وجود باری عز اسمہ کا انکار کیا اور اس کے ساتھ ہی مجھ سے میری سچائی اور وجود باری تعالیٰ کے نشانات طلب کئے۔ اور اس خط کو انہوں نے دنیا میں شائع کر دیا اور ہندوستان کے غیر مسلموں کی بہت مدد کی اور انتہائی سرکشی دکھائی۔

(ترجمہ از عربی عبارت آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 568)

نوٹ:- (یہ خط عیسائی اخبار چشمہ نور اگست 1887ء میں شائع ہوا تھا)۔

نشان طلب کرنے پر حضرت اقدس کی دُعا:

نشان طلب کرنے پر حضرت مسیح موعودؑ نے دُعا کی جو آپ نے اپنی کتاب ”آئینہ کمالات اسلام“ کے صفحہ 559 پر بدیں الفاظ درج فرمائی ہے:-

قُلْتُ يَا رَبِّ انْصُرْ عَبْدَكَ وَاخْذُلْ اَعْدَائَكَ. الخ

ترجمہ: میں نے کہا اے میرے خدا! اپنے بندے کی مدد کر اور اپنے دشمنوں کو ذلیل کر۔

خدا تعالیٰ کا جواب:

اس دُعا کے جواب میں خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا کہ:-

”میں نے اُن کی بدکرداری اور سرکشی دیکھی ہے۔ پس میں عنقریب اُن کو مختلف قسم کے آفات سے ماروں گا۔ اور آسمان کے نیچے انہیں ہلاک کروں گا۔ اور عنقریب تو دیکھے گا کہ میں اُن سے کیا سلوک کرتا ہوں اور ہم ہر

چیز پر قادر ہیں۔ میں اُن کی عورتوں کو بیوائیں اُن کے بچوں کو یتیم اور گھروں کو ویران کر دوں گا تاکہ وہ اپنے کئے کی سزا پائیں۔ لیکن میں انہیں یک دم ہلاک نہیں کروں گا۔ بلکہ آہستہ آہستہ تاکہ وہ رجوع کریں اور توبہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور میری لعنت اُن پر اور اُن کے گھر کی چار دیواری پر اُن کے بڑوں پر اور اُن کے چھوٹوں پر اُن کی عورتوں اور اُن کے مردوں پر اور ان کے مہمانوں پر جو ان کے گھروں میں اُتریں گے نازل ہونے والی ہے۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائیں اور اُن سے قطع تعلق کریں اور اُن کی مجلسوں سے دُور ہوں وہ رحمتِ الہی کے تحت ہوں گے۔“

(ترجمہ عربی عبارت آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 569-570)

خاص پیشگوئی کے بارہ میں الہامات:

یہ الہام جو اُوپر مذکور ہوا۔ محمدی بیگم صاحبہ کے سلسلہ میں ایک ایسا الہام تھا جو رشتہ داروں کے متعلق عمومی رنگ رکھتا تھا۔ حضرت اقدسؑ تحریر فرماتے ہیں:-

”انہی ایام میں مرزا احمد بیگ والد محمدی بیگم صاحبہ نے ارادہ کیا کہ اپنی ہمشیرہ کی زمین کو جس کا خاوند کئی سال سے مفقود الخیر تھا اپنے بیٹے کے نام ہبہ کرائے۔ لیکن بغیر ہماری مرضی کے وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ وہ ہمارے چچا زاد بھائی کی بیوہ تھی۔ اس لئے احمد بیگ نے ہماری جانب بجز واکسار رجوع کیا۔ اور قریب تھا کہ ہم اس ہبہ نامہ پر دستخط کر دیتے لیکن حسبِ عادت استخارہ کیا تو اس پر وحی الہی ہوئی۔ جس کا ترجمہ یوں ہے۔ ”اس شخص کی بڑی لڑکی کے رشتہ کے لئے تحریک کر اور اس سے کہہ کہ وہ تجھ سے پہلے دامادی کا تعلق قائم کرے اور اس کے بعد تمہارے نور سے روشنی حاصل کرے۔ نیز اس سے کہو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ زمین جو تُو نے مانگی ہے دے

دوں گا۔ اور اس کے علاوہ کچھ اور زمین بھی، نیز تم پر کئی اور رنگ میں احسان کروں گا بشرطیکہ تم اپنی بڑی لڑکی کا مجھ سے رشتہ کر دو۔ اور یہ تمہارے اور میرے درمیان عہد و پیمان ہے۔ جسے تم اگر قبول کرو گے تو مجھے بہترین طور پر قبول کرنے والا پاؤ گے اور اگر تم نے قبول نہ کیا تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اس لڑکی کا کسی اور شخص سے نکاح نہ اس لڑکی کے حق میں مبارک ہوگا اور نہ تمہارے حق میں اور اگر تم اس ارادہ سے باز نہ آئے تو تم پر مصائب نازل ہوں گے اور آخری مصیبت تمہاری موت ہوگی اور تم نکاح کے بعد تین سال کے اندر مر جاؤ گے۔ بلکہ تمہاری موت قریب ہے جو تم پر غفلت کی حالت میں وارد ہوگی۔ اور ایسا ہی اس لڑکی کا شوہر بھی اڑھائی سال کے اندر مر جائے گا۔ اور یہ قضاء الہی ہے۔ پس تم جو کچھ کرنا چاہو کرو میں نے تمہیں نصیحت کر دی ہے۔“

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 572-573)

خدا تعالیٰ کے حضور توجہ کرنے پر اس بارہ میں آپ کو یہ الہام بھی ہوا:-

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ
وَيَرْذُهَا إِلَيْكَ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ.

(اشتہار 10 جولائی 1888ء۔ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 137 بار دوم۔ تذکرہ صفحہ 126 مطبوعہ 2004ء)

ترجمہ:- ان لوگوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا ہے اور ان کے ساتھ ٹھٹھا کرتے رہے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے مقابلہ میں تیرے لئے کافی ہوگا (یعنی انہیں عذاب دے گا) اور اس عورت کو تیری طرف لوٹائے گا خدا کے کلمات بدل نہیں سکتے۔“

15 جولائی 1888ء کے اشتہار میں ایک اور الہام بھی تحریر فرماتے ہیں جو

محمدی بیگم صاحبہ کی واپسی کو مشروط کر رہا ہے۔ اس الہام کے متعلق آپ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے کشف میں محمدی بیگم صاحبہ کی نانی کو دیکھا کہ اس کے چہرہ پر رونے کی علامات ہیں تو آپ نے اُسے کہا:-

اَيُّهَا الْمَرْءَةُ تُوبِي تُوْبِي فَإِنَّ الْبَلَاءَ عَلَى عَقِبِكَ
وَالْمُصِيبَةُ نَازِلَةٌ عَلَيْكَ يَمُوتُ وَيَبْقَى مِنْهُ كِلَابٌ مُتَعَدِّدَةٌ.

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 140 حاشیہ (باردوم) تتمہ اشتہار 10 جولائی 1888ء)

ترجمہ: اے عورت توبہ کر توبہ کر کیونکہ بلا تیری اولاد اور اولاد در اولاد پر پڑنے والی ہے اور تجھ پر مصیبت نازل ہونے والی ہے ایک شخص مرے گا اور اس سے بہت سے ایسے معترض باقی رہ جائیں گے جو زبان درازی سے کام لیں گے۔

یہ الہام بتاتا ہے کہ محمدی بیگم صاحبہ کی نانی کی لڑکی اور لڑکی کی لڑکی یعنی محمدی بیگم صاحبہ پر بلاء نازل ہونے والی تھی۔ جس سے محمدی بیگم صاحبہ کی نانی مصیبت میں مبتلا ہونے والی تھی۔ اور یہ بلاء اور مصیبت توبہ سے ٹل سکتی تھی۔ یہ الہام ایک شخص کا مرنا اور ایسے معترضین کا پیدا ہونا بھی بتاتا ہے جو نا واجب طریق سے اعتراض کے لئے زبان کھولنے والے تھے۔ پس اس امر کو بنیادی طور پر یاد رکھنا چاہیے کہ الہام يَرْذُهَا إِلَيْكَ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ توبہ نہ کرنے کی شرط سے مشروط ہے اور توبہ کے وقوع میں آنے پر پیشگوئی کا یہ حصہ جو محمدی بیگم صاحبہ کی واپسی سے تعلق رکھتا ہے ٹل سکتا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب محمدی بیگم کے باپ نے اُن کا نکاح دوسری جگہ کر دیا تو پیشگوئی کے مطابق محمدی بیگم صاحبہ کا والد مرزا احمد بیگ نکاح کرنے کے بعد چھ ماہ کے عرصہ میں پیشگوئی کی میعاد کے اندر ہلاک ہو گیا اور اس کی ہلاکت کا کنبہ پر شدید اثر پڑا اور محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند نے بھی توبہ اور رجوع الی اللہ سے کام لیا۔ اور اس وجہ سے محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کی موت توبہ اور

رجوع الی اللہ کی وجہ سے ٹل گئی۔ چونکہ محمدی بیگم صاحبہ کی حضرت اقدس کی طرف واپسی کی پیشگوئی عدم توبہ کی شرط سے مشروط تھی اور اسکے خاوند کے مرنے اور محمدی بیگم صاحبہ کے بیوہ ہونے کے بعد ہی یہ واپسی ممکن تھی اس لئے نکاح کی پیشگوئی غیر مشروط نہ تھی۔ چونکہ خاوند نے شرط توبہ سے فائدہ اٹھایا اور اس طرح وہ پیشگوئی کی میعاد کے اندر مرنے سے بچ گیا۔ اس لئے نکاح جو اُس کی موت سے معلق تھا ضروری الوقوع نہ رہا۔

یہ ہے خلاصہ اس پیشگوئی کا جس پر معترضین اعتراض کرتے ہیں کہ محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ حالانکہ یہ پیشگوئی سلطان محمد صاحب خاوند محمدی بیگم صاحبہ کے توبہ کر لینے پر اُن کی موت واقع نہ ہونے کی وجہ سے ٹل چکی تھی۔ لہذا کسی معترض کو یہ اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں کہ محمدی بیگم صاحبہ بیوہ ہو کر کیوں حضرت اقدس کے نکاح میں نہیں آئیں؟ معترضین زیادہ سے زیادہ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ سلطان محمد کی موت کیوں واقع نہیں ہوئی؟ اور ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ وعید کی پیشگوئی چونکہ عدم توبہ کی شرط سے مشروط ہوتی ہے خواہ شرط نہ بھی بیان کی گئی ہو۔ اس لئے وہ توبہ اور رجوع پر ٹل جاتی ہے اور یہاں تو الہام نے صاف طور پر توبہ کی شرط بیان بھی کر دی تھی اس لئے محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کی توبہ اور رجوع الی اللہ سے نکاح کی پیشگوئی ٹل گئی ہے۔

پس خدا تعالیٰ کے الہامات پر کسی شخص کو یہ اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں کہ نکاح کیوں وقوع میں نہ آیا۔

سلطان محمد کی توبہ کا قطعی ثبوت

جب بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ سلطان محمد کی موت پیشگوئی کے

مطابق واقع نہیں ہوئی۔ اس لئے پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ تو اس کے جواب میں حضرت اقدسؑ نے انجام آہتم کے حاشیہ صفحہ 32 پر تحریر فرمایا کہ:-

(الف) ”فیصلہ تو آسان ہے احمد بیگ کے داماد سلطان محمد سے کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے۔ اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو میں جھوٹا ہوں۔“

(ب) ”اور ضرور ہے کہ یہ وعید کی موت اس سے تھمی رہے جب تک وہ گھڑی نہ آجائے کہ اُس کو بیباک کر دے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے تو اٹھو اُس کو بے باک اور مکذب بناؤ اور اُس سے اشتہار دلاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو۔“
(انجام آہتم روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 32 حاشیہ)

ان دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ کے اس چیلنج کے بعد اگر مرزا سلطان محمد خاوند محمدی بیگم صاحبہ کسی وقت شوخی اور بے باکی دکھاتے یا مخالفین اُن سے تکذیب کا اشتہار دلانے میں کامیاب ہو جاتے۔ تو پھر اس کے بعد مرزا سلطان محمد صاحب کی موت کے لئے میعاد مقرر کی جاتی وہ قطعی تقدیر مبرم ہوتی اور اس کے مطابق مرزا سلطان محمد صاحب کی موت ضرور وقوع میں آتی اور اس کے بعد محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح حضرت اقدسؑ سے ضروری اور اٹل ہو جاتا۔

پس کوئی معترض یہ جرات نہیں رکھتا کہ یہ کہہ سکے کہ اس پیشگوئی کے بارہ میں حضرت اقدسؑ کا کوئی الہام جھوٹا نکلا۔

سلطان محمد صاحب کی توبہ کا ثبوت

اس بات کا ثبوت کہ سلطان محمد صاحب توبہ کر چکے تھے اور پیشگوئی کے مصدق تھے اور اس کی تصدیق پر حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی تک قائم رہے یہ ہے کہ حضرت اقدسؑ کے انجام آہتم میں مذکورہ بالا چیلنج شائع کرنے پر آریوں اور

عیسائیوں میں سے بعض لوگ مرزا سلطان محمد صاحب کے پاس پہنچے اور انہیں لاکھ لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔ تاہم حضرت اقدس پر نالاش کر دیں۔ لیکن جیسا کہ اُن کے انٹرویو سے ظاہر ہے۔ چونکہ وہ توبہ کر چکے تھے اور پیشگوئی کی صداقت کے قائل تھے اس لئے وہ اس گراں بہا لالچ دیئے جانے پر بھی کسی قسم کی بے باکی اور شوخی کے لئے تیار نہ ہوئے۔

مرزا سلطان محمد صاحب کا انٹرویو

محترم حافظ جمال احمد صاحب فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ نے ایک دفعہ مرزا سلطان محمد صاحب خاوند محمدی بیگم صاحبہ کا انٹرویو لیا جو اخبار الفضل $\frac{9}{13}$ جون 1921ء میں مرزا سلطان محمد کے زمانہ حیات میں ہی ”مرزا سلطان محمد کا ایک انٹرویو“ کے عنوان سے شائع ہوا ہے حافظ جمال احمد صاحب لکھتے ہیں:-

”میں نے مرزا سلطان محمد سے کہا اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں حضرت مرزا صاحب کی نکاح والی پیشگوئی کے متعلق کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ جس کے جواب میں انہوں نے کہا۔ آپ بخوشی بڑی آزادی سے دریافت کریں۔“

اس انٹرویو میں مرزا سلطان محمد صاحب نے کہا:-

”میرے خسر مرزا احمد بیگ صاحب واقعہ میں عین پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ غفور و رحیم بھی ہے اور اپنے دوسرے بندوں کی بھی سُنتا اور رحم کرتا ہے۔“

اس آخری فقرہ میں مرزا سلطان محمد صاحب نے اپنی توبہ و استغفار کا اظہار کیا ہے اور پہلے فقرہ میں پیشگوئی کی تصدیق کی ہے۔ اس کے باوجود مزید وضاحت کیلئے حافظ جمال احمد صاحب نے اُن سے سوال کیا۔

”آپ کو مرزا صاحب کی پیشگوئی پر کوئی اعتراض ہے؟ یا یہ پیشگوئی آپ کے لئے کسی شک و شبہ کا باعث ہوئی؟“

اس کے جواب میں مرزا سلطان محمد صاحب نے کہا:-

”یہ پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے بھی شک و شبہ کا باعث نہیں ہوئی۔“

اور یہ بھی کہا:-

”میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان و اعتقاد مجھے حضرت مرزا صاحب پر

ہے میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں اتنا نہیں ہوگا۔“

اس پر حافظ جمال احمد صاحب نے سوال کیا کہ آپ بیعت کیوں نہیں کرتے؟

مرزا سلطان محمد نے جواباً کہا:-

”اس کی وجوہات کچھ اور ہیں جن کا اس وقت بیان کرنا میں مصلحت کے

خلاف سمجھتا ہوں۔“

اور اس سلسلہ میں یہ بھی کہا:-

”میرے دل کی حالت کا آپ اس سے بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس

پیشگوئی کے وقت آریوں نے لیکھرام کی وجہ سے اور عیسائیوں نے آتھم کی وجہ

سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا تا کہ میں مرزا صاحب پر نالش کروں۔ اگر وہ

روپیہ میں لے لیتا تو امیر کبیر بن سکتا تھا۔ مگر وہی ایمان و اعتقاد تھا جس نے

مجھے اس فعل سے روکا۔“

صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحبؒ کی شہادت

اس بارہ میں صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ کی شہادت

یہ ہے:-

”مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مرزا سلطان محمد صاحب ایک دفعہ قادیان

آئے۔ اُن کے ساتھ اُن کا ایک لڑکا بھی تھا۔ وہ شہر کی طرف سے ہائی سکول کی طرف جا رہے تھے تو مجھ سے اُن کے لڑکے نے تعارف کرایا۔ دورانِ گفتگو میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر بھی آگیا۔ اس پر مرزا سلطان محمد صاحب نے کم و بیش وہی بیان دیا جو حافظ جمال احمد صاحب نے $\frac{9}{13}$ جون 1921ء کے الفضل میں انٹرویو کے طور پر شائع کروایا ہے۔ اور انہوں نے دورانِ گفتگو میں اس بات کی بڑے زور سے تائید کی کہ انہیں کبھی بھی حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے متعلق شبہ نہیں ہوا۔ اُن کے منہ پر داڑھی تھی اور ایک ٹانگ سے لڑائی میں زخمی ہونے کی وجہ سے لنگڑا تے تھے۔ (دستخط حضرت مرزا شریف احمد صاحب)

(ماخوذ از پیشگوئی در بارہ مرزا احمد بیگ اور اس کے تعلقات کی وضاحت صفحہ 58-59)

اسی طرح خود سلطان محمد صاحب محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند نے اپنے ایک خط میں حضرت اقدس کی تصدیق کی تھی جس کا عکس ملاحظہ ہو:-

خط کا مضمون حسب ذیل ہے۔

از انبالہ چھاؤنی 21/3/13

برادرِ مسلمہ

نوازش نامہ آپ کا پہنچا یاد آوری کا مشکور ہوں۔ میں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک۔ بزرگ۔ اسلام کا خدمت گزار شریف النفس۔ خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔ مجھے ان کے مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کی وجہ سے ان کی زندگی میں ان کا شرف حاصل نہ کر سکا۔

نیاز مند سلطان محمد از انبالہ

رسالہ نمبر 9

عکس خط مرزا سلطان محمد صاحب آف سی:

ابنہ جماعتی
3/3/94
برادرِ رحمہ: پکا پوچھا با دادری کا
مسلک: نوازش نامہ ایک پوچھا با دادری کا
شہرِ نوبین خباب مرزا جی صاحبِ رحمہ
نیک - بزرگ، سلام کا خدِ مَندار سرِ عین
خدا یا رہے ہیں اور اب بھی خیال کرنا
ہو۔ یہی اونکے مریدوں سے کس قسم
مناقت نہیں ہے بلکہ انہیں کرتا ہوں۔ بلکہ
خدا ایک سورت دجہ کر اونکے زندگ
میں اور شرف حاصل کرے
نیا زمرد عطا محمد از تہ بند
رسالہ ۹

اس خط سے ظاہر ہے کہ مرزا سلطان محمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کو خدامِ اسلام سمجھتے رہے ہیں۔ 1888ء میں پیشگوئی کئے جانے کے وقت حضرت اقدس کو صرف اسلام کا خدمت گزار ہونے کا دعویٰ تھا۔ مسیح موعود کا دعویٰ آپ نے 1890ء کے آخر میں کیا ہے۔ پس اس وقت سلطان محمد صاحب کے عذاب سے بچنے کے لئے اتنی تصدیق کافی تھی جس کا ذکر اس خط میں موجود ہے۔

مرزا اسحاق بیگ صاحب پسر مرزا سلطان محمد صاحب کی شہادت

علاوہ ازیں مرزا اسحاق بیگ صاحب پسر مرزا سلطان محمد صاحب و محمدی بیگم صاحبہ خدا کے فضل سے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں۔ وہ اپنے خط میں جو اخبار الفضل میں شائع ہوا لکھتے ہیں:-

”اس پیشگوئی کے مطابق میرے نانا جان مرزا احمد بیگ صاحب ہلاک ہو گئے اور باقی خاندان ڈر کر اصلاح کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس کا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ اکثر نے احمدیت قبول کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غفور و رحیم کے ماتحت قہر و رحم میں بدل دیا۔“

(اخبار الفضل 26 فروری 1923ء صفحہ 9)

مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا کی حلفیہ شہادت

مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا سے جب خاکسار قاضی محمد نذیر نے اس پیشگوئی کے متعلق ذکر کیا تو انہوں نے ذیل کی شہادت بیان کی اور پھر میری درخواست پر یہ شہادت حلفاً لکھ کر دے دی۔ شہادت کا مضمون یہ ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ وَعَلٰی عَبْدِهِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ

حلفیہ شہادت

”پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے کافی عرصہ پہلے غالباً 33-34ء میں مجھ کو پٹی میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں مرزا سلطان محمد صاحب داماد مرزا احمد بیگ صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے دوران گفتگو میں حضرت مسیح موعود علیہ وآلہ السلام سے

اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے بیان کیا کہ ایک دفعہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری میرے پاس پٹی آئے میں نے آتے ہی اُن کے لئے پانی وغیرہ پلانے کا انتظام کرنا شروع کیا۔ جس پر انہوں نے کہا کہ میں سب سے پہلے اپنا ایک مقصد آپ سے پورا کرانا چاہتا ہوں اس کے بعد میں پانی وغیرہ پیوں گا۔ اور وہ یہ کہ آپ مرزا غلام احمد صاحب کے خلاف ایک تحریر مجھ کو دے دیں اور وہ یہ کہ ان کی پیشگوئی دربارہ محمدی بیگم غلط ثابت ہوئی ہے۔ مرزا سلطان محمد صاحب کہنے لگے کہ میں نے ان کو کہا کہ آپ ابھی تو آئے ہیں یہ مہمان نوازی کے آداب میں ہے کہ آنے والے کو پہلے اچھی طرح بٹھا کر اور پانی وغیرہ پلا کر پھر کسی اور طرف متوجہ ہوں مگر مولوی ثناء اللہ صاحب یہی رٹ لگاتے رہے جس پر میں نے ایسی تحریر دینے سے صاف طور پر انکار کر دیا۔ اور وہ بے نیل مرام واپس چلے گئے۔

یہ واقعہ سنا کر انہوں نے کہا یہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق میری عقیدت ہی تھی جس کی وجہ سے میں نے ان کی ایک نہ مانی۔ نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ عیسائی اور آریہ قوم کے بڑے بڑے لیڈروں نے بھی مجھ سے اس قسم کی تحریر لینے کی خواہش کی مگر میں نے کسی کی نہ مانی اور صاف ایسی تحریر دینے سے ان کو انکار کرتا رہا۔ بلکہ جہاں تک مجھ کو یاد پڑتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو عقیدت مجھ کو اُن سے ہے وہ آپ میں سے کئی احمدیوں کو بھی نہیں ہے۔“

گواہ شد: سید عبدالحی بقلم خود خاکسار

گواہ شد: محمود احمد مختار (شاہد) ظہور حسین سابق مبلغ روس

20/04/59 ربوہ

20/04/59 ربوہ

(ماخوذ از پیشگوئی دربارہ مرزا احمد بیگ اور اس کے متعلقات کی وضاحت صفحہ 187 تا 189)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

”جب احمد بیگ فوت ہو گیا تو اس کی بیوہ عورت اور دیگر پسماندوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ وہ دُعا اور تضرع کی طرف بدل متوجہ ہو گئے۔“

(حُجَّةُ اللّٰہِ روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 159)

پیشگوئی کے مطابق مرزا احمد بیگ کی وفات ہو جانے پر اس خاندان کے بعض افراد نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خط بھی لکھے اور دُعا کی درخواست کی ان خطوط کا ذکر حضرت مسیح موعود نے ”اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ“ وھیتۃ الوحی صفحہ 187 پر کیا ہے۔

پیشگوئی کے پانچ حصے

اس پیشگوئی کے پانچ حصے ہیں جن میں سے پہلے تین حصے لفظاً پورے ہو چکے ہیں اور پچھلے دو حصے مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ اور رجوع الی اللہ کی وجہ سے وعیدی پیشگوئیوں کی سنت کے مطابق جن کا پورا ہونا عدم توبہ کی شرط سے مشروط ہوتا ہے ٹل گئے ہیں۔ اس لئے پیشگوئیوں کے اصول اور ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی جو سُنّت ہے اُس کے رُوسے نفسِ پیشگوئی پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

پیشگوئی کے یہ پانچ حصے جو حضرت اقدس کی کتاب ”آئینہ کمالات اسلام“ و ”شہادۃ القرآن“ صفحہ 81 سے ماخوذ ہیں۔ درج ذیل ہیں:-

حصہ اول:- اگر مرزا احمد بیگ صاحب اپنی بڑی لڑکی کا نکاح حضرت اقدس سے نہیں کریں گے تو پھر وہ اس وقت تک زندہ رہیں گے کہ اپنی اس لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کریں۔

حصہ دوم:- نکاح تک وہ لڑکی بھی زندہ رہے گی۔

حصہ سوم:- دوسری جگہ نکاح کرنے کے بعد مرزا احمد بیگ صاحب تین سال

کے اندر بلکہ بہت جلد ہلاک ہو جائیں گے۔

حصہ چہارم:- دوسری جگہ نکاح کے بعد اس لڑکی کا خاوند اڑھائی سال کے عرصہ میں ہلاک ہو جائے گا (بشرطیکہ توبہ وقوع میں نہ آئے۔ کیونکہ وعیدی پیشگوئی مشروط بعدم توبہ ہوتی ہے)۔

حصہ پنجم:- خاوند کی ہلاکت کے بعد وہ لڑکی بیوہ ہوگی۔ اور پھر حضرت اقدس کے نکاح میں آئے گی۔ گویا یہ آخری حصہ پیشگوئی کا اس لڑکی کے خاوند کی موت سے مشروط تھا۔

نشان اول:- پیشگوئی کا پہلا حصہ بطور نشان اول پورا ہو گیا۔ اگر محمدی بیگم صاحبہ کا باپ محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح کرنے سے پہلے وفات پا جاتا تو پیشگوئی کا حصہ اول پورا نہ ہوتا۔ مگر یہ صفائی سے پورا ہوا۔

نشان دوم:- پیشگوئی کے دوسرے حصہ کے مطابق لڑکی نکاح تک زندہ رہ کر نشان بنی۔ اگر یہ لڑکی نکاح سے پہلے مر جاتی تو پیشگوئی کا دوسرا حصہ بھی پورا نہ ہوتا۔ مگر یہ حصہ بھی نہایت صفائی سے پورا ہو کر نشان بنا۔

نشان سوم:- دوسری جگہ نکاح کے بعد لڑکی کا باپ چھ ماہ کے عرصہ میں ہلاک ہو گیا۔ اگر اس کی موت تین سال سے تجاوز کر جاتی تو یہ پیشگوئی کا حصہ بھی پورا نہ ہوتا مگر یہ حصہ بھی نہایت صفائی سے پورا ہو گیا۔ اس طرح یہ تینوں حصے پورے ہو کر عظیم الشان نشان بن گئے۔

پچھلے دو حصوں کے ظہور کا طریق

پچھلے دو حصے اس طرح ظہور پذیر ہوئے کہ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند پر اپنے خسر کی موت سے سخت ہیبت طاری ہوئی اور اُس نے توبہ اور استغفار کی طرف رجوع کیا اور وعیدی پیشگوئی کی شرط توبہ کے مطابق توبہ سے فائدہ اٹھا کر موت سے

بچ گیا اور پیشگوئی کا یہ حصہ شرط توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے ٹل گیا۔ جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے توبہ کرنے پر وہ عذاب ٹل گیا تھا جس کے چالیس دن میں پورے ہونے کی پیشگوئی حضرت یونس علیہ السلام نے فرمائی تھی۔

چونکہ مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ اور رجوع سے ان کی موت کی پیشگوئی ٹل گئی اور حضرت اقدس سے نکاح محمدی بیگم صاحبہ کے بیوہ ہونے سے مشروط تھا۔ اس لئے اب اس کا وقوع میں آنا ضروری نہ رہا اور پیشگوئی کے یہ آخری دو حصے شرط توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے دوسرا رنگ پکڑ گئے۔

اب نکاح کا وقوع صرف اس بات سے معلق ہو کر رہ گیا کہ سلطان محمد صاحب از خود حضرت اقدس کی زندگی میں کسی وقت بیباکی اور شوخی دکھائیں اور پیشگوئی کی تکذیب کریں اس تکذیب کا صرف امکان ہی تھا یہ ضروری الوقوع نہ تھی اور نکاح کے اس طرح معلق ہونے کی حد حضرت اقدس کی زندگی تک تھی مگر محمدی بیگم کا خاوند اس کے بعد حضرت اقدس کی زندگی میں توبہ پر قائم رہا اور خاندان کے دوسرے افراد نے بھی اصلاح کر لی تو اس وعیدی پیشگوئی کی اصل غرض جو اس خاندان کی اصلاح تھی پوری ہو گئی۔ کیونکہ اس خاندان کے افراد نے الحاد اور دہریت کے خیالات کو ترک کر دیا اور اسلام کی عظمت کے قائل ہو گئے اور ان میں سے اکثر نے احمدیت قبول کر لی۔ وعیدی پیشگوئی کی اصل غرض چونکہ توبہ اور استغفار کی طرف رجوع دلانا اور خدا تعالیٰ کی عظمت کا سکھ دلوں پر بٹھلانا ہوتی ہے اس لئے جب یہ شرط پوری ہو جائے تو پھر سنت اللہ کے مطابق عذاب بالکل ٹل جایا کرتا ہے بشرطیکہ متعلقین پیشگوئی اپنی توبہ پر قائم رہیں۔ اور اگر انہوں نے توبہ پر قائم نہ رہنا ہو تو پھر سنت اللہ یوں ہے کہ عذاب میں اس وقت تک تاخیر ہو جاتی ہے کہ وعیدی پیشگوئی کے متعلقین پھر بے باکی دکھائیں اور اپنی توبہ توڑ دیں۔

یونس علیہ السلام کی پیشگوئی کا ثلثا

تفاسیر میں قوم یونس کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ:-

إِنَّ أَجَلَكَمُ أَرْبَعُونَ لَيْلَةً -

لیکن قوم نے توبہ کر لی اور عذاب ٹل گیا۔ چنانچہ لکھا ہے:-

تَضَرَّعُوا إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فَرَحِمَهُمْ وَكُشِفَ عَنْهُمْ

(تفسیر کبیر امام رازی جلد 5 صفحہ 42 و تفسیر فتح البیان جلد 8 صفحہ 89)

یعنی وہ لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑائے تو اُس نے اُن پر رحم کیا اور اُن سے عذاب دُور کر دیا۔

چونکہ یہ لوگ توبہ پر قائم رہے اس لئے عذاب بھی اُن سے ٹلا رہا اور خدا تعالیٰ نے اس قوم سے اپنی پہلی سنت کے مطابق معاملہ کیا۔ لیکن آل فرعون جب عذاب آنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دُعا کی درخواست کرتی تھی اور ایمان لانے کا وعدہ کرتی تھی تو خدا تعالیٰ اُن سے عذاب ٹال دیتا تھا۔ مگر چونکہ وہ اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہتی تھی اس لئے عذاب میں پکڑی جاتی تھی۔ بالآخر آل فرعون مع فرعون توبہ پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تعاقب کرنے پر سمندر میں غرق ہو گئی۔ اس قوم سے خدا تعالیٰ نے اپنی دوسری سنت تاخیر عذاب کے مطابق سلوک کیا۔

پیشگوئی زیر بحث میں خدا کی سنت کا ظہور

اس پیشگوئی میں مرزا احمد بیگ صاحب حضرت اقدس سے اپنی لڑکی کا نکاح نہ کرنے کی وجہ سے پیشگوئی کی میعاد میں پکڑے گئے اور ہلاک ہوئے۔ اس سے

کنبہ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ اور سلطان محمد صاحب خاوند محمدی بیگم صاحبہ کی توبہ اور استغفار پر ان کی وعیدی موت ٹل گئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:-
مَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

(الانفال: 34)

”یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دینے والا نہیں ہے اس حال میں

کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔“

سلطان محمد صاحب کی موت کی پیشگوئی توبہ کی وجہ سے ٹل جانے پر اب حضرت اقدس سے نکاح ضروری نہ رہا۔ اب سلطان محمد صاحب پر عذاب صرف اسی صورت میں نازل ہو سکتا تھا کہ وہ توبہ کو توڑ دیتے اور پیشگوئی کی تکذیب کر دیتے اور پھر ان کی موت کے لئے نئی میعاد خدا کی طرف سے مقرر ہوتی۔ اس لئے انجام آہم کے صفحہ 32 پر حضرت اقدس نے نکاح کی پیشگوئی کو سلطان محمد صاحب کے آئندہ اس پیشگوئی کی تکذیب کرنے اور بے باکی اور شوخی دکھانے سے اور اس کے لئے نئی میعاد مقرر ہونے سے معلق قرار دے دیا اور ایسا ہی ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ امکان تھا کہ مرزا سلطان محمد کسی وقت تکذیب کر دیتے تو پیشگوئی میں لوگوں کے لئے اشتباہ پیدا ہو جاتا۔

پیشگوئی میں اجتہادی خطا

پیشگوئیوں میں بعض دفعہ اجتہادی خطا بھی شرط کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے یا شرط کی طرف سے بھول ہو جانے کی وجہ سے واقع ہو سکتی ہے۔ اور یہ امر قابل اعتراض نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام سے وحی الہی کے سمجھنے میں اجتہادی غلطی ہوگئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورُ ۖ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ

(ہود: 41)

”یعنی یہاں تک کہ جب ہمارا عذاب کا حکم آجائے اور چشمے پھوٹ کر بہ پڑیں تو ہم کہیں گے کہ ہر ایک قسم کے جانوروں میں سے ایک جوڑا (یعنی دو ہم جنس فردوں کو) اور اپنے اہل و عیال کو بھی سوائے اس فرد کے جس کی ہلاکت کے متعلق اس عذاب کے آنے سے پہلے ہی ہمارا فرمان جاری ہو چکا ہے۔ اور نیز ان کو سوار کر لے جو تجھ پر ایمان لائے ہیں۔“

اس سے قبل نوح علیہ السلام کو یہ حکم دیا جا چکا تھا:۔

وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُخْرَقُونَ۔

(ہود: 38)

کہ مجھے ظالموں کے بارے میں خطاب نہ کرنا بے شک وہ غرق ہونے والے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جب غرق ہونے لگا۔ تو انہوں نے خدا تعالیٰ کو اس کا وعدہ یاد دلایا اور کہا:۔

رَبِّ اِنَّ ابْنِي مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ۔

(ہود: 46)

اے میرے رب بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے۔ (یعنی اسے وعدہ کے مطابق بچنا چاہیے)۔

یہ وعدہ یاد دلانے میں حضرت نوح علیہ السلام کو پیشگوئی کی اس شرط سے ذہول ہو گیا جو:۔

إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ اور وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ

ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُخْرَقُونَ. (ہود: 41 و 38)

کے الفاظ میں بیان ہوئی تھی۔ اور وہ غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ خدائی وعدہ کے مطابق میرا یہ بیٹا بھی غرق ہونے سے بچنا چاہیے۔ لیکن ان کا یہ اجتہاد درست نہ تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کے وعدہ یا دد لانے پر انہیں یہ جواب دیا کہ:-
 إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ۔

(ہود: 47)

کہ یہ بیٹا تیرے اہل سے نہیں ہے یہ تو مجسم غیر صالح ہے۔ اس لئے مجھ سے ایسی درخواست مت کرو جو تم لا علمی سے کر رہے ہو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ نادانوں کی طرح کوئی کام نہ کیجیو۔
 پس شرط کا نظر انداز ہو جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ پیشگوئی کرنے والا اپنے دعاوی میں منجانب اللہ نہیں۔

حضرت اقدسؒ نے اس پیشگوئی کی مرزا سلطان محمد صاحب کے متعلق اڑھائی سالہ میعاد گزار جانے کے بعد پیشگوئی کی شرط توبہ والے الہام ذیل:-
 آيَتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِي تُوْبِي فَإِنَّ الْبَلَاءَ عَلَى عَقِبِكَ يَمُوتُ وَ يَبْقَى مِنْهُ كِلَابٌ مُتَعَدِّدَةٌ

کے نظر انداز ہو جانے کی وجہ سے اصل پیشگوئی کے الہامی الفاظ

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ

کے پیش نظر اجتہاد کیا کہ پیشگوئی میں تاخیر ڈالی گئی ہے یہ ٹلی نہیں۔ اس لئے آپ نے اس قسم کی عبارتیں یقین اور وثوق پر مشتمل تحریر فرمائیں کہ محمدی بیگم کا خاوند ضرور مرے گا اور وہ بیوہ ہو کر میرے نکاح میں آئے گی۔

یہ عبارتیں کسی جدید الہام کا نتیجہ نہ تھیں کیونکہ پیشگوئی کی اڑھائی سالہ میعاد گزر جانے کے بعد 1906ء تک آپ کو اس بارہ میں کوئی جدید الہام نہیں ہوا اور الہام:-

لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ

جس اشتہار میں درج تھا اسی تمہ میں پیشگوئی کی الہامی شرط توبہ بھی

أَيُّهَا الْمَرْأَةُ تَوْبِي تَوْبِي

والے الہام میں درج تھی۔ مگر اس شرط کی طرف عدم توجہ کی وجہ سے حضرت اقدسؑ نے یہی اجتہاد کیا کہ سلطان محمد صاحب کسی وقت ضرور توبہ توڑ دیں گے اور پھر اس کے بعد وہ ہلاک ہوں گے اور اس کے بعد محمدی بیگم صاحبہ ضرور نکاح میں آئیں گی۔ یہ اجتہاد کرنے کا آپ کو بہر حال حق تھا کہ اگر سلطان محمد نے کسی وقت توبہ توڑ دی تو وہ ہلاک ہوں گے اور اس کے بعد محمدی بیگم کا نکاح میں آنا ضروری ہوگا۔ مگر حضرت اقدسؑ نے اس سے بڑھ کر یہ اجتہاد فرمایا کہ توبہ کا توڑنا ضروری ہے اور سلطان محمد کی موت میں صرف تاخیر ہوگئی ہے۔ یہ پیشگوئی ٹلی نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنی سنتِ مستمرہ کے مطابق آپ کو اس اجتہاد پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور 16 فروری 1906ء کو آپ پر ان الفاظ میں الہام نازل فرمایا:-

تَكْفِيكَ هَذِهِ الْإِمْرَأَةُ (تذکرہ صفحہ 509 مطبوعہ 2004ء)

کہ تمہارے لئے یہ عورت (جو تمہارے نکاح میں ہے) کافی ہے۔

اس الہام کے نازل ہونے پر آپ نے اپنے پہلے اجتہاد میں اصلاح فرمائی اور تمہہ ھیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 570 میں صاف لکھ دیا کہ:-

”جب ان لوگوں نے اس شرط (توبہ۔ ناقل) کو پورا کر دیا تو نکاح فصیح ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔“

اس جدید اجتہاد سے جو الہام جدید کی روشنی میں کیا گیا۔ اب حضرت اقدس کا درمیانی زمانہ کا اجتہاد جس میں آپ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کے توبہ توڑنے کو اور اس کے بعد نکاح کو ضروری قرار دیتے تھے۔ قابلِ حجت نہ رہا۔

پس یہ پیشگوئی اپنی الہامی شرط کے مطابق ظہور پذیر ہو چکی ہے اور اس پیشگوئی کے الہامات پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حضرت اقدس کا آخری اجتہاد بھی سنت اللہ کے مطابق درست تھا۔ اس پر بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اس جدید الہام کی وجہ سے درمیانی زمانہ کی عبارتیں جو سلطان محمد صاحب کی موت کو ضروری اور اس کے بعد نکاح کو مبرم قرار دیتی تھیں۔ اس شرط سے مشروط سمجھی جائیں گی کہ اگر سلطان محمد از خود توبہ توڑ دیں تو ان کی ہلاکت اور ا کے بعد حضرت اقدس سے نکاح کا وقوع ضرور ہوگا ورنہ نہیں۔ پس جدید اجتہاد کی بنا پر پیش کردہ عبارتیں اوپر کی شرط سے مشروط ہو گئی ہیں۔

عبارتیں یوں پڑھی جائیں

لہذا اب یہ عبارتیں یوں پڑھی جانی چاہئیں:-

- (1) (اگر مرزا سلطان محمد کسی وقت توبہ توڑ کر پیشگوئی کی تکذیب کرے تو) اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آنا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی کیونکہ اس کے لئے الہام الہی میں یہ فقرہ موجود ہے کہ لَا تَبْدِلْ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ملے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا تعالیٰ کا کلام باطل ہوتا ہے۔

(اعلان 6 ستمبر 1894ء مندوب تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ 115۔ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 399 بار دوم)

- (2) ”ایک حصہ پیشگوئی کا یعنی احمد بیگ کا میعاد کے اندر فوت ہو جانا حسب منشاء پیشگوئی صفائی سے پورا ہو گیا اور دوسرے کی انتظار ہے۔ (بشرطیکہ مرزا سلطان محمد

توبہ توڑ دے اور پیشگوئی کی تکذیب کرے)

(تحفہ گولڈیہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 64)

(3) ”اگر کسی وقت سلطان محمد توبہ توڑ کر میری زندگی میں پیشگوئی کی تکذیب

کرے تو) یاد رکھو کہ اس کی دوسری جزو پوری نہ ہوئی تو میں ہر یک بد سے

بدتر ٹھہروں گا۔ اے احمقو! یہ انسان کا افتراء نہیں۔ یہ کسی خبیث مفتری کا

کاروبار نہیں۔ یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے۔ وہی خدا جس کی باتیں

نہیں ٹلتیں۔“ (ضمیمہ انجام آتھم روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 338)

(4) ”اگر کسی وقت میری زندگی میں سلطان محمد نے توبہ توڑ دی تو) ”جس وقت

یہ سب باتیں پوری ہو جائیں گی..... اُس دن..... نہایت صفائی سے

(مخالفین کی) ناک کٹ جائے گی اور ذلت کے سیاہ داغ اُن کے منخوس

چہروں کو بندروں اور سؤروں کی طرح کر دیں گے۔“

(ضمیمہ انجام آتھم روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 337)

(5) ”وحی الہی میں یہ نہیں تھا کہ دوسری جگہ بیاہی نہیں جائے گی بلکہ یہ تھا کہ

ضرور ہے کہ اول دوسری جگہ بیاہی جائے..... خدا پھر اُس کو تیری طرف

لائے گا۔“ (بشرطیکہ اُس کا خاوند توبہ نہ کرے یا توبہ کر کے توڑ دے۔)

(الحکم 30 جون 1905ء صفحہ 2)

پیشگوئی پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض اوّل

ایک اعتراض جو اس پیشگوئی پر مخالفین کی طرف سے کیا جاتا ہے یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحبؒ نے ”ازالہ اوہام“ میں 1891ء میں لکھا کہ خدائے تعالیٰ ہر طرح سے اس کو (یعنی محمدی بیگم کو) تمہاری طرف لائے گا باکرہ ہونے کی حالت

میں یا بیوہ کر کے اور ہر ایک روک کو درمیان سے اٹھا دے گا۔ اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا۔ کوئی نہیں جو اُس کو روک سکے۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 305)

تو ایسا لکھنے کے باوجود کیوں درمیانی روکیں اٹھائی نہ گئیں۔

باکرہ ہونے کی حالت میں اس وجہ سے نکاح میں نہ آئی کہ اس کے باپ نے شوخی کی راہ اختیار کر کے اپنی بیٹی کا نکاح مرزا سلطان محمد ساکن پٹی سے کر دیا اور پیشگوئی کے مطابق یہ سزا پائی کہ چھ مہینے کے اندر ہلاک ہو گیا۔ اس سے محمدی بیگم کے خاوند پر پیشگوئی کی ہیبت طاری ہو گئی اور اس نے توبہ اور استغفار سے کام لیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں اپنی اس توبہ پر قائم رہا اس لئے اس کے شرط توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے نکاح والا حصہ منسوخ ہو گیا۔ یہ حضرت مسیح موعود کا اجتہاد تھا کہ سب روکیں اٹھادی جائیں گی نہ کہ الہام۔

اعتراض دوم

مرزا صاحب اسی کتاب میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:-

”اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی۔ بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی۔ اس وقت گویا یہ پیشگوئی آنکھوں کے سامنے آگئی اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے کل جنازہ نکلنے والا ہے۔ تب میں نے اس پیشگوئی کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور معنی ہوں گے جو میں سمجھ نہیں سکا۔ تب اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا۔

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ.

یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 306)

اس سے ظاہر ہے کہ اس الہام نے تصدیق بھی کر دی تھی کہ نکاح ضرور ہوگا۔ مگر پھر کیوں نکاح وقوع میں نہ آیا؟

الجواب۔ مقصود اس الہام سے صرف یہ ہے کہ پیشگوئی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا برحق امر ہے مشکوک نہیں۔ لہذا آپ کو چاہیے کہ نفس پیشگوئی میں جو مشروط بھی تھی شک نہیں کرنا چاہیے۔ اس الہام سے یہ ظاہر کرنا مقصود نہ تھا کہ پیشگوئی کا ظہور کس رنگ میں ہوگا۔ کیونکہ ازالہ اوہام 1891ء کی کتاب ہے۔ اس کے بعد احمد بیگ ہلاک ہو گیا۔ اور پیشگوئی کے اس حصہ کا برحق ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا۔ دوسرا حصہ الہامی شرط کو پورا کیا جانے کی وجہ سے پیشگوئیوں کے اصول کے مطابق ٹل گیا۔

مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد کی موت کی میعاد میں اختلاف کی حکمت

آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 573 پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مرزا احمد بیگ کو مخاطب کر کے لکھا ہے

”آخر المصائب موتک فتموت بعد النکاح الی ثلاث

سنین بل موتک قریب“.

کہ آخری مصیبت تیری موت ہے اور تو نکاح کے بعد تین سال بلکہ اس سے قریب مدت میں مرجائے گا۔ اور اسی جگہ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کے لئے اڑھائی سال کی مدت بیان کی گئی ہے۔

واقعات کے لحاظ سے موتک قریب کا الہام یوں پورا ہوا کہ مرزا احمد بیگ اپنی لڑکی کا نکاح سلطان محمد سے کرنے کے بعد چھ ماہ کے عرصہ میں ہی ہلاک ہو گیا۔ یہ نتیجہ تھا اس کی بیباکی اور شوخی میں بڑھ جانے کا۔ ورنہ ممکن تھا کہ اس کا داماد پہلے مرجاتا نیز اس میں اشارہ تھا کہ اگر مرزا احمد بیگ کی موت اپنے داماد سے پہلے

واقع ہو جائے تو پھر مرزا سلطان محمد توبہ کر کے ضرور بچ جائے گا اور ان کے بارہ میں پیشگوئی ٹل جائے گی اور میعاد گزر جانے کے بعد اس کی حضرت اقدس کی زندگی میں موت اب اس وقت واقعہ ہو سکے گی۔ اگر وہ کسی وقت توبہ توڑ دے، اگر وہ توبہ توڑے تو اس کے بعد اس کی موت کے متعلق نئی میعاد کا تقرر حسب بیان حضرت مسیح موعود علیہ السلام مندرجہ انجام آتھم صفحہ 32، 33 ضروری ہوگا۔ اور اس میعاد کے اندر مرنے کے بعد حضرت اقدس کا نکاح محمدی بیگم سے ضروری قرار پائے گا۔

اعترض سوم

”ازالہ ادہام“ میں لکھا تھا:-

”خدائے تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائے گا۔ باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کر کے۔ اور ہر یک روک کو درمیان سے اٹھا دے گا۔ اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا۔ کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔“

(ازالہ ادہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 305)

اعترض یہ ہے کہ درمیانی روکیں کیوں نہیں اٹھیں اور کیوں نکاح وقوع میں

نہیں آیا۔

الجواب:- یہ عبارت اجتہادی ہے نہ کہ الہامی۔ اصل پیشگوئی مندرجہ اشتہار دہم جولائی 1888ء شرطی تھی۔ تتمہ اشتہار میں تُوْبِي تُوْبِي والا الہام بھی درج تھا۔ لہذا توبہ کی شرط پورا کر لینے کے بعد روکوں کا اٹھانا خدا کے ذمہ نہ تھا۔ ہاں اگر سلطان محمد صاحب توبہ شکنی کرتے اور پیشگوئی کی تکذیب کا اعلان کرتے تو اس صورت میں روکوں کا اٹھایا جانا ضروری ہوتا۔ توبہ کی روک کا جبراً اٹھانا خدا کی شان کے منافی ہے۔ کیونکہ یہ ظلم ہے۔ وَإِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ۔

اعتراض چہارم

حضرت مرزا صاحب ”ازالہ اوہام“ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 306 میں اپنی ایک بیماری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی۔ یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی۔ بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی۔ اس وقت گویا یہ پیشگوئی آنکھوں کے سامنے آ گئی اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے اور کل جنازہ نکلنے والا ہے۔ تب میں نے اس پیشگوئی کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور معنی ہوں گے جو میں سمجھ نہیں سکا۔ تب اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ۔ یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے۔“

اس پر اعتراض یہ ہے کہ الہام نے تصدیق کر دی تھی کہ پہلے معنی درست نہیں تو پیشگوئی کیوں ٹل گئی۔

الجواب:- اس الہام میں اشارہ تھا کہ اس مرض سے آپ کی وفات نہیں ہوگی۔ اور نفس پیشگوئی کا برحق ہونا آپ دیکھیں گے لہذا پیشگوئی مشکوک نہیں۔

اس الہام سے یہ ظاہر کرنا مقصود نہیں تھا کہ پیشگوئی کس رنگ میں پوری ہوگی بلکہ صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ نفس پیشگوئی برحق ہے۔ اور چونکہ پیشگوئی شرطی تھی اس لئے شرط کے مطابق وقوع میں آئے گی۔ اس الہام کا یہ ظاہر کرنا مقصود نہ تھا کہ اس بارے میں آپ کا اجتہاد درست ہے یا نہیں؟

اس بیماری میں حضرت اقدسؑ کا یہ خیال کہ شاید اس کے کچھ اور معنی ہوں جو میں سمجھ نہیں سکا اس پر اس الہام کا نزول یہ ظاہر کرتا ہے کہ 1891ء میں جب کہ

ابھی پیشگوئی کا کوئی مرحلہ پیش نہیں آیا تھا۔ آپ نے جو کچھ اس پیشگوئی کے متعلق سمجھا ہے وہ غلط نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت آپ کسی اجتہادی غلطی میں بھی مبتلا نہیں تھے۔ ابھی تو پیشگوئی کا کوئی مرحلہ بھی سامنے نہیں آیا تھا۔ اور اس بات کو تو آپ خوب سمجھتے تھے کہ پیشگوئی شرطی ہے۔ لہذا آپ کو شرائط کے مطابق اس کا وقوع دیکھنا چاہیے۔ سو خدا نے آپ کو اس بیماری سے بچا لیا۔ اور اس کے بعد مرزا احمد بیگ کے اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرنے پر پیشگوئی کے مطابق اسکی موت کا وقوع آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور اس کے بعد یہ بھی دیکھا کہ مرزا سلطان محمد توبہ کر کے موت سے بچ گیا اور شرط کے مطابق اس کے بچ جانے کی وجہ سے نکاح والا حصہ منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ پیشگوئیوں میں محو اثبات حسب آیت یَمُحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ هُوَ تَارِہُ تَاہُ۔

نوٹ:- بیماری کے ذکر سے قبل ازالہ اوہام میں یہ ذکر موجود ہے:-

”جب یہ پیشگوئی معلوم ہوئی اور ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ جیسا کہ

اب تک جو 16 اپریل 1891ء ہے پوری نہیں ہوئی تو اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی۔“

پروفیسر الیاس برنی نے اپنی کتاب ”قادیانی مذہب“ کے صفحہ 390 پر اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے 1891ء کی بجائے 1896ء لکھ دیا ہے۔ تا وہ یہ دھوکہ دے سکیں کہ گویا محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند مرزا سلطان محمد کی توبہ کے بعد حضرت مرزا صاحب کو یہ الہام ہوا تھا۔ حالانکہ سلطان محمد کی توبہ کے بعد اس پیشگوئی کے بارہ میں 1906ء تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کوئی الہام نہیں ہوا۔ ثبوت برگردن منکر۔

اعتراض پنجم

نکاح آسمان پر پڑھا جا چکا تھا۔ تو تاخیر میں کیسے پڑ گیا؟

الجواب:- حضرت اقدس کے الفاظ ”نکاح آسمان پر پڑھا گیا“ الہام زوجہ نکھا کا یہ مفہوم ظاہر کرنے کے لئے کہے گئے تھے کہ نکاح اس وعیدی پیشگوئی کا ایک حصہ ہے۔ اگر سلطان محمد توبہ کرنے کے بعد کسی وقت توبہ توڑ دے۔ تو پھر یہ نکاح پیشگوئی کے لحاظ سے مقدر ہوگا۔ اور جب تک توبہ نہ توڑے پیشگوئی معلق رہے گی۔ سلطان محمد کی توبہ کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام اجتہاداً اُسے مبرم سمجھتے رہے۔ یعنی یہ امر کہ وہ توبہ توڑ دے گا۔ حالانکہ اس بارہ میں آپ پر کوئی جدید الہام نہیں ہوا تھا۔ آخری الہام جو ہوا وہ تَكْفِيكَ هَذِهِ الْأَمْرَءَةَ تھا۔ کہ یہ عورت جو آپ کے نکاح میں ہے آپ کے لئے کافی ہے۔ اس سے یہ قوی احساس پیدا ہو گیا۔ کہ نکاح کا وقوع منسوخ ہو گیا ہے۔ چونکہ پھر بھی تکذیب اور توبہ توڑنے کا عقلی امکان اب بھی باقی تھا۔ اس لئے آپ نے تتمہ حقیقۃ الوحی میں یہ توجیہ کی کہ نکاح فسخ ہو گیا ہے یا تاخیر میں پڑ گیا۔ واقعات نے یہ شہادت دی کہ عند اللہ یہ پیشگوئی ٹل چکی ہے۔ چنانچہ بعد میں اخبار بدر 23 اپریل 1908ء میں آپ نے خود بھی لکھ دیا۔ کہ یہ پیشگوئی ٹل گئی ہے۔ اور وعیدی پیشگوئی کا ٹل جانا آیت يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ مَا يُرِيدُ مطابق ہوا ہے۔

ماسوا اس کے زوجہ نکھا کے الہام کا مفہوم گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ قرار دیا کہ بعد واپسی کے ہم نے اس سے تیرا نکاح کر دیا (انجام آہتمم صفحہ 60) اور یہ نکاح سلطان محمد کی توبہ کی وجہ سے وقوع میں نہ آیا۔ تاہم ایک دوسری تعبیر سے بھی یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہو چکی ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کو ”مسیح موعود“ کا منصب جلیل عطا کیا گیا۔ نکاح کے تعبیری معنی منصب جلیل کا ملنا ہوتے ہیں تعطیر الانام میں لکھا ہے:-

”النَّكَاحُ فِي الْمَنَامِ يَذُلُّ عَلَى الْمَنْصَبِ الْجَلِيلِ“

یعنی خواب میں نکاح کسی بڑے منصب کے ملنے پر دلالت کرتا ہے۔
 ماسوا اس کے طبرانی اور ابن عساکر نے ابوامامہ سے مرفوعاً روایت کی ہے:-
 إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَخَدِيجَةَ
 أَمَا شَعَرْتُ أَنَّ اللَّهَ زَوَّجَنِي مَرْيَمَ ابْنَةَ عِمْرَانَ وَكَلَّثُوهُمَ اخْتِ
 مُوسَى وَامْرَأَةَ فِرْعَوْنَ قَالَتْ هَنِيئًا لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ .
 (تفسیر فتح البیان جلد 7 صفحہ 100 مطبوعہ مصر)

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ
 کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے میرا نکاح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی
 والدہ) مریم بنت عمران۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثوم اور فرعون کی بیوی
 کے ساتھ کر دیا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یا رسول اللہ!
 آپ کو مبارک ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تینوں نکاح آسمانی تھے۔ جن کی تعبیر اس
 رنگ میں پوری ہوئی۔ کہ ان عورتوں کے خاندانوں کے بہت سے لوگ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

اسی طرح مرزا احمد بیگ کے خاندان کے بہت سے افراد اس پیشگوئی پر
 ایمان لا چکے ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل افراد خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:-

1۔ محمد اسحاق پسر مرزا سلطان محمد

2۔ والدہ محمدی بیگم صاحبہ یعنی اہلیہ مرزا احمد بیگ

3۔ محمودہ بیگم، ہمشیرہ محمدی بیگم

4۔ عنایت بیگم، ہمشیرہ محمدی بیگم

5۔ مرزا احمد حسن داماد مرزا احمد بیگ

6۔ مرزا محمد بیگ پسر مرزا احمد بیگ

اسی طرح اس خاندان کے دوسرے بہت سے افراد بھی ایمان لائے۔
محمدی بیگم صاحبہ کے پسر مرزا محمد اسحاق بیگ ایک خط میں لکھتے ہیں:-
”میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ (حضرت مرزا صاحب) وہی مسیح موعود
ہیں جن کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔“

(ماخوذ از اعلان احمدیت مندرجہ الفضل 26 فروری 1931ء)

پس جس خاندان کے ساتھ اس پیشگوئی کا براہ راست تعلق تھا وہ تو اس
پیشگوئی کے مصدق ہیں اور انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں تو دوسروں کو اعتراض کا کیا
حق ہے۔

اعتراض ششم

یہ پیشگوئی الہامی تھی۔ نکاح کے لئے حضرت مرزا صاحب نے خطوط وغیرہ
کے ذریعہ سے کوشش کیوں کی؟

الجواب:- پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے کوشش کرنا انبیاء کی سنت کے مطابق ہے۔
(الف) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ بدر کی فتح کا وعدہ تھا لیکن اس
کے باوجود مقابلہ کی ہر ممکن کوشش کی۔ اور حضورؐ نے اس کے لئے خضوع اور
خشوع کے ساتھ جنگ سے ایک طرف ہو کر دعائیں بھی فرمائیں۔

(ب) موسیٰ علیہ السلام سے خدا نے وعدہ کیا تھا کہ کنعان کی زمین
انہیں دی جائے گی۔ اس کے لئے قوم نے کوشش نہ کی جو ناپسندیدہ امر

تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زمین ان پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی۔
 موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ **يَقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي**
كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ۔ (المائدة: 22)

اے قوم! ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ۔ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ
 دی ہے۔ (یعنی ارض کنعان)

کَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ کے الفاظ صریح پیشگوئی پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر قوم
 کے جواب **فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ** (المائدة: 25)
 کہ اے موسیٰ تو اور تیرا خدا دونوں جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

اس پر خدا تعالیٰ نے ان کے رویے کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا۔ **قَالَ فَإِنَّهَا**
مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ۔ (المائدة: 27) کہ
 بے شک یہ زمین ان کے لئے چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی ہے۔ وہ زمین
 میں سرگرداں پھرتے رہیں گے۔

کیا معترضین یہود کے اس جواب کو ”کہ تُو اور تیرا خدا جا کر لڑو“ اور خود
 کوشش نہ کرنے کو پسندیدہ امر سمجھتے ہیں؟

اس بارہ میں قرآن کریم مترجم مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کے صفحہ
 177 فائدہ نمبر 2 کے تحت یہود کے اس جواب پر لکھا ہے:-

”اسباب مشروعہ کا ترک کرنا توکل نہیں۔ توکل تو یہ ہے کہ کسی
 نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے اور پھر اس کے ثمر اور منج
 ہونے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے اور اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ
 ہو۔ باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں
 بلکہ تعطل ہے۔“

اعتراض ہفتم

مرزا فضل احمد کو بیوی چھوڑنے اور محروم الارث ہونے کا نوٹس کیوں دیا گیا
اُن کا کیا قصور تھا؟

الجواب :- چونکہ مرزا فضل احمد کی بیوی کا تعلق مخالفین سے تھا اور وہ خود بھی مخالفین
میں شامل تھی۔ اور الہام الہی بتاتا تھا کہ جو لوگ ایسے مخالفین سے علیحدہ نہ ہوں اور
ان سے تعلقات رکھیں اُن پر عذاب الہی نازل ہوگا۔ لہذا حضرت اقدس کو اپنے بیٹے
پر شفقت مجبور کرتی تھی کہ وہ بیٹے کو اپنی بیوی سے قطع تعلق کرنے کا مشورہ دیں تا وہ
بھی عذاب کا مورد نہ بنیں۔

احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ اگر باپ اپنی بہو کو کسی خلاف شرع بات
کی وجہ سے ناپسند کرتا ہو تو وہ بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور کر سکتا ہے۔ حدیث کے
الفاظ یہ ہیں:-

عن ابن عمر قال كَانَتْ تَحْتِي امْرَأَةٌ احْبَبَهَا وَكَانَ اَبِي
يَكْرَهُ هُهَا فَاَمَرَنِي اَنْ اُطْلِقَهَا فَاَبَيْتُ فذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بَنِ عَمْرٍ طَلِّقِ امْرَأَتَكَ۔

(ترمذی کتاب الطلاق باب ماجاء فی الرجل یسالہ ابوہ ان یطلق زوجته)

ترجمہ :- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میری ایک بیوی تھی جس سے مجھے
بہت محبت تھی لیکن میرے والد کو اس سے سخت نفرت تھی۔ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں
اسے طلاق دوں۔ میں نے بات نہ مانی اور اس بات کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن عمرؓ اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر آئے تو
ان کی بیوی کے ذریعہ اُن کو پیغام دے گئے۔ غَیْرُ عْتَبَةِ بَابِکَ کہ اپنے دروازے

کی دہلیز بدل دو۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو اُن کی بیوی نے اُن کو حضرت ابراہیم کا پیغام دیا تو آپ نے فرمایا:-

ذَاكَ اَبِيْ وَقَدْ اَمَرَنِيْ اَنْ اُفَارِقَكَ الْحَقِيْ بِاَهْلِكَ
فَطَلَّقَهَا وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ اُخْرٰى -

ترجمہ :- وہ میرے والد ابراہیم تھے۔ وہ مجھے یہ حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھے چھوڑ دوں۔ پس تو اپنے والدین کے پاس چلی جا۔ پس آپ نے اُسے طلاق دے کر بنو جرہم کی ایک اور عورت سے شادی کر لی۔

اموال آنے پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے ان اموال میں سے کچھ طلب کیا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند فرمایا اور خدا نے بھی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ آیات نازل کیں جن کا ترجمہ یہ ہے:-
”اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو۔ کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و آرائش کا سامان چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں یہ سامان دے کر اچھی طرح رخصت کر دوں۔ اور اگر تم خدا اور رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو خدا نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے بڑا اجر مقرر کر رکھا ہے۔“ (الاحزاب: 29، 30)

پس ناپسندیدہ امر کے صدور پر طلاق دینا یا دلوانا اسلام کے نزدیک کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔

اعتراض ہشتم

پہلی بیوی کو طلاق کیوں دی اور اپنے لڑکے سلطان احمد کے متعلق کیوں اشتہار نکالا کہ وہ محروم الارث ہوگا۔

الجواب :- اشتہار میں اس کی وجہ مذکور ہے کہ مرزا سلطان احمد اور آپ کی اہلیہ کا مخالفین سے جوڑ تھا۔ اور وہ ایسے لوگوں کی مجالس ترک نہیں کر رہے تھے جو مورد

عذاب بننے والے تھے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ اس اشتہار میں تحریر فرماتے ہیں:-
 ”اس کام (محمدی بیگم کے دوسری جگہ نکاح) کے مدارالمہام وہ
 ہو گئے جن پر اس عاجز کی اطاعت فرض تھی اور ہر چند سلطان احمد کو سمجھایا اور
 بہت تاکید کی خط لکھے کہ تُو اور تیری والدہ اس کام سے الگ ہو جائیں ورنہ
 میں تم سے جد اہو جاؤں گا اور تمہارا کوئی حق نہ رہے گا۔ مگر انہوں نے میرے خط
 کا جواب تک نہ دیا اور بکلی مجھ سے بیزاری ظاہر کی۔ اگر ان کی طرف سے تیز تلواریں
 کا بھی مجھے زخم پہنچتا تو بخدا میں اس پر صبر کرتا۔ لیکن انہوں نے دینی مخالفت کر
 کے اور دینی مقابلہ سے آزار دے کر مجھے بہت ستایا اور اس حد تک میرے دل کو
 توڑ دیا۔ کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اور عداوت چاہا کہ میں سخت ذلیل کیا جاؤں.....
 اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اب ان کا کسی قسم کا تعلق مجھ سے باقی رہے۔ اور
 ڈرتا ہوں کہ ایسے دینی دشمنوں سے پیوند رکھنے میں معصیت نہ ہو۔“

(اشتہار مورخہ 2 مئی 1891ء، تبلیغ رسالت جلد 2 صفحہ 9۔ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 186، 187 (بار دوم))

دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ازواج کا اموال طلب کرنا کوئی
 معصیت نہ تھا جب کہ دوسروں کو اموال میں سے حصہ مل رہا تھا۔ ہاں رسول اللہ اور
 اللہ تعالیٰ اُن کا کردار اس سے بلند دیکھنا چاہتے تھے۔ اور ان کے دلوں کو دنیا کی محبت
 سے خالی کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو
 ان کے اس مطالبہ پر قائم رہنے کی صورت میں طلاق دینے کی اجازت دیدی۔ اگر
 ازواج مطہرات اپنے اس مطالبہ پر قائم رہتیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور
 طلاق دیتے۔ لیکن انہوں نے اپنا مطالبہ ترک کر دیا اور نہایت شاندار کردار کا مظاہرہ
 کیا۔ اس لئے حضورؐ کو طلاق نہ دینا پڑی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیوی اور بیٹے کا کردار اس وقت سنگین جرم کے

مترادف تھا اس صورت میں حضور کا ان سے تعلق رکھنا معصیت الہی میں داخل تھا۔
نوٹ:- اس پیشگوئی پر ہم نے اصولی بحث کر دی ہے اور اہم اعتراضات کے
جوابات بھی دے دئے ہیں لوگوں کے بعض ضمنی اور غیر معقول اعتراضات کے
جوابات میں میں نے اپنی تین کتب ”پیشگوئی مرزا احمد بیگ اور اس کے متعلقات“
”تحقیق عارفانہ“ اور ”احمدیہ تحریک پر تبصرہ“ میں دے دیئے ہیں۔

پیشگوئی متعلق عبداللہ آتھم

22 مئی 1893ء سے 5 جون 1893ء تک امرتسر میں حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کا پادریوں سے 15 دن کے لئے ایک تحریری مباحثہ الوہیت مسیح کے
موضوع پر ہوا۔ یہ مباحثہ تحریری تھا اور اس کے پرچے روزانہ مجلس میں سُنادیئے
جاتے تھے۔ پادریوں کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم مباحثہ کے لئے پیش ہوتے
رہے۔ اس بحث میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عیسائیت پر کھلا کھلا غلبہ عطا فرمایا۔ چونکہ
پادری عبداللہ آتھم نے اپنی کتاب ”اندرونہ بائبل“ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو معاذ اللہ ”دجال“ لکھا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی
دعا سے آپ پر ایک پیشگوئی کا انکشاف فرمایا۔ اس پیشگوئی کو آپ نے اپنے آخری
پرچہ میں ان الفاظ میں تحریر فرمایا:-

”آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب کہ میں نے بہت تضرع
اور ابہتال سے جناب الہی میں دُعا کی کہ تُو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز
بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان
بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق
عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا

بنارہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی 15- ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے۔ اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی۔ اور اس وقت جب یہ پیشگوئی ظہور میں آوے گی بعض اندھے سو جا کھ کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سُننے لگیں گے۔“

(جنگ مقدس آخری پرچہ روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 291-292)

الہامی الفاظ ”ہاویہ میں گرایا جائے گا“ کا مفہوم اسی وقت اجتہاد کی رُو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ عبد اللہ آتھم بمزائے موت ہاویہ (دوزخ) میں گرایا جائے گا۔ چنانچہ آپ اسی پیشگوئی کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:-

”میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ آج کی تاریخ سے پندرہ ماہ میں بمزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے ذلیل کیا جائے۔ رُوسیاہ کیا جائے۔ میرے گلے میں رستہ ڈال دیا جائے۔ مجھ کو پھانسی دی جائے میں ہر سزا اٹھانے کو تیار ہوں۔“

اس پیشگوئی سے ڈپٹی عبد اللہ آتھم پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ:-

”اُس نے فوراً زبان باہر نکالی اور کانوں پر ہاتھ رکھے۔ رنگ زرد ہو گیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور سر ہلا کر کہا کہ میں نے تو ایسا نہیں لکھا۔ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دجال کا لفظ استعمال نہیں کیا)۔“

(رسالہ نور احمد صفحہ 32)

یہ اس کی طرف سے رجوع الی الحق کا آغاز تھا۔ اس کے بعد مرتے دم تک

اس نے ایک لفظ بھی اسلام یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ لکھا۔ ماسوا اسکے وہ دل سے عام عیسائیوں کے عقیدہ ”الوہیت مسیح“ کے ساتھ متفق نہ رہا اور اس اسلامی پیشگوئی کی ہیبت اس پندرہ ماہ کے عرصہ میں اسکے دل پر عجب طور سے طاری رہی۔ چنانچہ نہایت سراسیمگی کی حالت میں وہ جگہ بہ جگہ پھرتا رہا اور اسے ایک شہر میں قرار نہیں تھا۔ اسکے رجوع الی الحق کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان الفاظ میں اطلاع دی:-

اَطْلَعِ اللّٰهُ عَلٰی هَمِّهِ وَغَمِّهِ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَا تَعْجَبُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمْ الْاٰغْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَبِعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی وَنُصْرَتِيْ الْاَعْدَاءُ كُلُّ مُمَرِّقٍ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يُورِثُنَا نَكْشِفُ السَّرَّ عَنْ سَاقِهِ يَوْمَئِذٍ يُفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔
(انوار الاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 2)

کہ خدا تعالیٰ نے اُس (عبداللہ آقہم) کے ہم و غم پر اطلاع پائی اور اس کو مہلت دی جب تک کہ وہ بے باکی اور سخت گوئی اور تکذیب کی طرف میل کرے۔ اور خدا تعالیٰ کے احسان کو بھلا دے (یہ معنی فقرہ مذکورہ کے تفہیم الہی سے ہیں) اور پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی یہی سنت ہے اور تو ربانی سنتوں میں تغیر اور تبدل نہیں پائے گا۔ اس فقرہ کے متعلق یہ تفہیم ہوئی کہ عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ وہ کسی پر عذاب نازل نہیں کرتا جب تک ایسے کامل اسباب پیدا نہ ہو جائیں جو غضب الہی کو مشتعل کریں۔ اور اگر دل کے کسی گوشہ میں بھی کچھ خوف الہی مخفی ہو اور کچھ دھڑک شروع ہو جائے۔ تو عذاب نازل نہیں ہوتا اور دوسرے وقت پر جا پڑتا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ کچھ تعجب مت کرو اور غمناک مت ہو اور غلبہ تمہیں کو

ہے اگر تم ایمان پر قائم رہو..... یہ اس عاجز کی جماعت کو خطاب ہے۔ اور پھر فرمایا کہ ہم دشمنوں کو پارہ پارہ کر دیں گے یعنی اُن کو ذلت پہنچے گی اور انکا مکر ہلاک ہو جائے گا۔ اس میں یہ تفہیم ہوئی۔ کہ تم ہی فتح یاب ہو نہ دشمن۔ اور خدا تعالیٰ بس نہیں کرے گا اور نہ باز آئے گا۔ جب تک دشمنوں کے تمام مکروں کی پردہ دری نہ کرے اور ان کے مکر کو ہلاک نہ کر دے یعنی جو مکر بنایا گیا اور مجسم کیا گیا اس کو توڑ ڈالے گا۔ اور اس کو مردہ کر کے پھینک دے گا۔ اور اسکی لاش لوگوں کو دکھا دے گا۔ اور پھر فرمایا کہ ہم اصل بھید کو اس کی پنڈلیوں میں سے ننگا کر کے دکھا دیں گے یعنی حقیقت کو کھول دیں گے اور فتح کے دلائل پیہنہ ظاہر کریں گے اور اُس دن مومن خوش ہوں گے۔ پہلے مومن بھی اور پچھلے مومن بھی۔“

(انوار الاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 2-3)

پس اس الہام سے ظاہر ہے کہ عبداللہ آتھم نے پیشگوئی کے الہامی الفاظ ”بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے“ سے حق کی طرف رجوع کر لینے کی وجہ سے یہ فائدہ اٹھایا کہ وہ پندرہ ماہ کے اندر نہ مرا۔ اور اس عرصہ میں انتہائی ہم و غم میں مبتلا رہا۔ جس کے واقعات بھی گواہ ہیں کہ اسلامی پیشگوئی کا اس کے دل پر ہولناک اثر پڑا۔ اور گھبراہٹ اور دیوانہ پن کی حالت اس پر طاری رہی۔ حضور فرماتے ہیں:-

”الہامی پیشگوئی کے رعب نے اس کے دل کو ایک کچلا ہوا دل بنا دیا۔ یہاں تک کہ وہ سخت بے تاب ہوا اور شہر بہ شہر اور ہر ایک جگہ ہر اسوں اور ترساں پھرتا رہا اور اس مصنوعی خدا پر اس کا توکل نہ رہا۔ جس کو خیالات کی کجی اور ضلالت کی تاریکی نے الوہیت کی جگہ دے رکھی ہے۔ وہ کتوں سے ڈرا اور سانپوں کا اس کو اندیشہ ہوا اور اندر کے مکانوں سے بھی اسکو خوف آیا اس پر خوف اور وہم اور دلی سوزش کا غلبہ ہوا۔ اور پیشگوئی کی پوری ہیبت اس پر

طاری ہوئی اور وقوع سے پہلے ہی اس کا اثر اس کو محسوس ہوا۔ اور بغیر اسکے کہ کوئی امر ترسے اس کو نکالے آپ ہی ہر اسماں اور ترساں اور پریشاں اور بے تاب ہو کر شہر بہ شہر بھاگتا پھرا۔ اور خدا نے اس کے دل کا آرام چھین لیا اور پیشگوئی سے سخت متاثر ہو کر سراسیموں اور خوفزدوں کی طرح جا بجا بھٹکتا پھرا۔ اور الہام الہی کا رعب اور اثر اس کے دل پر ایسا مستولی ہوا کہ اس کی راتیں ہولناک اور دن بے قراری سے بھر گئے..... اس کے دل کے تصوروں نے عظمت اسلامی کو رد نہ کیا بلکہ قبول کیا اس لئے وہ خدا جو رحیم و کریم اور سزا دینے میں دھیما ہے اور انسان کے دل کے خیالات کو جانچتا اور اسکے تصورات کے موافق اس سے عمل کرتا ہے۔ اس نے اس کو اس صورت پر بنایا جس صورت میں فی الفور کامل ہاویہ کی سزا یعنی موت بلا توقف اس پر نازل ہوتی۔ اور ضرور تھا کہ وہ کامل عذاب اس وقت تک تھما رہے۔ جب تک کہ وہ بے باکی اور شوخی سے اپنے ہاتھ سے اپنے لئے ہلاکت کے اسباب پیدا کرے اور الہام الہی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا تھا کیونکہ الہامی عبارت میں شرطی طور پر عذاب موت کے آنے کا وعدہ تھا نہ مطلق بلا شرط۔“

(انوار الاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 4-5)

”یہ غیر ممکن ہے کہ خدا اپنی قرار دادہ شرطوں کو بھول جائے۔ کیونکہ شرائط کا لحاظ رکھنا صادق کے لئے ضروری ہے۔ اور خدا اصدق الصادقین ہے۔ ہاں جس وقت مسٹر عبد اللہ آتھم اس شرط کے نیچے سے اپنے تئیں باہر کرے اور اپنے لئے اپنی شوخی اور بے باکی سے ہلاکت کے سامان پیدا کرے تو وہ دن نزدیک آجائیں گے اور سزائے ہاویہ کامل طور پر نمودار

ہوگی۔ اور پیشگوئی عجیب طور پر اپنا اثر دکھائے گی۔“

(انوار الاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 5)

نوٹ:- یہ عبارت عبداللہ آتھم کے لئے رجوع کر لینے کے بعد بے باکی دکھانے کی صورت میں پیشگوئی کی معین اور آخری صورت ہے جو یہ ہے کہ بے باکی اور شوخی کے ظہور پر یعنی رجوع الی الحق کے ماننے سے انکار کرنے پر یا رجوع الی الحق کی صورت کو کسی تدبیر سے مشتبہ بنانے کی صورت میں اسکی ہلاکت کے دن نزدیک آجائیں گے۔ اور پھر موت کے ذریعہ سزائے ہاویہ کا وہ جلد شکار ہو جائے گا۔ اور پیشگوئی کا اثر غیر معمولی رنگ میں ظاہر ہوگا۔ گویا اب یہ پیشگوئی ڈپٹی عبداللہ آتھم کی بے باکی اور شوخی سے معلق ہوگئی۔

مخالفین کا شور و شر

جب مسٹر عبداللہ آتھم رجوع الی الحق کی شرط سے فائدہ اٹھا کر پندرہ ماہ کے اندر مرنے سے بچ گیا۔ تو عیسائیوں نے اپنی جھوٹی فتح کا نقارہ بجایا۔ جلوس نکالے اور خوب شور و شر اور ہنگامہ آرائی کی اور مسیح موعود کی شان میں گستاخانہ رویہ اختیار کیا بعض سادہ لوح مسلمان یا حضور سے تعصب رکھنے والے مسلمان بھی اُن کے ہمنوا ہو گئے تو ان کی حالت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ سے الہام پا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عبداللہ آتھم کو مہبلہ کا چیلنج دیا۔ اور اس دعوت مہبلہ کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کا انعام بھی رکھا۔ دعوت مہبلہ والے اشتہار میں آپ نے لکھا:-

”اگر عیسائی صاحبان اب بھی جھگڑیں اور اپنی مکارانہ کارروائیوں کو کچھ چیز سمجھیں یا کوئی اور شخص اس میں شک کرے۔ تو اس بات کے تصفیہ کے لئے کہ فتح کس کو ہوئی آیا اہل اسلام کو جیسا کہ درحقیقت ہے۔ یا عیسائیوں کو جیسا کہ وہ ظلم کی راہ سے خیال کرتے ہیں۔ تو میں ان کی پردہ دری کے لئے

مباہلہ کے لئے تیار ہوں۔ اگر وہ دروغ گوئی اور چالاکی سے باز نہ آئیں تو مباہلہ اس طور پر ہوگا کہ ایک تاریخ مقرر ہو کر ہم فریقین ایک میدان میں حاضر ہوں۔ اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کھڑے ہو کر تین مرتبہ ان الفاظ کا اقرار کریں کہ اس پیشگوئی کے عرصہ میں اسلامی رُعب ایک طرفۃ العین کے لئے بھی میرے دل پر نہیں آیا اور میں اسلام اور نبی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ناحق پر سمجھتا رہا اور سمجھتا ہوں۔ اور صداقت کا خیال تک نہیں آیا۔ اور حضرت عیسیٰ کی ابیت اور الوہیت پر یقین رکھتا رہا اور رکھتا ہوں۔ اور ایسا ہی یقین جو فرقہ پر وٹسٹنٹ کے عیسائی رکھتے ہیں اور اگر میں نے خلاف واقعہ کہا ہے اور حقیقت کو چھپایا ہے۔ تو اے خدائے قادر! مجھ پر ایک برس میں عذاب موت نازل کر۔ اس دعا پر ہم آمین کہیں گے اور اگر دعا کا ایک سال تک اثر نہ ہوا اور وہ عذاب نازل نہ ہوا جو جھوٹوں پر نازل ہوتا ہے تو ہم ہزار روپیہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کو بطور تاوان کے دیں گے۔ چاہیں تو پہلے کسی جگہ جمع کرائیں اور اگر وہ ایسی درخواست نہ کریں تو یقیناً سمجھو کہ وہ کاذب ہیں اور غلو کے وقت اپنی سزا پائیں گے۔“

(انوار الاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 6)

بالآخر حضور تحریر فرماتے ہیں:-

”پس یقیناً سمجھو کہ اسلام کو فتح حاصل ہوئی اور خدا تعالیٰ کا ہاتھ بالا ہوا

اور کلمہ اسلام اونچا ہوا اور عیسائیت نیچے گری۔“

مسٹر عبداللہ آتھم اس مؤکد بعد اب قسم کھانے کیلئے آمادہ نہ ہوئے تو حضور

نے دوسرا اشتہار دو ہزار روپے کے انعام کے ساتھ شائع کیا اور اس میں تحریر فرمایا:-

”حضرت یہ تو دو خداؤں کی لڑائی ہے۔ اب وہی غالب ہوگا جو سچا خدا ہے۔“

جبکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے خدا کی ضرورت یہ قدرت ظاہر ہوگی کہ اس قسم والے برس میں ہم نہیں مریں گے۔ لیکن اگر آتھم صاحب نے جھوٹی قسم کھالی تو ضرورت ہو جائیں گے۔ تو جائے انصاف ہے کہ آتھم صاحب کے خدا پر کیا حادثہ نازل ہوگا کہ وہ ان کو بچا نہیں سکے گا اور منجی ہونے سے استغفیٰ دے دے گا۔ غرض اب گریز کی کوئی وجہ نہیں۔ یا تو مسیح کو قادر خدا کہنا چھوڑیں یا قسم کھالیں۔ ہاں اگر عام مجلس میں یہ اقرار کر لیں کہ ان کے مسیح ابن اللہ کو برس تک زندہ رکھنے کی تو قدرت نہیں مگر برس کے تیسرے حصہ یا تین دن تک البتہ قدرت ہے۔ اور اس مدت تک اپنے پرستار کو زندہ رکھ سکتا ہے۔ تو ہم اس اقرار کے بعد چار مہینہ یا تین دن ہی تسلیم کر لیں گے۔“

(اشتہار انعامی دو ہزار روپیہ 20 ستمبر 1894ء۔ مندرجہ تبلیغ رسالت

جلد سوم صفحہ 135، 136۔ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 414 بار دوم)

عبداللہ آتھم انعامی رقم ڈبل کیا جانے پر بھی اس روحانی مقابلہ پر آمادہ نہ ہوا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تین ہزار روپے کا انعامی اشتہار دیا۔ اور اس میں اس سوال کا کہ ایک سال کی میعاد کی کیا ضرورت ہے خدا ایک دن میں بھی جھوٹے کو مار سکتا ہے۔ یہ جواب دیا:۔

”ہاں بے شک خدائے قادر ذوالجلال ایک دن میں کیا بلکہ ایک طرفۃ العین میں مار سکتا ہے۔ مگر جب اس نے الہامی تفہیم سے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔ تو اسکی پیروی کرنا لازم ہے۔ کیونکہ وہ حاکم ہے..... کیا ان کا (عیسائیوں کا) وہ مصنوعی خدا ایک سال تک آتھم صاحب کو بچا نہیں سکتا۔ حالانکہ ان کی عمر بھی کچھ ایسی بڑی نہیں ہے بلکہ میری عمر سے صرف چند سال ہی زیادہ ہیں۔ پھر اس مصنوعی خدا پر کونسی ناتوانی طاری ہو جائے گی کہ ایک

سال تک بھی ان کو بچا نہ سکے گا ایسے خدا پر نجات کا بھروسہ رکھنا بھی سخت خطرناک ہے جو ایک سال کی حفاظت سے بھی عاجز ہے۔ کیا ہم نے عہد نہیں کیا کہ ہمارا خدا اس سال میں ضرور ہمیں مرنے سے بچائے گا۔ اور آتھم صاحب کو اس جہان سے رخصت کر دے گا۔ کیونکہ وہی قادر اور سچا خدا ہے جس سے بدنصیب عیسائی منکر ہیں اور اپنے جیسے انسان کو خدا بنا بیٹھے ہیں۔“

(انعامی اشتہار تین ہزار روپیہ 5 اکتوبر 1894ء۔ مندرجہ تبلیغ رسالت

جلد سوم صفحہ 144، 145۔ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 420)

اس اشتہار میں حضرت اقدس نے بطور چٹھی عبداللہ آتھم صاحب کو لکھا:۔

”از طرف عبداللہ الاحمد عافاہ اللہ وایتد۔ آتھم صاحب کو معلوم

ہو کہ میں نے آپ کا وہ خط پڑھا جو آپ نے ”نور افشاں“ 21 ستمبر

1894ء کے صفحہ 10 میں چھپوایا ہے مگر افسوس کہ آپ اس خط میں دونوں

ہاتھ سے کوشش کر رہے ہیں کہ حق ظاہر نہ ہو۔

میں نے خدا تعالیٰ سے سچا اور پاک الہام پا کر یقینی اور قطعی

طور پر جیسا کہ آفتاب نظر آ جاتا ہے معلوم کر لیا ہے کہ آپ نے میعاد

پیشگوئی کے اندر اسلامی عظمت اور صداقت کا سخت اثر اپنے دل پر ڈالا اور اسی

بناء پر پیشگوئی کے وقوع کا ہم غم و کمال درجہ پر آپ کے دل پر غالب ہوا۔

میں اللہ جلّ شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بالکل صحیح ہے اور خدا تعالیٰ

کے مکالمہ سے مجھ کو یہ اطلاع ملی ہے اور اس پاک ذات نے مجھے یہ اطلاع

دی ہے کہ جو انسان کے دل کے تصورات کو جانتا اور اس کے پوشیدہ خیالات

کو دیکھتا ہے اور اگر میں اس بیان میں حق پر نہیں تو خدا مجھ کو آپ سے پہلے

موت دے۔

پس اسی وجہ سے میں نے چاہا کہ آپ مجلس عام میں قسم غلیظ مؤکد

بعد اب موت کھاویں ایسے طریق سے جو میں بیان کر چکا ہوں تا میرا اور آپ کا فیصلہ ہو جائے اور دنیا تاریکی میں نہ رہے۔ اور اگر آپ چاہیں گے تو میں بھی ایک برس یا دو برس یا تین برس کے لئے قسم کھالوں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ سچا ہرگز برباد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہی ہلاک ہوگا جس کو جھوٹ نے پہلے سے ہلاک کر دیا ہے اگر صدق الہام اور صدق اسلام پر مجھے قسم دی جائے تو میں آپ سے ایک پیسہ نہیں لیتا۔ لیکن آپ کے قسم کھانے کے وقت تین ہزار کے بدرے پہلے پیش کئے جائیں گے..... جبکہ میں بھی قسم کھا چکا اور آپ بھی کھائیں گے۔ تو جو شخص ہم دونوں میں جھوٹا ہوگا۔ وہ دنیا پر اثر ہدایت ڈالنے کے لئے اس جہاں سے اٹھالیا جائے گا۔ اگر آپ چونٹھ برس کے ہیں تو میری عمر بھی قریباً ساٹھ کے ہو چکی۔ دو خداؤں کی لڑائی ہے۔ ایک اسلام کا اور ایک عیسائیوں کا۔ پس جو سچا اور قادر خدا ہوگا وہ ضرور اپنے بندہ کو بچالے گا۔ اگر آپ کی نظر میں کچھ عزت اس مسیح کی ہے جس نے مریم صدیقہ سے تولد پایا تو اس عزت کی سفارش پیش کر کے پھر میں آپ کو خداوند قادر مطلق کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس اشتہار کے منشاء کے موافق عام مجلس میں قسم مؤکد بعد اب موت کھاویں۔ یعنی یہ کہیں کہ مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں نے پیشگوئی کی معاد میں اسلامی عظمت اور صداقت کا کچھ اثر اپنے دل پر نہیں ڈالا اور نہ اسلامی پیشگوئی کی حقانی ہیبت میرے دل پر طاری ہوئی۔ اور نہ میرے دل نے اسلام کو حقانی مذہب خیال کیا بلکہ میں درحقیقت مسیح کی اہیت اور الوہیت اور کفارہ پر یقین کامل کے ساتھ اعتقاد رکھتا رہا۔ اگر میں اس بیان میں جھوٹا ہوں تو اے قادر خدا! جو دل کے تصورات کو جانتا ہے اس بے باکی کے عوض میں سخت ذلت اور دکھ کے ساتھ عذاب موت ایک سال کے اندر میرے پر

نازل کر۔ اور یہ تین مرتبہ کھنا ہوگا۔ اور ہم تین مرتبہ آمین کہیں گے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کو مسیح کی عزت کا کچھ بھی پاس ہے یا نہیں۔“
(اشتہار انعامی تین ہزار روپیہ 5 اکتوبر 1894ء۔ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ 157 تا 161 مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 430 تا 432)

ڈپٹی عبداللہ آتھم کے عذرات

مسٹر عبداللہ آتھم نے دو عذر کئے۔ اول یہ کہ قسم کھانا ان کے مذہب میں ممنوع ہے۔ دوم یہ کہ پیشگوئی کے زمانہ میں وہ ڈرے تو ضرور ہیں مگر پیشگوئی کے اثر سے نہیں بلکہ اس لئے کہ کہیں ان کو قتل نہ کروادیا جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کے دونوں عذرات اپنے آخری اشتہار میں جس میں چار ہزار انعام دینے کا وعدہ کیا تھا توڑ دیئے اور پادری عبداللہ آتھم اس اشتہار کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دلائل سے ثابت فرمایا کہ انجیل کی رو سے صرف آسمان یا زمین یا یروشلم یا اپنے سر کی قسم کھانا ممنوع ہے۔ (متی 34-35/5) ورنہ قسم پطرس حواری نے بھی کھائی۔ (متی 26/72) پولوس رسول نے بھی کھائی (کرنھیوں 11/10)۔ بلکہ پولوس رسول نے تو لکھا کہ ہر ایک مقدمہ کی حد قسم ہے (عبرانیوں 6/16) بائبل میں خدا۔ فرشتوں اور نبیوں کی قسمیں موجود ہیں۔ اور انجیل میں عیسیٰ کی قسم۔ پطرس کی قسم اور پولوس کی قسمیں درج ہیں۔ اس جہت سے علماء عیسائیت نے جواز قسم پر فتویٰ دیا ہے۔

(دیکھئے تفسیر انجیل۔ مصنفہ پادری کلارک و پادری عماد الدین مطبوعہ 1875ء)
علاوہ ازیں عیسائی سلطنت میں پارلیمنٹ کے ممبروں اور تمام معہد عیسائی

ملازموں حتیٰ کہ گورنر جنرل سے بھی قسم لی جاتی ہے۔ پھر آپ نے تحریر فرمایا:-

”پھر اب سوچنا چاہیے جب کہ پطرس نے قسم کھائی۔ پولس نے قسم۔ کھائی مسیحیوں کے خدا نے قسم کھائی۔ فرشتوں نے قسم کھائی۔ نبیوں نے قسمیں کھائیں اور تمام پادری ذرہ ذرہ مقدمہ پر قسمیں کھاتے ہیں پارلیمنٹ کے ممبر قسم کھاتے ہیں ہر ایک گورنر جنرل قسم کھا کر آتا ہے تو پھر آتھم صاحب ایسے ضروری وقت میں کیوں قسم نہیں کھاتے۔ حالانکہ وہ خود اپنے اس اقرار سے کہ میں پیشگوئی کے بعد ضرور موت سے ڈرتا رہا ہوں۔ ایسے الزام کے نیچے آگئے ہیں کہ وہ الزام بجز قسم کھانے کے کسی طرح ان کے سر پر سے اٹھ نہیں سکتا۔ کیونکہ ڈرنا جو رجوع کی ایک قسم ہے اُن کے اقرار سے ثابت ہوا۔ پھر بعد اس کے وہ ثابت نہ کر سکے کہ وہ صرف قتل کئے جانے سے ڈرتے تھے۔ نہ انہوں نے حملہ کرتے ہوئے کسی قاتل کو پکڑا۔ نہ انہوں نے یہ ثبوت دیا کہ ان سے پہلے کبھی اس عاجز نے چند آدمیوں کا خون کر دیا تھا جس کی وجہ سے اُن کے دل میں بھی دھڑکا بیٹھ گیا کہ اسی طرح میں بھی مارا جاؤں گا۔ بلکہ اگر کوئی نمونہ ان کی نظر کے سامنے تھا تو بس یہی کہ ایک پیشگوئی موت کی یعنی مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی موت ان کے سامنے ظہور میں آئی تھی لہذا جیسا کہ الہام الہی نے بتلایا ضرور وہ پیشگوئی کی عظمت سے ڈرے اور یہ بات روئداد موجودہ سے بالکل برخلاف ہے کہ وہ پیشگوئی کی صداقت تجربہ شدہ سے نہیں ڈرے بلکہ ہمارا خونی ہونا جو ایک تجربہ کی رُو سے ایک تحقیقی امر تھا اس سے ڈر گئے۔ پس اس الزام سے وہ بجز اس کے کیونکر بری ہو سکتے ہیں کہ بحیثیت شاہد کے قسم کھائیں اور بموجب قول پولس رسول کے جو ہر ایک مقدمہ کی حد قسم ہے۔ اس مشتبہ امر کا فیصلہ کر لیں۔ لیکن یہ نہایت درجہ کی مکاری اور بددیانتی

ہے کہ قسم کی طرف تو رجوع نہ کریں اور یونہی حق پوشی کے طور پر جا بجا خط بھیجیں اور اخباروں میں چھپوائیں کہ میں عیسائی ہوں اور عیسائی تھا۔“

(اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ مورخہ 27 اکتوبر 1894 - مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ 172، 173 - مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 441، 442)

پھر حضور تحریر فرماتے ہیں:

”اب بتلاؤ کہ آتھم صاحب کا یکطرفہ بیان جو صرف دعویٰ کے طور پر اغراض نفسانیہ سے بھرا ہوا اور روئداد موجودہ کے مخالف ہے کیونکر قبول کیا جائے۔ اور کونسی عدالت اس پر اعتماد کر سکتی ہے یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ صرف ہمارے الہام پر مدار نہیں رہا بلکہ آتھم صاحب نے خود موت کے خوف کا اقرار اخباروں میں چھپوایا اور جا بجا خطوط میں اقرار کیا۔ اب یہ بوجھ آتھم صاحب کی گردن پر ہے کہ اپنے اقرار کو بے ثبوت نہ چھوڑیں بلکہ قسم کے طریق سے جو ایک سہل طریق ہے اور جو ہمارے نزدیک قطعی اور یقینی ہے ہمیں مطمئن کر دیں کہ وہ پیشگوئی کی عظمت سے نہیں ڈرے بلکہ وہ فی الحقیقت ہمیں ایک خونی انسان یقین کرتے اور ہماری تلواروں کی چمک دیکھتے تھے۔ اور ہم انہیں کچھ بھی تکلیف نہیں دیتے بلکہ اس قسم پر چار ہزار روپیہ بشرائط اشتہار 9 ستمبر 1894 و 20 ستمبر 1894 ان کی نذر کریں گے۔“

اس اشتہار میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا آخری الہام درج فرمایا:-

”خدا تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ میں بس نہیں کروں گا جب تک اپنے قوی ہاتھ کو نہ دکھلاؤں اور شکست خوردہ گروہ کی سب پر ذلت ظاہر نہ کروں۔“

اور اس الہام پر یہ تشریحی نوٹ لکھا:-

”اب اگر آتھم صاحب قسم کھالیں تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے جس

کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں اور تقدیر مبرم ہے۔ اور اگر قسم نہ کھاویں تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا۔ جس نے حق کا اخفاء کر کے دنیا کو دھوکہ دینا چاہا۔ لیکن ہم اس مؤخر الذکر شق کی نسبت ابھی صرف اتنا کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے نشان کو ایک عجیب طور پر دکھلانا ارادہ کیا ہے جس سے دنیا کی آنکھ کھلے اور تاریکی دور ہو۔ اور وہ دن نزدیک ہیں دور نہیں۔ مگر اس وقت اور گھڑی کا علم جب دیا جائے گا تب اس کو شائع کر دیا جائے گا۔“

(اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ 27 اکتوبر 1894ء۔ مندرجہ تبلیغ رسالت

جلد سوم صفحہ 174 تا 177 مجموعہ اشتہارات جلد اول 442 تا 445)

اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ کے بعد مسٹر عبداللہ آتھم قسم کھانے پر تو آمادہ نہ ہوئے مگر ان کا قسم سے انکار کمال کو پہنچ گیا۔ کیونکہ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یکے بعد دیگرے تین اور اشتہار دئے اور آخری اشتہار 30 دسمبر 1895ء کو دیا گیا۔ جس میں حضور فرماتے ہیں:-

”اگر پادری صاحبان ملامت کرتے کرتے اُن (آتھم) کو ذبح بھی کر ڈالیں۔ تب بھی وہ میرے مقابل پر قسم کھانے کے لئے ہرگز نہیں آئیں گے کیونکہ وہ دل میں جانتے ہیں کہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ میری سچائی کے لئے یہ نمایاں دلیل کافی ہے کہ آتھم صاحب میرے مقابلہ پر میرے موابجہ میں ہرگز قسم نہیں اٹھائیں گے۔ اگرچہ عیسائی لوگ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ اگر وہ قسم کھالیں تو یہ پیشگوئی بلاشبہ دوسرے پہلو پر پوری ہو جائے گی۔ خدا کی باتیں ٹل نہیں سکتیں۔“

(اشتہار 30 دسمبر 1895ء۔ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد چہارم صفحہ 70۔ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 539)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آتھم کو قسم کھانے کے علاوہ نالاش کرنے کی بھی ترغیب دی تھی۔ لیکن آتھم نے نہ قسم کھائی اور نہ نالاش کی اور اس طریق سے بتا دیا کہ ضرور اُس نے رجوع بحق کیا تھا۔ اور چونکہ اُس نے علانیہ طور پر زبان سے اس

رجوع کا اظہار نہیں کیا اس لئے خدا نے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑا۔ اور اخفائے حق کی سزا میں آخری اشتہار سے جو 30 دسمبر 1895ء کو شائع ہوا۔ سات ماہ کے اندر گرفت الہی میں آگیا اور 26 جولائی 1896ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہلاک ہو کر عیسائیوں کی شکست کو ظاہر کر گیا۔

پیشگوئی پر اعتراضات کے جوابات

مولوی غلام جیلانی برق نے اعتراض کیا ہے کہ آتھم اور اسکے فریق نے پیشگوئی کی شرط رجوع الی الحق کو قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ اپنے طغیان اور تمرد پر ڈٹے ہوئے تھے..... عبداللہ آتھم اسلام اور مرزا صاحب کے خلاف مسلسل لکھتا رہا۔ اس کی ایک نہایت زہریلی کتاب ”خلاصہ مباحثہ“ جس میں تثلیث پر پُر زور دلائل ہیں اور توحید کا مضحکہ اڑایا گیا ہے اور جناب مرزا صاحب پر بے پناہ پھبتیاں کسی گئی ہیں۔ اسی زمانے پندرہ ماہ کی تصنیف ہے۔

ہم نے جناب برق صاحب سے خط و کتاب کی جسکی تفصیل میری کتاب ”تحقیق عارفانہ صفحہ 465 تا صفحہ 467 تک میں درج ہے۔ جناب برق صاحب عبداللہ آتھم کی طرف سے ”خلاصہ مباحثہ“ لکھا جانے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکے۔ وہ تو میعاد کے اندر سرگرداں و سراسیمہ تھا۔ اور دن رات روتا رہتا تھا۔ اسکی حالت نیم دیوانہ کے مشابہ تھی اور اسکی قوتِ متخیلہ میں اُسے ایسے حملہ آور دکھائی دیتے تھے جن کا ذکر کرنے پر عیسائیوں نے اُسے حضرت مرزا صاحب پر نالش کرنے کو کہا اور یہاں تک پیشکش کی کہ تم صرف کاغذ پر دستخط ہی کرو و مقدمہ ہم دائر کریں گے۔ مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔ بھلا اس سراسیمگی کی حالت میں وہ خلاصہ مباحثہ کیسے لکھ سکتا تھا۔ ہماری نظر سے کوئی ایسا رسالہ نہیں گذرا۔ اگر عبداللہ آتھم نے ایسا کوئی رسالہ ان ایام میں لکھا ہوتا تو وہ اسے قسم کھانے کی دعوت کے مقابلہ میں بطور

وجہ شہادت پیش کرتے کہ دیکھو میں نے کوئی رجوع نہیں کیا اور ان کو ضرورت نہ تھی کہ کچے عذرات سے قسم کو ٹال دیتے۔

”دلی زبان سے تو اُس نے رجوع کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ ”نور افشاں“ 21 ستمبر 1894ء میں حضرت اقدس کے ذکر میں لکھتا ہے:-

”میں عام عیسائیوں کے عقیدہ ابیت اور الوہیت کے ساتھ متفق نہیں اور نہ میں ان عیسائیوں سے متفق ہوں جنہوں نے آپ کے ساتھ یہودگی کی۔“

جب وہ عیسائیوں کے ساتھ ساتھ عقیدہ تثلیث میں متفق نہ رہے تو پیشگوئی کی میعاد میں وہ تثلیث پر پر زور دلائل کیسے لکھ سکتے تھے۔ اور جب وہ عیسائیوں کی یہودگی کو ناپسند کرتا تھا تو وہ حضرت مرزا صاحب پر پھبتیاں کیسے کس سکتے تھے۔

برق صاحب نے حرف محرمانہ صفحہ 271 پر تسلیم کیا ہے کہ رجوع الی الحق کا مفہوم ایک ہی ہو سکتا ہے یعنی تثلیث سے تائب ہو کر توحید قبول کرنا۔ جب آہتم صاحب نے عام عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث سے رجوع کر لیا جس کا خود انہوں نے اعتراف کیا ہے تو انکا ایسا کرنا توحید کے عقیدہ کو مستلزم ہے۔

اعتراض دوم

حضرت مرزا صاحب نے کشتی نوح صفحہ 6 پر لکھا ہے:-

”پیشگوئی میں یہ بیان تھا کہ فریقین میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے

مرے گا۔“

نیز تحفہ گولڑویہ میں لکھا ہے:

”میں نے ڈپٹی عبداللہ آہتم کے مباحثہ میں قریباً ساٹھ آدمیوں کے

رُوبرو یہ کہا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔ سو آہتم اپنی

موت سے میری سچائی کی گواہی دے گیا۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ پیشگوئی میں پہلے اور پیچھے کا کوئی ذکر نہیں۔ وہاں صرف اس قدر ذکر ہے کہ جھوٹا پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ (حرف محرمانہ از ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔ باراول صفحہ 283 علمی پرنٹنگ پریس لاہور)

الجواب

”پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔“

کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ دونوں فریق میں سے جو جھوٹا ہے وہ پندرہ ماہ تک مرکز دوزخ میں پڑے گا۔ کیونکہ ہاویہ کے معروف معنی دوزخ ہی ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ کی اس پیشگوئی میں ساتھ ہی یہ الفاظ بھی موجود ہیں:-

”اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے۔ اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی۔“ (تذکرہ صفحہ 192 مطبوعہ 2004ء)

جس کے یہ معنی ہیں کہ سچا فریق میعاد پیشگوئی میں زندہ رہے گا اور وہ فریق ثانی سے پہلے نہیں مرے گا۔ خود آگے چل کر حضرت اقدسؑ تشریحی الفاظ میں فرماتے ہیں:-

”میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ یعنی وہ

فریق جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ آج کی تاریخ سے پندرہ ماہ میں بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔“

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اُسے پندرہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں پڑنا چاہیے اور سچے کو اس عرصہ میں نہیں مرنا چاہیے۔

جب عبد اللہ آتھم رجوع کر لینے کی وجہ سے پندرہ ماہ کے اندر نہ مرا۔ کیونکہ

اُس نے بچ جانے کی شرط پوری کر لی تو اب یہ پیشگوئی مطلق صورت میں معلق ہو گئی۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمایا:-

”جس وقت مسٹر عبداللہ آتھم اس شرط (رجوع۔ ناقل) کے نیچے سے اپنے تئیں باہر کرے اور اپنے لئے اپنی شوخی اور بے باکی سے ہلاکت کے سامان پیدا کرے تو وہ دن نزدیک آجائیں گے۔ اور سزائے ہاویہ کامل طور پر نمودار ہوگی اور پیشگوئی عجیب طور پر اپنا اثر دکھائے گی۔“
(انوار الاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 5)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ پندرہ ماہ گزر جانے کے بعد حضرت اقدسؑ کے نزدیک پیشگوئی مطلق صورت میں جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے پر قائم ہے۔ چنانچہ قسم والے اشتہار انعامی میں بھی حضورؐ نے لکھا:-

”ہمارے خدا کی ضروریہ قدرت ظاہر ہوگی کہ اس قسم والے برس میں ہم نہیں مریں گے۔ لیکن اگر آتھم صاحب نے جھوٹی قسم کھالی تو ضرور فوت ہو جائیں گے۔“

پھر تین ہزار روپیہ کے انعامی اشتہار میں تحریر فرماتے ہیں:-

”کیا ہم نے نہیں کہا کہ ہمارا خدا اس سال ہمیں ضرور مرنے سے بچائے گا۔ اور آتھم صاحب کو اس جہاں سے رخصت کرے گا۔“
پھر فرماتے ہیں:-

”جبکہ میں بھی قسم کھا چکا اور آپ بھی کھائیں گے تو جو شخص ہم دونوں میں جھوٹا ہوگا وہ دنیا پر اثر ہدایت ڈالنے کے لئے اس جہاں سے اٹھالیا جائے گا۔“

(اشتہار انعامی 3 ہزار روپیہ۔ 5 اکتوبر 1894ء۔ مندرجہ

تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ 160۔ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 432)

ان حوالہ جات سے ثابت ہے کہ جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے کا روحانی مقابلہ ایک لمبے عرصہ تک جاری رہا۔ اور چونکہ عبداللہ آفتم نے رجوع کے بارے میں اخفائے حق سے کام لیا۔ اس لئے حضرت اقدس کے آخری اشتہار مورخہ 30 دسمبر 1895ء کے بعد سات ماہ کے عرصہ میں حضرت اقدس کی زندگی میں ہلاک ہو کر حضرت اقدس کی سچائی اور اپنے جھوٹے ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر گیا۔ لہذا کشتی نوح اور تحفہ گولڈویہ کا بیان درست ہے کہ پیشگوئی جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے کے متعلق پہلے الہام میں ہی موجود تھی جو آخر تک قائم رہی۔

پیشگوئی

اپنی وفات کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات

اور

ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی

دسمبر 1905ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی وفات سے اڑھائی سال قبل اپنی وفات کے قریب ہونے کے متعلق الہامات ہوئے جو آپ نے اپنے رسالہ الوصیت کے شروع میں درج کئے ہیں:-

قَرُبَ أَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ وَلَا نُبْقِي لَكَ مِنَ الْمُخْزِيَّاتِ
ذِكْرًا. قُلْ مِيعَادُ رَبِّكَ وَلَا نُبْقِي لَكَ مِنَ الْمُخْزِيَّاتِ شَيْئًا۔

ترجمہ:- تیری اجل قریب آگئی ہے اور ہم تیرے متعلق ایسی باتوں کا نام و نشان نہیں چھوڑیں گے جن کا ذکر تیری رسوائی کا موجب ہو۔ تیری نسبت خدا کی ميعاد مقررہ تھوڑی رہ گئی ہے اور ہم ایسے تمام اعتراض دُور اور دفع کر دیں گے اور کچھ بھی ان میں سے باقی نہیں رکھیں گے جن کے بیان سے تیری رسوائی مطلوب ہو۔

پھر آگے چل کر اردو زبان میں یہ الہام ہوا:-

”بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اُس دن سب پر اُداسی چھا جائے گی۔ یہ ہوگا، یہ ہوگا، یہ ہوگا بعد اس کے تمہارا واقعہ ہوگا۔ تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا۔“

(تذکرہ صفحہ 496 ایڈیشن 2004ء)

پھر ریویو 12 دسمبر 1905ء میں آپ کا ایک رویا درج ہوا:-

”ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا ہے۔ پانی صرف دو تین گھونٹ باقی اس میں رہ گیا ہے لیکن بہت مصفیٰ اور مقطر پانی ہے۔ اس کے ساتھ الہام تھا:- ”آب زندگی“ (تذکرہ صفحہ 486 مطبوعہ 2004ء)

ان الہامات اور رویا سے ظاہر ہو رہا تھا کہ آپ کی زندگی کے صرف دو تین سال ہی باقی ہیں۔ ان الہامات کے اڑھائی سال بعد آپ کی وفات ہو گئی۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی

ڈاکٹر عبدالحکیم جسے مسیح موعود علیہ السلام نے بعض وجوہ سے اپنی جماعت سے خارج کر دیا تھا اور اب وہ آپ کا دشمن ہو چکا تھا۔ الوصیت کے شائع ہو جانے کے بعد 12 جولائی 1906 کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین سال میں مرنے کی پیشگوئی کر دی۔ اس پر 16 اگست 1906 کو مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار بنام ”خدا سچے کا حامی ہو“ شائع فرمایا۔ اور اس میں اپنا یہ الہام درج کیا:-

”خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے پر تونے وقت کو نہ پہچانا۔ نہ دیکھا نہ جانا۔“ (تذکرہ صفحہ 531 مطبوعہ 2004ء)

رَبِّ فَرِّقْ بَيْنَ صَادِقٍ وَكَاذِبٍ وَأَنْتَ تَرَى كُلَّ مَصْلَحٍ وَصَادِقٍ۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کی نئی پیشگوئی

اس پر ڈاکٹر صاحب نے اپنی سہ سالہ پیشگوئی کو منسوخ کر کے یہ لکھ دیا:-

”سہ سالہ میعاد میں سے جو 11 جولائی 1909ء کو پوری ہوئی تھی۔ دس

مہینے اور گیارہ دن کم کر دئے اور مجھے یکم جولائی 1907 کو الہاماً فرمایا۔ مرزا آج سے چودہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔“

(اعلان الحق و اتمام الحجة و تکملہ)

اس کے جواب میں حضرت اقدسؑ نے 5 نومبر 1907ء کو تبصرہ نامی اشتہار میں اپنا الہام شائع فرمایا:-

”اپنے دشمن کو کہہ دے کہ خدا تجھ سے مواخذہ لے گا۔ میں تیری عمر کو بھی بڑھاؤں گا۔“ (تذکرہ صفحہ 624 مطبوعہ 2004ء)

ڈاکٹر عبدالحکیم نے اس پر چودہ ماہ کی میعاد میں تبدیلی کر دی۔ اور لکھا:-

”الہام 16 فروری 1908 مرزا 21 ساون سمت 1965 مطابق

4 اگست 1908 تک ہلاک ہو جائے گا۔“ (اعلان الحق)

اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام چشمہ معرفت تصنیف فرما رہے تھے۔ حضور نے ڈاکٹر عبدالحکیم کی یہ پیشگوئی چشمہ معرفت میں نقل فرما کر تحریر فرمایا کہ:-

”میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔“

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 337)

خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کا یہ سامان کیا کہ عبدالحکیم نے 4 اگست 1908 والی پیشگوئی کو یہ لکھ کر منسوخ کر دیا:-

”ایک موقع پر میری زبان سے یہ بددعا نکلی اے خدا!! اس ظالم کو جلد

غارت کر..... اس لئے 4 اگست 1908ء مطابق 21 ساون سمت 1965

کی میعاد بھی منسوخ کی گئی۔“ (اعلان الحق و اتمام الحجة و تکملہ)

پھر 8 مئی 1908ء کے خط میں جو پیسہ اخبار اور الحمدیث میں شائع

ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا:-

”مرزا قادیانی کے متعلق میرے الہامات ذیل آپ شائع کر کے
ممنون فرمادیں۔“

(1) مرزا 21 سادون سمت 1965 (4/ اگست 1908ء) کو مرض
مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔

(2) مرزا کے کنبہ میں سے ایک بڑی معرکہ الآراء عورت مر
جائے گی۔“ (الہمدیٹ 15 مئی 1908ء)

اس پیشگوئی میں ڈاکٹر عبدالحکیم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی
موت کا دن معین کیا۔ اور بتایا کہ آپ 4 اگست 1908ء کو وفات پائیں گے۔
اس پیشگوئی میں عبدالحکیم کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اب اللہ تعالیٰ کو حضورؐ کی عمر
بڑھانے کی ضرورت نہ رہی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے 26 مئی 1908ء کو وفات
دے کر عبدالحکیم کو اس پیشگوئی میں جھوٹا ثابت کر کے آپ کو اسکے شر سے محفوظ کر دیا۔
جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو مولوی ثناء اللہ صاحب
امر تسری نے لکھا:۔

”ہم خدا لگتی کہنے سے رُک نہیں سکتے کہ ڈاکٹر صاحب اگر اسی پر بس کرتے
یعنی چودہ ماہہ پیشگوئی کر کے مرزا کی موت کی تاریخ مقرر نہ کر دیتے جیسا کہ انہوں نے
کیا۔ چنانچہ 15 مئی 1908ء کے الہمدیٹ میں اُن کے الہامات درج ہیں۔ کہ
21 سادون یعنی 4 اگست کو مرزا مرے گا۔ تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا۔ جو معزز ایڈیٹر
پیسہ اخبار نے 27 کے روزانہ پیسہ اخبار میں ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر چبھتا ہوا
کیا ہے کہ 21 سادون ”کو“ کی بجائے 21 سادون ”تک ہوتا تو خوب ہوتا۔“

(الہمدیٹ 12 جون 1908ء صفحہ 7 کالم نمبر 1)

تبصرہ میں حضورؐ کا یہ تحریر فرمانا کہ میرا دشمن میرے سامنے اصحابِ فیل کی

طرح نیست و نابود ہو جائے گا۔ حضرت اقدس کا ایک اجتہاد تھا جو آپ نے اپنے
 الہام الہم تَرَکِیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِأَصْحَابِ الْفِیْلِ سے کیا حالانکہ جس طرح
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب فیل کا واقعہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا
 تھا۔ اسی طرح یہ منشاء نہ تھا کہ وہ آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جائے گا۔
 شرح نبراس صفحہ 392 میں لکھا ہے:-

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ يَجْتَهِدُ فَيَكُونُ خَطَا كَمَا ذَكَرَهُ
 الْأَصُولِيُّونَ. (انہر اس شائع کردہ شاہ عبدالحق اکیڈمی دارالعلوم مظہریہ امدادیہ ہندیاں سرگودھا)
 یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اجتہاد فرماتے لیکن وہ واقعہ کے
 خلاف ہوتا۔ جیسا کہ اصولیوں نے ذکر کیا ہے۔

اس اصول کے ثبوت میں آگے یہ حدیث نبوی بھی درج ہے:-

مَا حَدَّثَكُمْ عَنْ اللَّهِ سُبْحَانَهُ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتَ فِيهِ مِنْ قَبْلِ
 نَفْسِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَخْطَى وَأَصِيبُ -

کہ جو بات میں نے تمہیں خدا کی طرف سے سُنائی ہو وہ تو درست اور حق
 ہوگی۔ مگر جو بات اس کی تشریح میں اپنی طرف سے کہی ہو تو میں بھی تمہاری
 طرح انسان ہوں۔ میں خطا بھی کر جاتا ہوں اور دُرست بھی کہتا ہوں۔
 پیشگوئی کی الہامی غرض یہ تھی کہ آپ عبدالحکیم کے شر سے محفوظ رہیں
 گے۔ اور خدا سچے اور جھوٹے میں فرق دکھلائے گا۔

سو خدا نے آپ کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ اور اس کی پیشگوئی کو جھوٹا
 ثابت کر دیا۔ اور حضور کو خدا نے اپنے الہامات کے مطابق وفات دی۔

اپنی عمر کے متعلق پیشگوئی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

ثَمَانِينَ حَوْلًا أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ

کہ تیری عمر اسی برس یا اس کے قریب ہوگی

اس کے بارے میں حضورؑ نے فرمایا:-

”جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو چوتراور چھیا سی

سال کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں۔“

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 259)

چنانچہ خود حضور کو ان الفاظ میں بھی الہام ہوا:-

”اُتِیَ یَا اِسِّیَ پَر پَانچ چار زیادہ یا پَانچ چار کم“

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 100)

چنانچہ اس کے مطابق حضورؑ کی عمر 75 سال 6 ماہ دس دن ہوئی

(پیدائش 1250 ہجری۔ وفات 1326 ہجری)

حضورؑ کی تاریخ پیدائش کسی کتاب میں درج نہیں۔ کیونکہ حضورؑ کی پیدائش جس

زمانہ میں ہوئی اسکی یادداشت نہیں رکھی گئی۔ سرکاری رجسٹروں کا بھی رواج نہ تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن

جلد 21 صفحہ 365 پر لکھا ہے:-

”عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالیٰ کو معلوم ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے اب

اس وقت تک جو سن ہجری 1323 ہے میری عمر 70 برس کے قریب ہے۔ واللہ اعلم“

تحقیقات کرنے کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ

قرآن سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضورؐ کی تاریخ پیدائش 13 فروری 1835ء مطابق 14 رثوال 1250 ہجری بروز جمعہ ثابت ہوئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب میں اپنی عمر اندازاً لکھتے رہے ہیں۔ کتاب البریہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

”میری پیدائش 1839ء یا 1840ء میں سکھوں کے آخری وقت

میں ہوئی ہے اور میں 1857ء میں 16 برس کا یا سترھویں برس میں تھا۔“

(کتاب البریہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 177 حاشیہ صفحہ 34)

حضورؐ کی وفات اپنے الہامات مندرجہ الوصیت و کشف مندرجہ ریویو دسمبر 1905ء کے مطابق مئی 1908ء میں ہوئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

”یہ عجیب امر ہے اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں

کہ ٹھیک 1290 ہجری میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ و مخاطبہ

پاچکا تھا۔“ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 208)

پھر فرماتے ہیں:-

”جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور

کلام سے مجھے مشرف کیا۔“ (تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 283)

براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 135 میں فرماتے ہیں:-

۔ تھا برس چالیس کا میں اس مسافر خانہ میں

جبکہ میں نے وحی ربانی سے پایا افتخار

ان ہر دو بیانات سے ظاہر ہے کہ 1290ھ میں حضورؐ کی عمر چالیس سال کی

تھی۔ گویا سن پیدائش 1250ھ بنا۔

24 ربیع الثانی 1326 ہجری مطابق 1908ء میں آپ کا وصال ہوا۔ گویا آپ کی عمر ساڑھے پچھتر سال ہوئی۔
حضورؐ نے فرمایا تھا:-

”یہ عاجز بروز جمعہ چاند کی چودھویں تاریخ میں پیدا ہوا ہے۔“
(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 281 حاشیہ)
حضورؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:-

”میری پیدائش کا مہینہ پھاگن تھا۔ چاند کی چودھویں تاریخ تھی جمعہ
کا دن تھا۔“ (ذکر حبیب صفحہ 238، 239)

ماہ پھاگن میں جمعہ کو چاند کی چودھویں تاریخ صرف دو (2) سالوں میں آئی
ہے۔ 17 فروری 1832ء و 13 فروری 1835ء مطابق 14 شوال 1250
ہجری۔

اس لحاظ سے 13 فروری 1835ء مطابق 14 شوال 1250 ہز یادہ صحیح
تاریخ پیدائش ہے۔ جو حقیقۃ الوحی اور تریاق القلوب کی مندرجہ بالا تحریروں کے عین
مطابق ہے۔ لہذا آپ کی عمر 75 سال 6 ماہ دس دن قرار پاتی ہے۔ اور الہامی وعدہ
کے مطابق پوری ہو گئی۔

مخالفین کا اعتراض

حضرت اقدسؑ کے اندازاً اپنا سن پیدائش بعض جگہ 1839ء یا 1840ء
لکھنے سے بعض لوگوں نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ آپ کی عمر 68 یا 69 سال
ہوئی ہے۔ جو اسی سے 11-12 سال کم ہے۔ یعنی عمر کے متعلق آپ کی پیشگوئی
جھوٹی نکلی۔

الجواب:- ہم ثابت کر آئے ہیں کہ حضرت اقدسؑ نے 39-40 سن پیدائش

محض اندازے سے لکھا ہے ورنہ آپ کی ہی بیان کردہ دوسری علامات کو مد نظر رکھ کر 13 فروری 1835ء مطابق 14 شوال 1250ھ تاریخ پیدائش قرار پاتی ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ آپ کی وفات آپ کی پیشگوئی کے مطابق ہوئی۔

دیگر اندازے

حضورؐ تحریر فرماتے ہیں:-

(1) ”میری طرف سے 23 اگست 1903ء کو ڈوئی کے مقابل پر انگریزی میں یہ اشتہار شائع ہوا تھا جس میں یہ فقرہ ہے کہ میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں۔ اور ڈوئی جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے۔“

(تمتہ ہیئۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 506 حاشیہ)

جب 23 اگست 1903ء کو حضورؐ کی عمر ستر برس کے قریب تھی تو اس کے پانچ سال بعد 1908ء میں جب حضورؐ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر پچتر سال کی ثابت ہوتی ہے۔

(2) حضرت مسیح موعود علیہ السلام عبد اللہ آتھم کی زندگی میں اُسے مخاطب کر کے فرماتے ہیں:-

”اگر آپ چونسٹھ برس کے ہیں تو میری عمر بھی قریباً ساٹھ کے ہو چکی۔“

(اشتہار 15 اکتوبر 1894ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد 3 صفحہ 160)

اس اشتہار کے چودہ سال بعد حضورؐ کی وفات ہوئی۔ گویا $74 = 14 + 60$ سال شمسی اور 76 سال قمری آپ کی عمر ہوئی جو پیشگوئی کے مطابق ہے۔

مخالفین کی شہادت

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں:-

”مرزا صاحب..... کہہ چکے ہیں کہ میری موت عنقریب اسی سال

سے کچھ نیچے اوپر ہے۔ جس کے سب زینے غالباً آپ طے کر چکے ہیں۔
(المحمدیٹ 3 مئی 1907ء صفحہ 6 کالم نمبر 2)
اس کے ایک سال بعد حضورؐ کی وفات ہوئی۔

الہامات مسیح موعود علیہ السلام کی تشریح

(1) اَنْتَ مِیْنِیْ وَاَنَا مِنْکَ -

(ہدیۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 47)

اس الہام کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ”تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔“
معترضین کی طرف سے اس الہام کا یہ ترجمہ کہ ”تُو میرا بیٹا ہے اور میں تیرا بیٹا ہوں۔“ خود ملہم کے منشاء اور محاورات زبان عربی کے خلاف ہے۔
ملہم نے اس کی تشریح میں لکھا ہے:-

”اس (الہام) کا پہلا حصہ تو بالکل صاف ہے کہ تو جو ظاہر ہوا یہ میرے فضل اور کرم کا نتیجہ ہے۔ اور جس انسان کو خدا تعالیٰ مامور کر کے دنیا میں بھیجتا ہے۔ اُس کو اپنی مرضی اور حکم سے مامور کر کے بھیجتا ہے۔ جیسے حکام کا بھی یہ دستور اور قاعدہ ہے۔ اب اس الہام میں جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے انا منک اس کا یہ مطلب اور منشاء ہے کہ میری توحید، میرا جلال اور میری عزت کا ظہور تیرے ذریعہ سے ہوگا۔“

(اخبار الحکم جلد 6 نمبر 40 صفحہ 15 کالم نمبر 1، 2)

ملہم کی اس تشریح سے ظاہر ہے کہ اس الہام میں مقام مظہریت بیان ہوا ہے جو اتحاد فی المقاصد پر دلالت کرتا ہے عربی محاورہ کے لحاظ سے یہاں ”من“ اتصالیہ ہے۔ احادیث نبویہ میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کی شان

میں فرمایا:-

”إِنِّ عَلِيًّا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ“.

(مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالبؑ)

کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں اُس سے۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ علیؑ میرا بیٹا ہے اور میں اُس کا بیٹا۔

اسی طرح حضرت حسینؑ کے متعلق فرماتے ہیں:-

”حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ“

(مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب اہل بیت النبیؐ)

کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسین سے۔

اور قبیلہ اشعر یہ کے متعلق فرماتے ہیں:-

”هُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ“

(بخاری کتاب المغازی باب قدوم الاشعریین و اهل الیمن)

کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں اُن سے ہوں۔

ان تمام حدیثوں سے اتحاد فی المقاصد مراد ہے یعنی علیؑ اور میرا مقصد ایک

ہے۔ اسی طرح حسینؑ اور میرا مقصد ایک ہے۔ اسی طرح میرے اور قبیلہ اشعر یہ

کے مقصد میں اتحاد ہے۔ آخری حدیث کی تشریح میں صحیح بخاری کے حاشیہ میں درج

ہے:-

كَلِمَةُ ”مِنْ“ هِيَ إِلَّا تَصَالِيَةٌ. أَيْ هُمْ مُتَّصِلُونَ بِي

(حاشیہ صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 629 مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ)

اس جگہ ”مِنْ“ اتصالیہ ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ مجھ سے اتصال رکھتے ہیں۔

مجھ سے کنارہ کش نہیں۔

عربی زبان کا ایک شاعر عمر بن شاس اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:-

إِنْ كُنْتُ مِنْى أَوْ تُرِيدِينَ صُحْبَتِي
فَكُونِي لَهُ كَالسَّمَنِ رُبْتُ لَهُ الْأَدَمَ

(حماسہ مجتہانی صفحہ 77)

اس جگہ إِنْ كُنْتُ مِنْى کے یہ معنی ہیں۔ اگر تو مجھ سے موافقت رکھتی ہے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ اگر تو مجھ سے موافقت رکھتی ہے اور میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو میرے پہلے بیٹے کے ساتھ اچھی طرح مل جل کر رہ۔

قرآن مجید میں ہے کہ طالوت نے اپنے لشکروں سے کہا کہ:-
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّيْ
(البقرة: 250)

ترجمہ:- جو شخص اس نہر سے پئے گا۔ وہ مجھ سے نہیں یعنی میرے مقاصد سے اتحاد نہیں رکھتا۔ اور جس نے اس سے نہ پیا تو بے شک وہ مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ متحد ہے۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:-
فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَإِنَّهُ مِنِّيْ - (ابراہیم: 37)

یعنی جو شخص میری اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ مقاصد میں اتحاد رکھتا ہے۔ پس ”مِنْ“ اتصالیہ اتحاد کا مفہوم رکھتا ہے اور یہی مفہوم زیر بحث الہام میں مراد ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کو تلقین فرماتے ہیں:-
”وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اس کا بیٹا“۔
(کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 10)

الہام نمبر 2:- اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ۔

(ہقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 89)

کہ تُو مجھ سے میرے بیٹے کے بجا ہے۔

معرض کہتا ہے کہ اس الہام میں بانی سلسلہ احمدیہ خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔

الجواب:- واضح ہو کہ اس الہام کا ترجمہ یہ ہے کہ تو میری طرف سے میرے بیٹے کے مرتبہ پر ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرتبہ پر ہے اور ان کا مثیل ہے جنہیں عیسائی میرا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اس الہام میں ولد کی اضافت یائے متکلم کی طرف اضافت بادیٰ ملا بست عیسائیوں کے زعم کے لحاظ سے ہے۔

قرآن مجید میں اس کی مثال ”اَیْنَ شُرَکَآءِیْ“ (النحل: 28) آیت میں پائی جاتی ہے۔ دیکھئے خدا کا درحقیقت کوئی شریک نہیں۔ لیکن خدا مشرکوں سے قیامت کے دن کہے گا۔ کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ مراد یہ ہے کہ جن کو تم میرا شریک بناتے ہو وہ کہاں ہیں؟ اس جگہ بھی اضافت شرکاء کی یاء متکلم کی طرف ادنیٰ ملا بست کی وجہ سے ہے جو مشرکین کے زعم باطل کے لحاظ سے ہے۔ اسی طرح ”وَلَدِیْ“ کی اضافت کا حال ہے۔ خدا کی کوئی اولاد نہیں۔ لیکن عیسائی انہیں خدا کا بیٹا ٹھہراتے ہیں۔

وُلْد کا لفظ اس الہام میں بطور مجاز اور استعارہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں یہ اضافت ولد مجاز کی یائے متکلم کی طرف ہوگی۔ صوفیوں نے اولیاء اللہ کو مجازی طور پر ہی خدا کے بیٹے قرار دیا ہے نہ حقیقی طور پر۔ چنانچہ مثنوی مولانا روم میں ہے:-

”اولیاء اطفال حق اند اے پسر“

(مثنوی مولانا روم دفتر سوم قصہ خورندگان صفحہ 386 ناشر انتشارات طلوع)

یعنی اے بیٹے اولیاء خدا کے اطفال ہیں۔

صوفیاء کا یہ اولیاء اللہ کو مجازاً خدا کے بیٹے قرار دینا حدیث نبوی ”اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ“ (مشکوٰۃ باب الشفقت) کے عین مطابق ہے۔ اس حدیث میں مجازاً مخلوق کو خدا کا کنبہ قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ خدا بیوی بچوں سے پاک ہے۔ پس مخلوق کو عیال اللہ قرار دینا بطور مجاز اور استعارہ کے ہے نہ بطور حقیقت کے۔

خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں:-
(الف) ”خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے اور یہ کلمہ بطور استعارہ کے ہے چونکہ اس زمانہ میں ایسے ایسے الفاظ سے نادان عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا ٹھہرا رکھا ہے اسلئے مصلحت الہی نے یہ چاہا کہ اس سے بڑھ کر الفاظ اس عاجز کے لئے استعمال کرے تا عیسائیوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ سمجھیں کہ وہ الفاظ جن سے مسیح کو خدا بناتے ہیں اس اُمت میں بھی ایک ہے جس کی نسبت اس سے بڑھ کر ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔“

(ہقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 89 حاشیہ)

(ب) ”یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔ لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے اور فرمایا:-

”يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ“ ایسا ہی بجائے قُلْ يٰ اَعْبَادَ اللّٰهِ کے

قُلْ لِّعِبَادِيَ پس اس خدا کے کلام کو ہوشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ۔ اور اس کی کیفیت میں دخل نہ دو۔ اور

حقیقت حوالہ بخدا کرو اور یقین رکھو کہ خدا اتنا ذولد سے پاک ہے تاہم
متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ پس اس سے
بچو کہ متشابہات کی پیروی کرو اور ہلاک ہو جاؤ۔ اور میری نسبت بیّنات میں
سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
يُوحِي إِلَيَّ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي الْقُرْآنِ۔“

(کہہ دو کہ میں تو صرف تمہاری طرف ایک بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی
جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے اور ہر ایک بھلائی قرآن میں موجود
ہے۔ ناقل) (دافع البلاء روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 287 حاشیہ)

الہام نمبر 3:- ”أَنْتَ مِنْ مَّاءٍ نَا وَهُمْ مِنْ فَشَلٍ“
(اربعین نمبر 2 روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 385)

تو ہمارے پانی سے ہے اور دوسرے لوگ فشل سے۔
مخالف اس کا یہ ترجمہ کرتا ہے کہ تو ہمارے نطفہ سے ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود
علیہ السلام جنہیں یہ الہام ہوا اسکی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:-

”یہ جو فرمایا کہ تو ہمارے پانی میں سے ہے اور وہ لوگ فشل
سے۔ اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی، استقامت کا پانی، تقویٰ کا پانی، وفا
کا پانی، صدق کا پانی، حُب اللہ کا پانی ہے جو خدا سے ملتا ہے۔ اور فشل بُزدلی کو
کہتے ہیں جو شیطان سے آتی ہے اور ہر ایک بے ایمانی اور بدکاری کی جڑ بُزدلی
اور نامرادی ہے۔“ (انجام آہتم روحانی خزائن جلد 11 حاشیہ صفحہ 56)

ماء اللہ کے اسی مفہوم میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں:-

فَإِنْ شِئْتَ مَاءَ اللَّهِ فَاقْصِدْ مَنَاهِلِي

فَيُعْطِيكَ مِنْ عَيْنٍ وَ عَيْنٍ تَنْوَرُ

(کرامات الصادقین روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 81)

کہ اگر تو خدا کا پانی چاہتا ہے تو میرے گھاٹوں کا قصد کر۔ پس وہ خدا تمہیں ایک چشمہ سے دیے گا۔ اور آنکھ روشن ہو جائے گی۔

پس ماء اللہ سے مراد الہام میں مجازی طور پر ایمان و استقامت اور تقویٰ وغیرہ روحانی برکات ہیں۔ جو خدا سے ملتی ہیں۔
الہام نمبر 4:- ”أَسْمَعُ وَأَرَى“

اس الہام کا ترجمہ یہ ہے کہ میں خدا سنتا اور دیکھتا ہوں۔ اس الہام کو غلطی سے کتاب ”البشری“ جلد اول صفحہ 59 پر مرتب کتاب بابو منظور الہی صاحب نے اسمع ولدی کے الفاظ میں بدل کر لکھ دیا تھا اور اس کا ترجمہ لکھ دیا تھا:-
”اے میرے بیٹے سن“۔ اس کے لئے حوالہ مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ 23 کا دیا تھا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ 23 پر اسمع ولدی کی بجائے أَسْمَعُ وَأَرَى کے الفاظ درج ہیں کہ میں جو خدا ہوں سنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں۔ بابو منظور الہی صاحب کو جب اس غلط اندراج کی طرف توجہ دلائی گئی۔ تو انہوں نے معذرت کے ساتھ اس کی تصحیح الفضل میں کرادی اور لکھا:-

”الْبُشْرَى جلد اول صفحہ 49 سطر 10 میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک

الہام غلطی سے اسمع واری کی بجائے اسمع ولدی چھپا ہے اور ترجمہ بھی اے میرے بیٹے سن غلط کیا گیا ہے۔ افسوس کہ آج تک کسی دوست نے اس کی طرف توجہ نہ دلائی۔ میں اپنے ایک مہربان برادر کا بہت مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کی طرف مجھے توجہ دلائی۔ حوالہ مندرجہ البشری اصل کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ اصل الہام اسمع واری ہے جن احباب کے پاس البشری ہو۔ وہ اس غلطی کی اصلاح کر لیں۔“

(الفضل جلد 9 نمبر 96 مورخہ 8 جون 1922ء صفحہ 2 کالم نمبر 3)

الہام نمبر 5:- ”رَبُّنَا عَاجٌ“

تشریح:- اس الہام میں لفظ عَاج نہیں جس کے معنی ہاتھی دانت کے ہوتے ہیں۔ بلکہ عَاج ہے۔ ج کی تشدید سے ہے۔ اور عَاج کے معنی پکارنے والا یا آواز دینے والا۔ مراد یہ ہے کہ ہمارا خدا دنیا کو اپنی طرف با آواز بلند دعوت دینے والا ہے۔ عَاج کے معنی دودھ کے ذریعہ غذا دینے والے کے بھی ہیں۔ اس صورت میں مراد یہ ہے کہ اللہ مخلوق کو ان کی نیکی کی حالت میں روحانی دودھ یا غذا پہنچانے والا ہے۔ یہ دونوں معنی بلحاظ لغت درست ہیں۔ اگر یہ لفظ عَج۔ عَجَا وَ عَجِجَا سے مشتق سمجھا جائے تو اس کے معنی بلند آواز سے پکارنے والا ہونگے۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ الفضل الحج العج کہ حج میں افضل ترین آواز تلبیہ اور لبیک کہنا ہے۔ اگر عَاج ناقص واوی عَجَا یَعْجُوا سے اسم فاعل سمجھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے دودھ پلانے والا۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

عَجِبَ الْأُمُّ الْوَلَدَ۔ اَى سَقَنَهُ اللَّبَنُ یعنی ماں نے بچہ کو دودھ پلایا۔ اَلْعَجْوَةُ کے معنی قاموس میں لکھے ہیں۔ لَبَنٌ یُعَالِجُ بِهِ الصَّبِيُّ الْیَتِیمُ اَى یُعْذِی یعنی وہ دودھ مراد ہے جس سے یتیم بچہ کی پرورش کی جاتی ہے۔ یعنی وہ اسے بطور غذا دیا جاتا ہے۔

الہام نمبر 6:- اُفْطِرُ وَ اَصُومُ۔ یعنی خدا کہتا ہے کہ میں روزہ کھول بھی دیتا ہوں اور رکھ بھی لیتا ہوں۔

تشریح:- حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں:-
”ظاہر ہے کہ خدا روزہ رکھنے اور افطار کرنے سے پاک ہے۔ اور یہ الفاظ اپنے اصلی معنوں کی رو سے اس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔ پس یہ صرف ایک استعارہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی میں اپنا قہر نازل کروں

گا، اور کبھی کچھ مہلت دُونگا۔ اس شخص کی مانند جو کبھی کھاتا ہے اور کبھی روزہ رکھ لیتا ہے اور اپنے تئیں کھانے سے روکتا ہے اور اس قسم کے استعارات خدا کی کتابوں میں بہت ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں لکھا ہے کہ قیامت کو خدا کہے گا۔ میں بیمار تھا۔ میں بھوکا تھا، میں ننگا تھا۔“

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 107)

رسالہ دافع البلاء میں اس کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:-

”میں اپنے وقتوں کو تقسیم کر دوں گا کہ کچھ حصہ برس کا تو میں افطار کروں گا۔ یعنی طاعون سے لوگوں کو ہلاک کروں گا اور کچھ حصہ برس کا میں روزہ رکھوں گا یعنی امن رہے گا اور طاعون کم ہو جائے گی یا بالکل نہیں رہے گی۔“
(دافع البلاء روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 227-228)

حقیقۃ الوحی کی عبارت میں جس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے صحیح مسلم میں ان الفاظ میں مندرج ہے:-

”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ
تَعُدْنِي..... يَا ابْنَ آدَمَ..... اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَطْعَمَنِي..... يَا ابْنَ آدَمَ
اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَسْقِيَنِي۔“

(مسلم کتاب البر والصلة باب فضل عيادة المريض)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو کہے گا۔ اے ابن آدم میں بیمار تھا تو نے میری تیمارداری نہ کی۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے نہ پلایا۔

اس حدیث میں مریض کی عیادت نہ کرنے اور سائل کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے سے رُکنے کو استعارہ کے طور پر یوں بیان کیا گیا ہے کہ گویا انسان کی بجائے خدا کی تیمارداری نہیں کی گئی اور اسے کھانا نہیں کھلایا گیا اور اُسے پانی نہیں پلایا گیا۔
الہام نمبر 7:- اَسْهَرُ وَاَنَا

”میں بیدار ہوتا ہوں اور سو بھی جاتا ہوں“۔

تشریح:- یہ الہام بھی بطور مجاز اور استعارہ کے ہے۔

خدا تعالیٰ درحقیقت سونے سے پاک ہے۔ اس جگہ سونے سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ بعض گنہگاروں سے چشم پوشی کرتا ہے۔ اور مراد جاگنے سے یہ ہے کہ بعض اوقات سزا بھی دیتا ہے۔

الہام نمبر 8:- اُخْطِیْ وَأُصِيبُ

تشریح:- خدا تعالیٰ خطا کرنے سے پاک ہے۔ اس جگہ اُخْطِیْ کا لفظ مجازی استعمال ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

”اپنے ارادہ کو کبھی چھوڑ بھی دوں گا۔ اور کبھی ارادہ پورا کروں

گا..... جیسا کہ احادیث میں لکھا ہے کہ میں مومن کے قبض رُوح کے وقت

تردد میں پڑتا ہوں۔ حالانکہ خدا تردد سے پاک ہے۔..... اسکے یہ معنی ہیں

کہ کبھی میں اپنی تقدیر اور ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں۔ اور کبھی وہ ارادہ جیسا

کہ چاہا ہوتا ہے“۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 106 و حاشیہ صفحہ 106)

اوپر کے اقتباس میں جس حدیث کی طرف اشارہ ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-

”وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدَّدِي عَنْ نَفْسٍ

الْمُؤْمِنِ“۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے کسی شے متعلق کبھی اتنا تردد نہیں کیا جتنا ایک مومن کی رُوح قبض کرنے کے وقت مجھے تردد ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا تردد سے پاک ہے اور مراد اس جگہ تردد سے ملتی جلتی حالت ہچکچاہٹ ہے نہ کہ درحقیقت شک و شبہ۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے اپنی طرف نسیان کو بھی منسوب کیا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

فَالْيَوْمَ نَنْسِيهِمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا۔ (الاعراف: 52)

”کہ آج ہم انہیں بھلا دیں گے جیسا کہ انہوں نے آج کے دن کی

ملاقات کو بھلا دیا۔“

اللہ تعالیٰ خطاء اور نسیان سے پاک ہے۔ اس جگہ مجازاً نسیان سے ملتی جلتی حالت مراد ہے۔ یعنی بھولنے کا نتیجہ چھوڑ دینا مراد ہے۔ یعنی بے تعلقی اور اپنے قرب سے محروم رکھنا۔ پس جو الہامات از قسم تشابہات ہوں ان کا مفہوم محکمات کے مطابق لینا چاہیے اور مجاز کو حقیقت پر محمول کرنا بدذوقی کی علامت ہوگی۔

الہام نمبر 9:- يَحْمَدُكَ اللَّهُ مِنْ عَرُشِهِ

تشریح:- معترض کہتا ہے کہ حمد کا لفظ خدا کے سوا کسی پر نہیں بولا جاتا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ مرزا صاحب کی حمد کرتا ہے۔

الجواب:- یہ معترض کی ناواقفی ہے کہ حمد کا لفظ خدا کے سوا کسی کے لئے استعمال نہیں ہوتا ”حمد“ سچی تعریف کو کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد ہے۔ صفاتی لحاظ سے اس کے معنی ہیں بہت حمد کیا گیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مقام کے بارہ میں فرمایا ہے:-

عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَ رَبُّكَ مَقَامًا مِّمَّ مُحَمَّدًا۔ (بنی اسرائیل: 80)

یعنی قریب ہے کہ تیرا رب تجھے ایک قابلِ حمد مقام پر کھڑا کرے۔

لغت کی کتاب مجمع البحار میں لکھا ہے:-

”تَحْمِيدُ الرَّجُلِ عَلَى صِفَاتِهِ الذَّاتِيَّةِ وَعَلَى عَطَائِهِ“

(مجمع البحار جلد 1 صفحہ 300 مطبوعہ مطبع نول کشور)

کہ ہر شخص کی صفات ذاتیہ پر اور بخشش پر لفظ حمد کا استعمال کر سکتے ہیں۔

امام بیضاوی زیر آیت الْحَمْدُ لِلّٰہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

”حَمْدٌ زَيْدٌ عَلَى كَرَمِهِ وَعِلْمِهِ“

یعنی میں نے زید کی حمد کی اُسکے علم اور کرم پر۔

بخاری جلد 1 صفحہ 169 مصری میں ہے:-

”كَأَنَّهُ حَمْدُهُ“ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سائل کی حمد کی۔

بالآخر یہ واضح رہے کہ حمد کا اصل مستحق تو خدا ہی ہے لہذا دوسرے لوگوں کی جو

حمد ہو اس کا مرجع بھی دراصل خدا تعالیٰ ہی ہوتا ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ”اعجاز المسح“ میں فرمایا ہے:-

”وَلَهُ الْحَمْدُ فِي هَذِهِ الدَّارِ وَتِلْكَ الدَّارِ وَإِلَيْهِ يَرْجِعُ كُلُّ

حَمْدٍ يُنْسَبُ إِلَى الْآخِيَارِ“

ترجمہ: اس دنیا اور آخرت میں حقیقی حمد خدا تعالیٰ کی ہی ہے اور ہر حمد

جو غیروں کی ہوتی ہے وہ بھی دراصل خدا کی طرف راجع ہے۔

پس کسی بندے یا مقام کی حمد کا مرجع بھی درحقیقت خدا تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔

الہام نمبر 10:- اربعین نمبر 4 روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 452 حاشیہ پر ایک

الہام درج ہے:-

”يُسْرِدُونَ أَنْ يَرَوْا طَمَشَكَ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُرِيكَ أَنْعَامَهُ.

الْأَنْعَامَاتُ الْمُتَوَاتِرَةُ“

ترجمہ:- وہ تیرا حیض دیکھنا چاہتے ہیں اور اللہ چاہتا ہے کہ تجھے اپنا انعام دکھائے متواتر انعامات۔

اس الہام کی بناء پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کو حیض آتا تھا۔ پس وہ عورت ہوئے نہ مرد؟

الجواب:- اس جگہ طَمَتْ کا لفظ مجاز آنا پاکی یا پلیدی کیلئے استعمال ہوا ہے جب مرد کے لئے حیض کا لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد ناپاکی اور پلیدی ہوتا ہے اس لحاظ سے اس الہام کے یہ معنی ہیں کہ مخالف آپ میں کسی ناپاکی اور پلیدی پر اطلاع پانا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تجھے اپنا انعام دکھائے گا اور انعامات پے در پے ہوں گے۔ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:-

”كَمَا أَنَّ لِلنِّسَاءِ مَحِيضًا فِي الظَّاهِرِ وَهُوَ مُوجِبُ نَقْصَانِ إِيْمَانِهِنَّ لِمَنْعِهِنَّ عَنِ الصَّلَاةِ وَالصُّومِ فَكَذَلِكَ لِلرِّجَالِ مَحِيضٌ فِي الْبَاطِنِ وَهُوَ مُوجِبُ نَقْصَانِ إِيْمَانِهِمْ لِمَنْعِهِمْ عَنْ حَقِيقَةِ الصَّلَاةِ“۔
(روح البیان جلد 1 صفحہ 236)

ترجمہ:- جس طرح عورتوں کو ظاہر میں حیض آتا ہے جو ان کے ایمان میں نقصان کا موجب ہوتا ہے۔ انہیں نماز اور روزہ سے روکنے کی وجہ سے۔ اسی طرح مردوں کو بھی باطن میں حیض آتا ہے۔ وہ ان کے ایمان میں ان کو نماز کی حقیقت سے ناواقف کرنے کے سبب ان کے ایمان میں نقص پیدا کرتا ہے۔

دلیلی میں ایک حدیث ہے:-

”الْكَذِبُ حَيْضُ الرَّجُلِ وَالْإِسْتِغْفَارُ طَهَارَتُهُ“۔

کہ جھوٹ بولنا مرد کا حیض ہے اور استغفار کرنا اس کی پاکیزگی ہے۔

اس لحاظ سے الہام کا مطلب یہ ہے کہ دشمن تجھ کو جھوٹ یا کسی بدی میں مبتلا دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے تجھ میں کوئی بدی نہیں۔ خدا تو تجھ پر انعام پر انعام کرنا چاہتا ہے۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اربعین میں الہام درج کرتے ہوئے ترجمہ میں لکھا ہے:-

”یہ لوگ خونِ حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں یعنی ناپاکی، پلیدی اور خباثت کی تلاش میں ہیں۔“

پس یہ الہام آپ کے وجود میں حیض یعنی ناپاکی کی نفی کرتا ہے نہ کہ اثبات۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ابن مریم بننے کی حقیقت کو کشتی نوح میں یوں بیان کیا ہے:-

”جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے۔ دو برس تک صفتِ مریمیت میں میں نے پرورش پائی اور پردے میں نشوونما پاتا رہا۔ اور پھر جب اس پر دو برس گزر گئے تو جیسا کہ براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ 496 میں درج ہے مریم کی طرح عیسیٰ کی رُوح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخری کئی مہینہ کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ 556 میں درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔“

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 50)

اس عبارت پر یعنی مخالفین ہنسی اڑاتے ہیں کہ مرزا صاحب عورت بن گئے اور پھر حاملہ ہوئے۔ حالانکہ کشتی نوح کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مریم بننا ایک استعارہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ شروع میں آپ مریمی صفات کے حامل تھے۔ اور پھر نفخِ رُوح سے استعارۃً آپ کو حاملہ ٹھہرایا گیا اور اس

طرح دس ماہ کے بعد صفات مریخی سے صفات عیسوی کی طرف انتقال ہوا۔ حضور نے کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 کے صفحہ 48 پر لکھا ہے:-

”خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں بشارت دی کہ اس اُمت کے بعض افراد انبیائے گزشتہ کی نعمت بھی پائیں گے نہ یہ کہ نرے یہودی بنیں یا عیسائی بنیں اور ان قوموں کی بدی تو لے لیں مگر نیکی نہ لے سکیں۔ اسی کی طرف سورۃ تحریم میں بھی اشارہ کیا ہے کہ بعض افراد اُمت کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ مریم صدیقہ سے مشابہت رکھیں گے۔ جس نے پارسائی اختیار کی تب اس کے رحم میں عیسیٰ کی رُوح پھونکی گئی اور عیسیٰ اس سے پیدا ہوا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس اُمت میں ایک شخص ہوگا کہ پہلے مریم کا مرتبہ اُس کو ملے گا۔ پھر اُس میں عیسیٰ کی رُوح پھونکی جاوے گی۔ تب مریم میں سے عیسیٰ نکل آئے گا۔ یعنی وہ مریخی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ گویا مریم ہونے کی صفت نے عیسیٰ ہونے کا بچہ دیا اور اس طرح پر وہ ابن مریم کہلائے گا۔“

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اس جگہ کوئی جسمانی حمل مراد نہیں بلکہ ایک رُوحانی کیفیت کو حمل قرار دیا گیا ہے اور اس ولادت سے جسمانی ولادت مراد نہیں بلکہ ولادت معنویہ مراد ہے۔ ولادت معنوی کا محاورہ علماء اور صوفیاء میں استعمال ہوتا ہے۔ امام الطائفہ شیخ سہروردی فرماتے ہیں:-

”يَصِيرُ الْمُرِيدُ جُزْءَ الشَّيْخِ كَمَا أَنَّ الْوَلَدَ جُزْءَ الْوَالِدِ فِي الْوِلَادَةِ الطَّبْعِيَّةِ وَتَصِيرُ هَذِهِ الْوِلَادَةُ انْفِصَالًا لَدَّةٍ مَعْنَوِيَّةٍ.“

ترجمہ:- مرید شیخ کا حصہ بن جاتا ہے جیسا کہ بیٹا ولادت طبعیہ میں

باپ کا جزء ہوتا ہے۔ یہ ولادت کبھی معنوی بھی ہوتا ہے۔

حضرت مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں:-

ہچو مریم جاں ز آسیب حبیب

حاملہ شد از مسیح دلفریب

”کہ مریم کی طرح جان حبیب کے سائے سے حاملہ ہوئی اور اُس

نے دلفریب مسیح کو حمل میں لیا۔“

اس جگہ بھی جان کے مریم بننے اور پھر ترقی کر کے مسیح کے مقام تک پہنچنے کو

روحانی حمل کے ذریعہ مریمی مقام سے عیسوی مقام کی طرف انتقال قرار دیا

ہے۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:-

جان ہا در اصل خود عیسیٰ دم اند

یک زماں زخم اند دیگر مرہم اند

گر حجاب از جان ہا برخواستے

گفت ہر جانے مسیح آسا استے

یعنی جانیں اپنے اصل کے لحاظ سے عیسیٰ دم ہی ہیں کبھی وہ زخم ہوتی

ہیں اور کبھی مرہم۔ اگر جانوں سے حجاب اٹھ جائے تو ہر جان ہی کہنے لگے کہ

میں مثیل مسیح ہوں۔

مقصود یہ ہے کہ تمام انسانوں کی ارواح کا سرچشمہ خدا ہے اور اُن پر کچھ

حجاب ہوتا ہے۔ اگر وہ حجاب اٹھ جائے تو سب یہی کہنے لگیں گے کہ ہم مسیح

ہیں۔ کیونکہ اصل میں ساری جانیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفخ روح کے ذریعہ داخل

ہوتی ہیں۔ اور جسم کی زندگی کا موجب ہوتی ہیں۔ نفخ روح کا معاملہ سب انسانوں

سے متعلق ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو استعارہ کے طور پر حاملہ قرار دیا

گیا اور مسیح کی ولادت کے وقت مریم کو درد زہ بھی ہوا تھا اس لئے الہامی طور پر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ”فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ“ (مریم: 24) کی آیت بھی نازل ہوئی۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ مریم سے مسیح بننے پر آپ کو بہت سی تکالیف سے گزرنا پڑے گا۔ کشتی نوح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں:-

”جب کہ خدا نے مجھے پہلے مریم کا خطاب دیا اور پھر نفعِ روح کا الہام کیا پھر بعد اس کے یہ الہام ہوا تھا۔ فَاَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مَنْسِيًّا۔ یعنی پھر مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے دردِ ذہن تنہ کھجور کی طرف لے آئی یعنی عوام الناس اور جاہلوں اور بے سمجھ علماء سے واسطہ پڑا جن کے پاس ایمان کا پھل نہ تھا جنہوں نے تکفیر و توہین کی اور گالیاں دیں اور ایک طوفان برپا کیا۔ تب مریم نے کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور میرا نام و نشان باقی نہ رہتا۔ یہ اس شور کی طرف اشارہ ہے جو ابتداء میں مولویوں کی طرف سے بہ ہیئتِ مجموعی پڑا اور وہ اس دعویٰ کی برداشت نہ کر سکے اور مجھے ہر ایک حیلہ سے انہوں نے فنا کرنا چاہا۔ تب اس وقت جو کرب اور قلق نا سمجھوں کا شور و غوغا دیکھ کر میرے دل پر گزرا اس کا اس جگہ خدا تعالیٰ نے نقشہ کھینچ دیا ہے۔“

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 51)

صفائی رنگ میں مریم اور ابن مریم بننے کا ذکر ایک حدیث نبویؐ میں بھی آیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

”مَا مِنْ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ إِلَّا وَالشَّيْطَانُ يَمْسُهُ حِينَ يُوَلَّدُ
فَيَسْتَهْلُ صَارِحًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ آيَاهُ الْأَمْرِيْمِ وَابْنَهَا“
(بخاری کتاب التفسیر سورہ آل عمران باب وانی اعیزھا بک.....)

ترجمہ:- ”ہر پیدا ہونے والے بچہ کو بوقت ولادت شیطان مس کرتا ہے۔ پس وہ بچہ مس شیطان سے چیختا چلاتا ہے مگر مریم اور ابن مریم کو مس شیطان نہیں ہوتا۔“

علامہ زنجشیری نے تفسیر کشاف میں لکھا ہے:-

”مَعْنَاهُ اِنَّ كُلَّ مَوْلُوْدٍ يَطْمَعُ الشَّيْطَانُ فِيْ اَغْوَانِهِ اَلَا مَرْيَمَ وَابْنَهَا فَاِنَّهُمَا كَانَا مَعْصُوْمِيْنَ وَكَذٰلِكَ كُلُّ مَنْ كَانَ فِيْ صِفَتِهِمَا۔“ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ:-

”شیطان ہر بچہ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے سوائے مریم اور ابن مریم کے۔ کیونکہ وہ دونوں پاک تھے اسی طرح ہر بچہ مس شیطان سے محفوظ رہتا ہے جو مریم یا ابن مریم کا ہم صفت ہو۔“

ان معنی سے ظاہر ہے کہ علامہ زنجشیری کے نزدیک مریم اور ابن مریم کے الفاظ سے صرف اصلی مریم اور ابن مریم ہی مراد نہیں بلکہ بطور کنایہ ان کے ہم صفات لوگ بھی مراد ہیں جو معنوی طور پر مریم اور ابن مریم ہوتے ہیں۔ اگر اس حدیث کے یہ معنی نہ لئے جائیں تو تمام انبیاء کو مس شیطان سے غیر محفوظ ماننا پڑے گا۔ حالانکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ حدیث میں جس ولادت کا ذکر ہے اس سے مراد ولادت معنوی ہی ہے۔ جب کہ انسان دین کی باتوں کو سمجھنے لگ جائے۔ اسی موقع پر شیطان اس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اور مریم و ابن مریم کی صفات رکھنے والے اولیاء اور انبیاء شیطان کی گمراہی سے محفوظ رہتے ہیں۔ ورنہ جسمانی ولادت کے وقت تو ہر بچہ روتا ہے اور چیختا چلاتا ہے اور یہ چیخنا اور چلانا تو زندگی کی علامت ہوتا ہے اور یہ چیخنا چلانا مس شیطان سے نہیں ہوتا بلکہ ایک طبعی امر ہے۔

مختلف اعتراضات کے جوابات

حضرت موسیٰ کی حیات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب نور الحق میں لکھا ہے:-

”هَذَا هُوَ مُوسَى فَتَى اللَّهِ الَّذِي أَشَارَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ إِلَى حَيَاتِهِ
وَفَرَضَ عَلَيْنَا أَنْ نُؤْمِنَ بِأَنَّهُ حَيٌّ فِي السَّمَاءِ وَلَمْ يَمُتْ وَلَيْسَ مِنَ
الْمَيِّتِينَ“ (نور الحق حصہ اول، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 68-69)
ترجمہ:- ”یہی موسیٰ اللہ کا جوان ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں اس کی زندگی کا
اشارہ کیا ہے اور ہم پر فرض کیا ہے کہ ہم ایمان لائیں کہ وہ آسمان میں زندہ
ہے وہ مرا ہوا نہیں اور مرنے والوں میں سے نہیں۔“

اس عبارت کی بناء پر معترضین کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو
بانیء سلسلہ احمدیہ نے مُردہ نہیں بلکہ آسمان میں زندہ مانا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کو زندہ ماننا کس طرح ناممکن ہے؟

الجواب :- حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک تمام انبیاء اپنی روحانی زندگی
کے ساتھ بعد از وفات آسمان میں زندہ موجود ہیں۔ اور ان میں سے آپ کے
ز نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سب سے زیادہ فوقیت رکھتی ہے اور
بے مثال ہے۔

آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس عبارت میں روحانی موت کی نفی
کر رہے ہیں نہ جسمانی موت کی نفی۔ اُن کی جسمانی موت کا ذکر نور الحق کے اگلے

پیرا گراف میں موجود ہے۔ جس میں آپ فرماتے ہیں:-

”مَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا تُوْفِيَیْ وَقَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِ عِيسَى الرُّسُلُ“

(نورالحق حصہ اول۔ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 70)

ترجمہ:- ہر ایک رسول نے وفات پائی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں۔

اس عبارت میں تمام انبیاء کے وفات پانے کا ذکر موجود ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

نورالحق کے اقتباس میں لَيْسَ مِنَ الْمَيِّتِينَ (کہ وہ آئندہ مرنے والوں میں سے نہیں ہیں) کے الفاظ بھی اس بات کے لئے قوی قرینہ ہیں کہ اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خاک کی جسم کے ساتھ زندگی زیر بحث نہیں۔ بلکہ بعد از وفات روحانی زندگی کا ہی ذکر ہے۔ کیونکہ مادی جسم پر موت کا وارد ہونا بموجب آیت قرآنی ”كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ“ از بس ضروری ہے۔

دوسری جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام واضح طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وفات پانے کا ذکر ان الفاظ میں فرما چکے ہیں:-

”ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا جبکہ حضرت موسیٰ مصر اور کنعان کی راہ میں پہلے اس سے جو بنی اسرائیل کو وعدہ کے موافق منزل مقصود تک پہنچا دیں فوت ہو گئے اور بنی اسرائیل میں اُن کے مرنے سے ایک بڑا ماتم برپا ہوا جیسا کہ تورات میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس بے وقت موت کے صدمہ سے اور حضرت موسیٰ کی ناگہانی جدائی سے چالیس دن تک روتے رہے۔“ (الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 305)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی۔

نورالحق میں جو مضمون مجمل بیان ہوا ہے۔ اس مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حماۃ البشریٰ کے صفحہ 34، 35 پر مفصل طور پر بیان فرمایا ہے۔ نورالحق میں تو حضورؐ نے یہ لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور حماۃ البشریٰ میں از روئے حدیث نبوی معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیاء علیہم السلام سے ملنا بیان فرماتے ہیں۔ آدمؑ کو پہلے آسمان میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اس کے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دوسرے آسمان میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پانچویں آسمان میں اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ تمام انبیاء کا رفع ہوا۔ اور فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور رفع کے قائل ہیں وہ معراج کی حدیث پڑھتے ہیں اور پھر اس کو بھول جاتے ہیں۔ پھر آگے لکھتے ہیں:-

”أَعِيسَى حَيٌّ وَمَاتَ الْمُصْطَفَىٰ تِلْكَ إِذَا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ
إِغْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَإِذَا ثَبَتَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ كُلَّهُم أَحْيَاءُ فِي
السَّمَوَاتِ فَإِنَّ خُصُوصِيَّةَ ثَابِتَةِ لِحَيَاتِ الْمَسِيحِ أَهْوَا كُلِّ
وَيَشْرَبُ وَهُمْ لَا يَأْكُلُونَ وَلَا يَشْرَبُونَ بَلْ حَيَاةُ كَلِيمِ اللَّهِ ثَابِتٌ
بِنَصِّ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ أَلَا تَقْرَأُ فِي الْقُرْآنِ مَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى
عَزَّوَجَلَّ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ. وَأَنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذِهِ
الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي مُوسَىٰ فَهِيَ دَلِيلٌ صَرِيحٌ عَلَى حَيَاةِ مُوسَىٰ عَلَيْهِ
السَّلَامُ لِأَنَّهُ لَقِيَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْوَاتُ لَا
يُفْلِقُونَ الْأَحْيَاءَ وَلَا تَجِدُ مِثْلَ هَذِهِ الْآيَاتِ فِي شَأْنِ عِيسَى
عَلَيْهِ السَّلَامُ - نَعَمْ جَاءَ ذِكْرُ وَفَاتِهِ فِي مَقَامَاتٍ شَتَّى

فَلْتَدَبَّرْ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَدَبِّرِينَ۔

(حمامۃ البشریٰ روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 221-222)

ترجمہ :- ”کیا عیسیٰ زندہ ہے اور مصطفیٰ وفات پا گئے ہیں۔ یہ تو بڑی بھونڈی تقسیم ہے۔ انصاف سے کام لو کہ انصاف تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ جب ثابت ہو گیا کہ انبیاء سارے کے سارے آسمانوں میں زندہ ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کو کیا خصوصیت حاصل ہے۔ کیا وہ کھاتے اور پیتے ہیں؟ اور دوسرے سب نبی نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کلیم اللہ کی زندگی تو قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے۔ کیا تم قرآن میں نہیں پڑھتے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

فَلَا تَكُنْ فِي مَرْيَٰةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو

اس سے ملاقات کے بارہ میں شک نہ کرنا) اور تم جانتے ہو کہ یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں نازل ہوئی۔ پس یہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر صریح دلیل ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور مردے زندوں سے ملاقات نہیں کرتے۔ اور تم اس جیسی آیات عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں نہیں پاؤ گے۔ ہاں اُن کی وفات کا ذکر مختلف مقامات میں آیا ہے۔ پس تدبر سے کام لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تدبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک تمام انبیاء علیہم السلام آسمانوں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث معراج سے ثابت ہوا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر نص قرآنی بھی موجود ہے جو بتاتی ہے کہ معراج کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات

ہوئی۔ شکی امر نہ تھا بلکہ یہ ملاقات یقینی تھی۔ انبیاء کی اس زندگی کو جو آسمانوں میں پائی جاتی ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی سے مختلف قسم کی قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس زندگی کو روحانی زندگی ہی تسلیم کیا ہے جو انبیاء کو بعد از وفات ملتی ہے۔

پھر آپ آئینہ کمالات اسلام کے اشتہار ”قیامت کی نشانی“ میں جسے صفحہ 604 کے آگے شائع کیا ہے صفحہ ”د“ اور ”ز“ پر تحریر فرماتے ہیں:-

”انبیاء تو سب زندہ ہیں۔ مُردہ تو اُن میں سے کوئی بھی نہیں۔ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی لاش نظر نہ آئی۔ سب زندہ تھے۔ دیکھئے اللہ جل شانہ اپنے نبی کریم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی قرآن کریم میں خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے۔

فَلَا تَكُنْ فِي مَرْيَٰةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ (السجدة: 24)

اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہونے کے بعد اپنا زندہ ہو جانا اور آسمان پر اُٹھائے جانا اور رفیقِ اعلیٰ کو جا ملنا بیان فرماتے ہیں۔ پھر حضرت مسیح کی زندگی میں کوئی انوکھی بات ہے جو دوسروں میں نہیں۔ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کو برابر زندہ پایا اور حضرت عیسیٰ کو حضرت یحییٰ کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا۔ خدا تعالیٰ مولوی عبدالحق محدث دہلوی پر رحم کرے وہ ایک محدث وقت کا قول لکھتے ہیں کہ اُن کا یہی مذہب ہے کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر کسی دوسرے نبی کی حیات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے قوی تر سمجھے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا شاید یہ لکھا ہے کہ قریب ہے کہ وہ کافر ہو جائے۔“

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 610-611)

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمانی

زندگی اور دوسرے انبیاء علیہ السلام کی آسمانی زندگی میں کوئی فرق نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانی زندگی کو دوسرے انبیاء کی آسمانی زندگی سے قوی تر جانتے ہیں اور آیت فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان میں اسی طرح زندہ مانتے ہیں جس طرح دیگر انبیاء کو۔

ان سب حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ یہ سراسر معترض کا مغالطہ ہے کہ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خاکی وجود کے ساتھ آسمان میں زندہ موجود ہیں۔

خدائی کے دعویٰ کا الزام

اعتراض:- مرزا صاحب نے آئینہ کمالات اسلام میں اپنے آپ کو عَيْنُ اللہ قرار دے کر الوہیت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور نئی زمین اور نیا آسمان بنانے کا ذکر کیا ہے۔
الجواب:- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ”آئینہ کمالات اسلام“ میں محض اپنی ایک رو یا لکھی ہے جو یوں ہے:-

”رَأَيْتُنِي فِي الْمَنَامِ عَيْنَ اللَّهِ وَتَيَقَّنْتُ أَنَّنِي هُوَ وَلَمْ يَبْقَ لِي
إِرَادَةٌ وَلَا خَطَرَةٌ وَلَا عَمَلٌ مِنْ جِهَةِ نَفْسِي وَأَعْنَى بَعِينِ اللَّهِ
رَجُوعَ الظِّلِّ إِلَى أَصْلِهِ وَغَيْبُوتَهُ فِيهِ كَمَا يَجْرِي مِثْلَ هَذِهِ
الْحَالَاتِ فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ عَلَى الْمُحِبِّينَ - وَتَفْصِيلُ ذَلِكَ
أَنَّ اللَّهَ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا مِنْ نِظَامِ الْخَيْرِ جَعَلَنِي مِنْ تَجَلِّيَاتِهِ الذَّاتِيَّةِ
بِمَنْزِلَةِ مَشِيَّتِهِ وَعِلْمِهِ وَجَوَارِحِهِ وَتَوْحِيدِهِ وَتَفْرِيدِهِ لِإِتْمَامِ
مُرَادِهِ وَتَكْمِيلِ مَوَاعِيدِهِ كَمَا جَرَتْ عَادَتُهُ بِالْإِبْدَالِ وَالْإِقْطَابِ
وَالصَّدِيقِينَ. فَرَيْتُ أَنَّ رُوحَهُ أَحَاطَ عَلَيَّ وَاسْتَوَى عَلَيَّ جَسْمِي
وَلَفَّنِي فِي ضَمْنِهِ وَجُودِهِ حَتَّى مَا بَقِيَ مِنِّي ذَرَّةٌ وَكُنْتُ مِنَ
الْغَائِبِينَ وَبَيْنَمَا أَنَا فِي هَذِهِ الْحَالَةِ كُنْتُ أَقُولُ أَنَا نَرِيدُ نِظَامًا
جَدِيدًا. وَسَمَاءً جَدِيدَةً وَأَرْضًا جَدِيدَةً فَخَلَقَتِ السَّمُوتُ
وَالْأَرْضُ أَوْ لَا بِصُورَةٍ إِجْمَالِيَّةٍ لَا تَفْرِيقَ فِيهَا وَلَا تَرْتِيبَ ثُمَّ
فَرَقْتَهَا وَرَتَّبْتُهَا بِوَضْعٍ هُوَ مُرَادُ الْحَقِّ وَكُنْتُ أَجِدُ نَفْسِي عَلَى
خَلْقِهَا كَالْقَادِرِينَ وَأُلْقِيَ فِي قَلْبِي أَنَّ هَذَا الْخَلْقَ الَّذِي رَأَيْتُهُ

اشارۃً الی تائیداتِ سماویۃ و ارضیۃ..... ولا نَعْنِیْ بِهَذِهِ الْوَاقِعَةِ
کَمَا یُعْنِیْ فِی کُتُبِ أَصْحَابِ وَحْدَةِ الْوُجُودِ وَمَا نَعْنِیْ بِذَالِکِ
مَا هُوَ مَذْهَبُ الْحُلُولِیِّیْنَ بَلْ هَذِهِ الْوَاقِعَةُ تُوَافِقُ حَدِیثَ النَّبِیِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْنِیْ بِذَالِکِ حَدِیثَ الْبَخَارِیِّ فِی بَیَانِ
مَرْتَبَةِ قَرَبِ النّٰوَافِلِ لِعِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ“

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ 564 تا 566)

ترجمہ:- میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں اور
میرا اپنا کوئی ارادہ کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا..... عین اللہ سے مراد میری
ظن کا اپنے اصل کی طرف رجوع کرنا اور اس کی طرف غائب ہو جانا
ہے۔ جیسا کہ اس قسم کے حالات خدا کے پیاروں پر بعض اوقات جاری
ہوتے ہیں۔ اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ایک اچھے نظام
کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اُس نے مجھے اپنی ذاتی تجلی سے بمنزلہ اپنی مشیت
اپنے علم اور اپنے جوارح اور بمنزلہ اپنی توحید و تفرید کے بنالیا۔ اپنی مراد کو پورا
کرنے اور اپنے وعدوں کی تکمیل کے لئے جیسا کہ اس کی عادت ابدال اور
اقطاب اور صدیقوں کے لئے جاری ہے۔

پس میں نے دیکھا کہ اس کی رُوح نے میرا احاطہ کر لیا ہے اور اس نے
میرے جسم پر مستولی ہو کر اپنے وجود میں مجھے پنہاں کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ میرا
کوئی ذرہ بھی باقی نہیں رہا اور میں غائبین میں سے ہو گیا..... اس اثناء میں کہ
میں اس حالت میں تھا میں کہتا تھا کہ ہم ایک نیا نظام، نیا آسمان اور نئی زمین
چاہتے ہیں۔ پس میں نے آسمانوں اور زمین کو پہلے اجمالی صورت میں پیدا کیا
جس میں کوئی تفریق اور ترتیب موجود نہ تھی۔ پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس

کی ترتیب اور تفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔
میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ پیدائش جسے میں نے دیکھا
ہے۔ آسمانی اور ارضی تائیدات کی طرف اشارہ ہے..... اور ہم اس واقعہ سے
وہ مراد نہیں لیتے جو وحدت الوجود ماننے والوں کی کتابوں میں مراد لیا جاتا
ہے۔ اور نہ اس واقعہ کو حلول کے قائل لوگوں کے مذاہب کے مطابق مانتے
ہیں۔ بلکہ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ہے۔ میری
مراد اس سے بخاری کی وہ حدیث ہے جو کہ خدا کے نیک بندوں کے لئے
قرب نوافل کے مرتبہ کے بیان پر مشتمل ہے۔

اس روایا کی تشریح جو خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کر دی
ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک کشفی واقعہ تھا جو آپ کے اس طرح فانی فی اللہ
ہونے کو ظاہر کرنے والا تھا جس طرح اولیاء۔ ابدال اور اقطاب خدا تعالیٰ کی ذات
میں فانی ہوتے ہیں۔ اور ان پر بعض اوقات ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ اُن کا
اپنا وجود مخفی ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات ذاتیہ وارد ہو کر اسے اپنی ذات عین
خدا نظر آتی ہے مگر وہ درحقیقت خدا نہیں بن جاتا بلکہ مراد اس سے صرف یہ ہوتا ہے
کہ ظل نے اپنے اصل کی طرف رجوع کیا ہے۔ اور ظل پر اصل مستولی ہو گیا ہے اور
ظل اصل میں غائب ہو گیا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے:-

”مَا زَالَ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أَحْبَبْتُهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ

الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ

الَّتِي يَمْشِي بِهَا“۔

(بخاری کتاب الرقاق باب التواضع حدیث نمبر 6137)

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

کہ نفل گزار بندہ میرے قرب میں ترقی کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس

سے محبت کرنے لگتا ہوں پس جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اُس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اُسکی آنکھ بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ رُویا بخاری شریف کی مذکورہ حدیث سے موافق ہے جس میں خدا کے اپنے محبوب بندے کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جانے کا ذکر ہے اور یہ دراصل وحدت شہودی کا مقام ہوتا ہے نہ کہ وحدت الوجود کا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف فرما دیا ہے کہ اس واقعہ سے نہ وحدت الوجود مراد ہے اور نہ خدا کا بندے میں حلول کر جانا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اس مرتبہ کے متعلق فرماتے ہیں:-

”وَأَمَّا مَرْتَبَةُ قَرَبٍ نَوَافِلٍ كَمَا مَقَامُ فَنَاءِ صِفَاتٍ اسْتِ وَنَزْدٍ مُحَقِّقِينَ
أَنَا الْحَقُّ نَاشِئِ زِيٍّ شُهُودٍ“ (فتوح الغیب فارسی مقالہ نمبر 3 صفحہ 17)

ترجمہ:- قرب نوافل کا وہ مرتبہ جو اپنی صفات کو فناء کرنے کا مقام ہے اور اس سے محققین کے نزدیک أَنَا الْحَقُّ کا شہود پیدا ہوتا ہے۔

کئی بزرگان اُمت کو وحدت کا یہ مقام حاصل ہوا۔ چنانچہ حضرت شیخ فرید الدین عطار فرماتے ہیں:-

مَنْ خَدَّائِمِ مَنْ خَدَّائِمِ مَنْ خَدَّائِمِ مَنْ خَدَّائِمِ مَنْ خَدَّائِمِ مَنْ خَدَّائِمِ

فَارِغْ مِنْ كَيْفِهِ وَ مِنْ كَيْفِهِ وَ مِنْ كَيْفِهِ وَ مِنْ كَيْفِهِ وَ مِنْ كَيْفِهِ وَ مِنْ كَيْفِهِ

کہ کینہ اور کبر اور حرص سے فارغ ہو کر میں خدا ہوں میں خدا ہوں میں خدا ہوں

میں خدا ہوں۔

(نوائد فریدیہ مترجم بار اول صفحہ 85 مکتبہ معین الادب جامع مسجد شریف ڈیرہ غازی خان)

(2) حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:-

”میں کہتا ہوں اور میں ہی سُنا ہوں۔ دونوں جہاں میں میرے
سوا کوئی اور نہیں۔“

(نوائے فریدیہ مترجم صفحہ 77 مکتبہ معین الادب جامع مسجد شریف مطبوعہ ڈیرہ غازیخان)
(3) حضرت معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ اسی فنا فی اللہ کے ذکر کی حالت کے
متعلق فرماتے ہیں:-

نہ عصیاں ماند نے طاعت
شدم محو اندر آں ساعت
چناں گشتم در آں حالت
کہ وے من گشت و منم وے

(دیوان معین الدین)

”یعنی حالت فناء میں نہ نافرمانی رہی نہ فرمانبرداری۔ میں اس گھڑی
اُس ذات باری میں ایسا محو ہو گیا کہ وہ میں ہو گیا اور میں وہ۔“
بعض صوفیاء نے تو یہاں تک فرمایا ہے:-

سُبْحَانِي مَا أَعْظَمَ شَانِي

(قول ابویزید۔ کشف المحجوب صفحہ 287 اردو)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس کشف پر جب آپ کی زندگی میں
مخالفین نے اعتراض کیا۔ تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا:-

”ایک دفعہ کشفی رنگ میں میں نے دیکھا۔ کہ میں نے نئی زمین اور نیا
آسمان پیدا کیا ہے اور پھر میں نے کہا کہ آؤ اب انسان کو پیدا کریں۔ اس پر
نادان مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو، اب اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا

حالانکہ اس کشف سے یہ مطلب تھا۔ کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کرے گا کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے۔ اور حقیقی انسان پیدا ہوں گے۔“ (چشمہ سحیح روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 375-376 حاشیہ)

پھر تحریر فرماتے ہیں:-

”وہ کیا ہے نیا آسمان؟ اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین وہ پاک دل ہیں۔ جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے۔ جو خدا سے ظاہر ہوئے اور خدا اُن سے ظاہر ہوگا۔ اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اُس کے بندے کے ہاتھ سے اُسی کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ دُنیا نے خدا کی اس نئی تجلی سے دشمنی کی۔“ (کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 7)

پھر اصولی طور پر لکھتے ہیں:-

”ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت میں روحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے۔“ (ہیئت الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 102 حاشیہ)

نئی زمین اور نیا آسمان بنانے کا محاورہ اہل علم میں مشہور ہے۔ شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال لکھتے ہیں:-

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیر تقدیر
خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر
اور جب بانگ ازاں کرتی ہے بیدار اُسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دُنیا تعمیر
(ضرب کلیم زیر عنوان ”عالمِ نو“ صفحہ 130 طبع ہفتم 1947ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:-

”شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے لیڈر اپنے خیالات کے

مطابق خود کوئی عملی تحریک اٹھاتے ہیں اور بگڑی ہوئی دنیا کو توڑ موڑ کر اپنے ہاتھوں سے نئی دنیا بنانے کے لئے میدان میں نکل آتے ہیں۔
 (تجدید و احیائے دین بحوالہ آفتاب صفحہ 71 مرتبہ خورشید الاسلام علی گڑھ)
 ہم اس بحث کو تعطیر الانام کے اس حوالہ پر ختم کرتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے:-
 ”مَنْ رَأَى كَأَنَّهُ صَارَ الْحَقُّ سُبْحَانَهُ تَعَالَى اهْتَدَى إِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ“
 (تعطیر الانام الجزء الاول صفحہ 10)
 ”کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ خدا بن گیا ہے۔ تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس شخص کو سیدھی راہ کی ہدایت مل گئی۔“
 پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اس کشف کی تعبیر یہی ہے کہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں اور معترضین حق پر نہیں۔
 واضح رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے رویا میں دیکھا تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:-

”إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
 رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ“
 (یوسف: 9)

حضرت یوسفؑ باپ کو خواب بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ چاند اور سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔
 دوسری طرف سورۃ حج میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ
 وَالْدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ۔
 (الحج: 19)

”یعنی کیا تو نے دیکھا نہیں کہ جو کوئی بھی آسمان میں ہے وہ اللہ تعالیٰ

کے حضور سجدہ کر رہا ہے اور جو کوئی زمین میں ہے وہ بھی اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور چار پائے بھی اور لوگوں میں سے بھی بہت سے۔“

اس آیت سے ظاہر ہے کہ سجدہ صرف خدا کو کیا جاتا ہے۔ اُدھر حضرت یوسف علیہ السلام کی روایا ہے کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ تو کیا اس سے ان کی خدائی کا دعویٰ لازم آئے گا۔ کوئی بے وقوف ہی ایسا خیال کر سکتا ہے۔ کیونکہ خواب ہمیشہ تعبیر ہوتے ہیں چنانچہ جب مصر میں حضرت یوسفؑ کے والدین اور گیارہ بھائی آئے اور انہوں نے یوسفؑ کی عظمت کا اظہار کیا تو اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:-

هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا۔

(یوسف: 101)

کہ یہ میری اس خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچا کر دکھایا۔
اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا ہے:-
وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى۔

(الانفال: 18)

کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جنگ بدر میں کنکروں کی جو مٹھی تو نے دشمنوں کی طرف پھینکی تھی وہ تو نے نہیں پھینکی تھی اللہ نے پھینکی تھی۔

یہ آیت قرآنیہ تصوف کی جان ہے اور اس میں بظاہر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فعل کو اللہ کا فعل قرار دیا ہے اور بڑا ہی بے وقوف وہ شخص ہوگا جو اس سے یہ نتیجہ نکالے۔ کہ اس آیت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو

اس جگہ منفی قرار دے کر جو کام آپؐ نے کیا اس کی اپنی طرف نسبت دی ہے۔ اس لئے کہ آپؐ فنا فی اللہ کے اتم درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ اور سر سے پاؤں تک اللہ تعالیٰ آپؐ میں مخفی تھا۔ اسی قسم کی کیفیت بعض اوقات خدا کے برگزیدہ پر طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہہ اٹھتا ہے:-

سر سے لے کر پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں
اے مرے بد خواہ کرنا ہوش کر کے مجھ پہ وار

جنگ بدر میں اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ایک الہی فعل تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت اس طرح شامل حال ہوئی کہ کنکروں کی مٹھی ایک تیز آندھی میں مبدل ہو گئی جس کا رخ دشمنان اسلام کی طرف تھا اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے تیر نہایت تیزی سے کافروں کو نشانہ بنا رہے تھے اور کافروں کا کوئی تیر مسلمانوں تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔ لہذا اس معجزانہ الہی قوت نے جنگ بدر میں ایسا نشان دکھایا کہ دشمن اسلام مسلمانوں سے تین گنا زیادہ جمعیت اور ساز و سامان رکھنے کے باوجود ذلت آمیز شکست کھا گیا۔

اولیاء پر بھی کبھی ایسی حالت طاری ہوتی ہے اور وہ کہہ اٹھتے ہیں۔ جیسا کہ سید عبدالقادر جیلانی پیر پیران نے کہا۔ ”لَيْسَ فِيْ جُبَّتِيْ سِوَى اللّٰهِ“

(مکتوب امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر اول حصہ پنجم مکتوب نمبر 272 رؤف اکیڈمی لاہور)
ترجمہ:- کہ میرے پیرا ہن میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔

اسی فنا فی اللہ کی حالت میں دراصل اولیاء اللہ سے ایسی کرامات صادر ہوتی ہیں جن میں الہی تصرف نظر آتا ہے۔

تشریحی اور مستقلہ نبوت کے ادعا کا الزام

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ الزام دیا ہے کہ:-

”مرزا صاحب کی تصنیفات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے نبی مستقل صاحب شریعت ہونے کے بھی قائل تھے۔ اُنہوں نے ”اربعین“ میں تشریحی یا صاحب شریعت نبی کی تعریف کی ہے کہ جس کی وحی میں امر و نہی ہو۔ اور وہ کوئی قانون مقرر کرے۔ اگرچہ یہ امر و نہی کسی نبی سابق کی کتاب میں پہلے آچکے ہوں۔ اُن کے نزدیک صاحب شریعت نبی کے لئے اس کی شرط نہیں کہ وہ بالکل جدید احکام لائے۔ پھر وہ صاف صاف دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس تعریف کے مطابق صاحب شریعت اور مستقل نبی ہیں۔“

(قادیانیت صفحہ 94، 95 بار اول مکتبہ دینیات لاہور)

الجواب :- مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ الزام درست نہیں۔ ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی تحریر میں یہ دعویٰ موجود نہیں کہ وہ مستقل نبی ہیں۔ آپ کا دعویٰ صرف یہ ہے کہ آپ ایک پہلو سے امتی ہیں اور ایک پہلو سے نبی ہیں۔ اور یہ مقام آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضہ روحانی سے حاصل کیا ہے۔ اربعین کا جو حوالہ مولوی ابوالحسن صاحب نے پیش کیا ہے۔ اس میں ہرگز ایسے الفاظ موجود نہیں کہ آپ مستقل نبی ہیں یا صاحب شریعت جدیدہ نبی ہیں۔ اربعین سے ایک سال بعد کی تصنیف ”اشتہار“ ایک غلطی کا ازالہ“ میں فرماتے ہیں:-

”جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان

معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں۔ اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اُس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ (ایک غلطی کا ازالہ۔ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 210-211) تشریحی نبی آپؐ کے نزدیک وہ ہوتا ہے جو شریعتِ جدیدہ لائے۔ چنانچہ آپؐ تحریر فرماتے ہیں:-

”یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت تشریحی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اسکی پیروی معطل کرے بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔“

(الوصیت۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 311 حاشیہ)

نیز تحریر فرماتے ہیں:-

”ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سید و مولا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجنابؐ کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے۔ اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے۔“

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 340 حاشیہ)

یہ سب عبارتیں اربعین سے بعد کی ہیں ان سے ظاہر ہے کہ آپؐ پر تشریحی نبوت اور مستقلہ نبوت کے دعویٰ کا الزام سراسر مردود ہے۔ اربعین کی عبارت کو ان حوالہ جات کی روشنی میں پڑھنا چاہیے حضرت مسیح موعودؑ پر شریعتِ اسلامیہ کے بعض

اوامر اور نواہی کا نزول بطور تجدید شریعت ہے نہ بطور شریعت جدیدہ اور تشریحی نبی آپ اسے ہی قرار دیتے ہیں جو شریعت جدیدہ لائے اور شریعت سابقہ کے کسی حکم کو منسوخ یا معطل کرے پس بالواسطہ صاحب شریعت ہونا اور بات ہے اور مستقل طور پر تشریحی نبی ہونا اور بات ہے۔ صاحب شریعت تو ایک معنی میں ہر مومن ہوتا ہے۔ لہذا مجدد دین بدرجہ اولیٰ صاحب شریعت ہوتا ہے۔ اگر مجدد دین پر اس کی مسلمہ شریعت کے بعض اوامر اور نواہی بذریعہ الہام نازل ہوں تو وہ اوامر اور نواہی تو شریعت ہی ہوں گے۔ لیکن جس پر نازل ہوں ان سے وہ مستقل صاحب شریعت نہیں بن جاتا۔ ان اوامرو نواہی کے نزول کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مجدد کے لئے ان باتوں پر زور دینا ضروری ہے۔ علماء امت کو یہ مسلم ہے کہ مسیح موعود پر شریعت محمدیہ کا نزول ہوگا۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانیؒ حضرت محی الدین ابن العربیؒ کا مذہب یوں لکھتے ہیں:-

”يُرْسَلُ وَلِيًّا ذَا نُبُوَّةٍ مُّطْلَقَةٍ وَيُلْهِمُ بِشَرْعِ مُحَمَّدٍ“

”یعنی مسیح موعود ایسے ولی کی صورت میں بھیجا جائے گا۔ جو نبوت

مطلقہ کا حامل ہوگا اور اس پر شریعت محمدیہ الہاماً نازل ہوگی۔“

(الیواقیت والحوار جلد 2 صفحہ 89 بحث 47 طبع اولیٰ مطبوعہ مصر)

فتوحات مکیہ جلد 2 صفحہ 287 پر لکھا ہے:-

”تَنْزِيلُ الْقُرْآنِ عَلَى قُلُوبِ الْأَوْلِيَاءِ مَا انْقَطَعَ مَعَ كَوْنِهِ

مَحْفُوظًا لَهُمْ وَلَكِنْ لَهُمْ ذَوْقُ الْإِنزَالِ وَهَذَا لِبَعْضِهِمْ“

کہ قرآن کریم کا نزول اولیاء کے قلوب پر منقطع نہیں باوجودیکہ وہ ان

کے پاس اپنی اصلی صورت میں محفوظ ہے۔ لیکن اولیاء اللہ کو نزول قرآنی کے

ذوق کی خاطر قرآن ان پر نازل ہوتا ہے اور یہ نشان بعض کی عطا کو جاتی ہے۔

اسی شان کا بالواسطہ صاحب شریعت مسیح موعودؑ کو سمجھنا چاہیے نہ کہ شریعت مستقلہ کا حامل جس سے تشریحی نبی ہونا لازم آتا ہے۔ افسوس ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب نے اربعین کا حوالہ پورا پیش نہیں کیا۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام آگے لکھتے ہیں:-

”میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔“ (اربعین نمبر 4۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 435 حاشیہ)
پھر اربعین میں زیر بحث حوالہ کے ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں:-

”ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے۔ تاہم خدا تعالیٰ نے اپنے نفس پر یہ حرام نہیں کیا کہ تجدید کے طور پر کسی مامور کے ذریعہ یہ احکام صادر کرے کہ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ زنا نہ کرو۔ خون نہ کرو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا بیان کرنا شریعت ہے۔ جو مسیح موعود کا بھی کام ہے۔“

(اربعین نمبر 4۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 436)

پس مسیح موعودؑ ان معنوں میں صاحب شریعت ہیں کہ اُن کے ذریعہ بیان شریعت مقدّمہ رتھانہ اتیان شریعت مستقلہ (شریعت لانا)۔ پس مولوی ابوالحسن صاحب ندوی جیسے عالم کا اربعین کی عبارت سے مسیح موعود علیہ السلام پر تشریحی اور مستقلہ نبوت کا الزام دینا تعجب انگیز ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے کسی معاون نے اُدھورے حوالے اُن کے سامنے پیش کئے ہیں۔

اب ہم اربعین کے حوالے کو پیش کر کے اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ حضورؑ نے اپنے تئیں کیوں صاحب شریعت لکھا۔ سو واضح ہو کہ اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی صداقت کی نسبت آیت ”لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا

بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۖ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۚ ثُمَّ لَقَطْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ کی روشنی میں یہ دلیل دی تھی کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی والہام کے دعویٰ کے بعد 23 سال کی لمبی عمر پائی جو آپؐ کی سچائی کی دلیل ہے۔ اسی طرح میرے دعویٰ وحی والہام پر بھی 23 سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ سو خدا نے مجھے ہلاک نہیں کیا۔ حالانکہ اس آیت کی رو سے خدا کا قانون ہے کہ وہ جھوٹے نبی کو اتنی مہلت نہیں دیتا جتنی مہلت اُس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ بلکہ اس مدت سے پہلے ہی اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس پر بعض حلقوں کی طرف سے یہ اعتراض ہوا کہ خدا تعالیٰ کی یہ وعید جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے اس کا تعلق اس وحی سے ہے جو شریعت کے اوامرو نواہی پر مشتمل ہو۔ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اربعین کی وہ عبارت لکھی ہے جسے مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے ادھورا پیش کیا۔ وہ عبارت یہ ہے:-

”ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب الشریعہ ہو گیا۔

پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام قل للمؤمنین يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم ذلک ازکیٰ لهم۔ یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ اور اس پر تیس برس کی مدت بھی گزر گئی۔ اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔“ (اربعین نمبر 4۔ روحانی خزائن جلد صفحہ 435-436)

واضح ہو یہ ساری عبارت بطور الزام خصم کے ہے کہ اگر لَوْ تَقُولَ والی وعید

کو ادا امر اور نواہی سے مخصوص کیا جائے جن میں بناوٹ کا دخل ہو تو پھر مذعی پکڑا جاتا ہے۔ حضورؐ نے مخالفین پر حجت ملزمہ قائم کر دی ہے کہ تم صاحب شریعت کی یہ تعریف کرو کہ اُس کی وحی میں ادا امر و نواہی ہوتے ہیں تو میری وحی میں ادا امر بھی ہیں اور نواہی بھی اور ان پر تیئیس برس کا عرصہ بھی گزر گیا ہے تو اب تم پر فرض ہو گیا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں مجھے سچا جانو۔ پھر آگے لکھا ہے کہ:-

”اگر کہو شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُولٰٓئِ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوسٰی۔ (الاعلیٰ: 19-20) یعنی قرآنی تعلیم تورات میں بھی موجود ہے اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتاہ اندیشیاں ہیں۔“ (اربعین نمبر 4۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 436)

اس جگہ تعریف شریعت مطلقہ کی ہو رہی ہے نہ شریعتِ جدیدہ کی جو شریعت مطلقہ کی ایک مقید صورت ہے اور جو شریعت سابقہ میں ترمیم و تنسیخ کا نام ہے یا ادا امر و نواہی جدیدہ کا نام ہے۔ اسی کا حامل حضرت مرزا صاحبؒ کے نزدیک تشریحی نبی کہلاتا ہے۔ محض شریعت مطلقہ کا حامل جس کا نزول تجدید دین اور بیان شریعت کے طور پر ہو تشریحی نبی نہیں ہوتا خواہ اُس پر ادا امر و نواہی ہی نازل ہوں۔ یہی حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب ہے۔ کیونکہ وہ ادا امر و نواہی صرف تجدید دین اور بیان شریعت کے طور پر ہونگے نہ شریعت مستقلہ لانے کے طور پر۔ اور ایسا ملہم بالواسطہ صاحب شریعت ہو گا نہ براہ راست۔ لہذا وہ تشریحی نبی نہیں کہلا سکتا۔ اور نہ مستقل صاحب شریعت نبی کہلا سکتا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ تجدید دین کے طور پر شریعت سابقہ کے ادا امر و نواہی کا

نزول گو شریعت ہی ہے اور اس کا حامل بیان شریعت کے واسطہ سے صاحب شریعت کہلا سکتا ہے۔ مگر تشریحی نبی یا نبوت مستقلہ کا حامل ہرگز نہیں کہلا سکتا۔

اشتہار ”ایک غلطی کا ازالہ“ میں آپؐ نے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ مستقل شریعت لانے یا مستقل نبی ہونے سے صاف انکار کیا ہے۔ پس آپؐ پر جو شریعت کے احکام نازل ہوئے وہ بالاستقلال نہیں۔ اس لئے اربعین کے حوالہ کی بناء پر آپؐ کو مستقل صاحب شریعت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ایسا الزام سراسر بے بنیاد ہے جس کی تردید پر حضورؐ کی تصنیفات گواہ ہیں۔

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی اپنے الزام کو مضبوط کرنے کے لئے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ تشریحی نبی ہونے کا تھا۔ تریاق القلوب صفحہ 130 کے حاشیہ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں:-

”یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ سے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف اُن نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے احکام جدیدہ اور شریعت لاتے ہیں۔ لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں گو وہ کیسے ہی جناب الہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ مخاطبہ الہیہ سے سرفراز ہوں اُن کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن سکتا۔“

پھر اس کے مقابل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض عبارتیں پیش کی ہیں:-

1- ”مجھے الہام ہوا ہے۔ کہ جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہوگا۔“

(معیار الاخیار صفحہ 8)

2- ”خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری

دعوت پہنچی ہے۔ اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔“
(الذکر الحکیم نمبر 2 صفحہ 24)

3۔ ”کفر دو قسم پر ہے۔ (اوّل) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ (دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔ کیونکہ جو شخص باوجود شناخت کر لینے کے خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتا وہ بموجب نصوص صریحہ قرآن اور حدیث کے خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔“ (ہقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 185-186)

افسوس ہے کہ ابوالحسن صاحب ندوی نے اگلی عبارت درج نہیں کی جو آپ کے مذہب کی وضاحت کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے:-

”اس میں شک نہیں کہ جس پر خدا تعالیٰ کے نزدیک اوّل قسم کفر یا دوسری قسم کفر کی نسبت اتمام حجت ہو چکا ہے وہ قیامت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا۔ اور جس پر خدا کے نزدیک اتمام حجت نہیں ہوا اور وہ مکذب اور منکر ہے تو گو شریعت نے (جس کی بناء ظاہر پر ہے) اس کا نام بھی کافر ہی رکھا ہے اور ہم بھی اس کو باتباع شریعت کافر کے نام سے ہی پکارتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ خدا کے نزدیک بموجب آیت لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا قابلِ مواخذہ نہیں ہوگا۔ ہاں ہم اس بات کے مجاز نہیں ہیں کہ ہم اس کی

نسبت نجات کا حکم دیں۔ اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے، ہمیں اس میں دخل نہیں اور جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں۔ یہ علم محض خدا تعالیٰ کو ہے کہ اسکے نزدیک باوجود دلائل عقلیہ اور نقلیہ اور عمدہ تعلیم اور آسمانی نشانوں کے کس پر ابھی تک اتمام حجت نہیں ہوا۔ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 186) اور حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 185 پر یہ لکھتے ہیں:-

”بہر حال کسی کے کفر اور اس پر اتمام حجت کے بارے میں فرد فرد کا حال دریافت کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ اس کا کام ہے جو عالم الغیب ہے ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے نزدیک جس پر اتمام حجت ہو چکا ہے اور خدا کے نزدیک جو منکر ٹھہر چکا ہے وہ مواخذہ کے لائق ہوگا۔“

صفحہ 179 اور صفحہ 180 کی ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک جہنمی صرف وہ کافر ہے جس پر اتمام حجت ہو چکا ہو۔ اور پھر آپ کو جھوٹا جانتا ہو۔ ورنہ اگر کسی شخص پر اتمام حجت نہیں ہوا اور وہ آپ کا مکذب اور منکر ہے۔ تو وہ قابل مواخذہ یعنی جہنمی نہیں ہوگا۔

دوسری عبارت میں جو یہ لکھا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کامل مسلمان نہیں ہے۔ اس جگہ نفی علی الاطلاق مراد نہیں بلکہ نفی کمال مراد ہے۔ جس پر آپ کا الہام ”مسلمان را مسلمان باز کردند“ جو مسلمان کو پورا مسلمان کرنے کے ذکر پر مشتمل ہے۔ شاہد ناطق ہے۔ آپ کے اس الہام میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے منکرین مسلمانوں کا نام مسلمان ہی رکھا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا آپ کے خلفاء نے بھی آپ کا انکار کرنے والے مسلمانوں کو کہیں بھی غیر مسلم یا غیر مسلموں کی طرح کافر قرار نہیں دیا۔

تریاق القلوب کی جو عبارت مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے پیش کی

ہے۔ اس سے ان الفاظ کا منطوق کہ اپنے دعویٰ سے انکار کرنے والوں کو کافر کہنا یہ صرف اُن نبیوں کا کام ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ حقیقۃ الوحی کی پیش کردہ عبارت کی روشنی میں کافر قسم اول ہے نہ کافر قسم دوم اور مسیح موعودؑ کا انکار کافر قسم اول قرار نہیں دیا گیا۔ کیونکہ آپ شریعت جدیدہ لانے والے نہیں۔ بلکہ کافر قسم دوم قرار دیا گیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک کافر قسم دوم سے کلمہ گو مسلمان کافر قسم اول یا غیر مسلم نہیں ہو جاتے۔ بلکہ ملت اسلامیہ کی ظاہری چار دیواری میں داخل ہی سمجھے جاتے ہیں۔ قسم دوم کی وجہ کفر پایا جانے کے باوجود ہم انہیں مسلمان ہی کہتے ہیں نہ غیر مسلموں کی طرح کافر۔ صرف شریعت جدیدہ لانے والے انبیاء کا انکار ہی کافر قسم اول ہوگا۔ اس لئے یہی تریاق القلوب میں مراد ہے۔ کیونکہ مسیح موعودؑ شریعت جدیدہ لانے والے نبی نہیں ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ چونکہ آپؑ غیر تشریحی امتی نبی ہیں اس لئے آپؑ کا منکر مسلمانوں میں سے امتی کافر ہوگا نہ کہ غیر مسلم۔

دونوں قسم کے کفر کو ایک قسم کا کفر اطلاق جنس کے لحاظ سے قرار دیا گیا ہے نہ حقیقت کے لحاظ سے۔ انواع میں دونوں قسم کے منکرین کفر میں ہم مسلم اور غیر مسلم کا فرق کریں گے۔ رہا باطن کا معاملہ۔ سوا سکی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔ دونوں قسم کے کفر میں جس شخص پر اتمام حجت ہو چکا ہوگا وہ قابل مواخذہ ہوگا۔ اور جس پر اتمام حجت نہیں ہوا ہوگا وہ قابل مواخذہ نہیں ہوگا۔ اور اتمام حجت کا علم بموجب قول حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کو ہے جو عالم الغیب ہے۔ پس فرد فرد کے جہنمی ہونے کا فتویٰ ہم نہیں دے سکتے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکذب اور منکر قرار پا چکا ہے خواہ غیر مسلم ہو یا مسلم، منکر مسیح موعودؑ ہی قابل مواخذہ ہوگا۔ یہ ہے مفہوم اس عبارت کا کہ ”اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل

ہیں، ‘ورنہ حقیقت میں دو قسموں کا ایک قسم ہونا محال ہے۔ کیونکہ قِسْمَیْن میں باہم مخالف اور بتائیں ہوتا ہے۔

پس جب حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ اپنے مکلفین اور مکذبین کو کافر قسم اول قرار نہیں دیتے اور آپ کے نزدیک کافر قسم اول وہ ہوتا ہے جو سرے سے اسلام کا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہو۔

پس مولوی ابوالحسن صاحب کا پیش کردہ نتیجہ سراسر غلط ہے کہ مرزا صاحب شریعت مستقلہ لانے والے نبی ہیں۔ بالفرض مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا مزعوم مسیح اگر آجائے تو اس کا منکر کافر ہوگا یا نہیں؟ اور اس کے منکر کو اگر وہ کافر قرار دیں تو کیا وہ شریعت مستقلہ لانے کا مدعی ہوگا اور قرآن مجید کے بعد وہ ایک نئی شریعت لانے والا نبی ہوگا؟ اگر نہیں تو فقہی طور پر آپ کو یہی کہنا پڑے گا کہ مسیح موعود کا منکر کافر قسم دوم ہوگا نہ کافر قسم اول۔ تبھی ان کا مزعوم مسیح موعود شریعت جدیدہ لانے کے دعویٰ کے الزام سے بچ سکتا ہے۔

ایک اور نکتہ یاد رکھنے کے قابل

حقیقۃ الوحی کی عبارت میں دوسری قسم کا کافر حقیقۃً اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جو باوجود اتمام حجت کے مسیح موعود کو جھوٹا جانتا ہو۔ کیونکہ آپ کے الفاظ یہ ہیں:-
”دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے۔“

پس جس پر اتمام حجت نہ ہوا ہو۔ اس میں کفر قسم دوم کی وجہ عند اللہ نہیں پائی جائے گی۔ ہاں چونکہ شریعت کی بناء ظاہر پر ہے اور اتمام حجت کا علم محض خدا تعالیٰ کو ہے۔ اس لئے منکرین مسیح موعود مسلمانوں کے متعلق حجت پوری ہونے یا نہ ہونے

کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص پر اتمام حجت نہیں ہوا۔ بلکہ ایسے لوگوں کو منکرینِ مسیح موعودؑ کے زمرہ میں ہی شمار کیا جاسکتا ہے۔ ہاں جماعت احمدیہ ایسے مسلمانوں کو ہرگز غیر مسلموں کی طرح کا فرسمِ اول نہیں جانتی اور جماعت احمدیہ کے کسی خلیفہ نے ایسے مسلمانوں کو جو منکرِ مسیح موعود ہوں کبھی غیر مسلم بھی قرار نہیں دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا بیان جو آئینہ صداقت سے ابوالحسن صاحب نے نقل کیا ہے کہ:

”کل مسلمان جو حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔ خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کا نام بھی نہیں سنا۔ وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔“

یہ آخری فقرہ بطور تغلیظ ہے اور مراد اس سے صرف یہ ہے کہ وہ حقیقتِ اسلام کو پانے سے محروم ہیں۔ ورنہ انہیں اس جگہ مسلمان ہی کہا گیا ہے جس پر ”کل مسلمان“ کے الفاظ شاہدِ ناطق ہیں۔ انہیں غیر مسلم قرار نہیں دیا گیا۔ آپ کا یہ فقرہ اس حدیثِ نبوی کے مفہوم میں ہے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

”مَنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهُ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ“۔

کہ جو ظالم کی تائید کے لئے کھڑا ہوا وہ اسلام سے نکل گیا۔ اس سے یہی ہے کہ اس کا یہ فعل حقیقتِ اسلام سے عاری ہے نہ یہ کہ وہ غیر مسلم ہو جاتا ہے۔ تحقیقاتی کمیشن کے سامنے خلیفۃ المسیح الثانیؒ نے اس عبارت کی ایسی ہی تشریح کی تھی۔ کیونکہ آپؒ کا مذہب یہ ہے:-

”کافر کے ہم ہرگز یہ معنی نہیں لیتے کہ ایسا شخص جو کہتا ہو کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہوں اُسے کون کہہ سکتا ہے کہ تو انہیں نہیں

مانتا۔ یا کافر کے ہم ہرگز یہ معنی نہیں لیتے کہ ایسا شخص خدا تعالیٰ کا منکر ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کہتا ہو کہ میں خدا تعالیٰ کو مانتا ہوں۔ تو اسے کون کہہ سکتا ہے کہ تُو خدا تعالیٰ کو نہیں مانتا۔ ہمارے نزدیک اسلام کے اصول میں سے کسی اصل کا انکار کفر ہے جس کے بغیر کوئی شخص حقیقی طور پر مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ ہمارا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ کافر جہنمی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کافر ہو اور وہ جنتی ہو۔ مثلاً منکر ہے وہ ناواقفیت کی حالت میں ساری عمر رہا ہو۔ اور اس پر اتمام حجت نہ ہوئی ہو۔ پس گو ہم ایسے شخص کے متعلق یہی کہیں گے کہ وہ کافر ہے مگر خدا تعالیٰ اُسے دوزخ میں نہیں ڈالے گا کیونکہ اسے حقیقی دین کا کچھ علم نہ تھا اور خدا ظالم نہیں کہ وہ بے قصور کو سزا دے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ مندرجہ الفضل یکم مئی 1935ء صفحہ 8 کالم نمبر 3)

مولوی ابوالحسن صاحب نے احمدی کے غیر احمدی کو لڑکی نہ دینے کا معاملہ اور غیر احمدی کے پیچھے نماز کی ممانعت کا معاملہ اور غیر احمدی کے جنازے کا معاملہ بھی پیش کیا ہے۔ مگر ان معاملات میں جماعت کی یہ کارروائی جوابی ہے۔ جو دراصل غیر احمدی علماء کے فتاویٰ کفریہ کا ردِ عمل ہے جن میں احمدیوں سے مناکحت حرام۔ احمدیوں کو امام بنانا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے فتویٰ تکفیر میں ہرگز ابتداء نہیں کی اور نہ باقی فتاویٰ میں ابتداء کی ہے۔ آپِ حقیقۃ الوحی میں تحریر فرماتے ہیں:-

”پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا

ہم نے بیس کروڑ مسلمان اور کلمہ گو کو کافر ٹھہرایا۔ حالانکہ ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی۔ خود ہی اُن کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور تمام پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور نادان لوگ

ان فتوؤں سے ایسے ہم سے متنفر ہو گئے کہ ہم سے سیدھے مُنہ سے کوئی نرم بات کرنا بھی اُن کے نزدیک گناہ ہو گیا۔ کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے ان لوگوں کو کافر ٹھہرایا تھا۔ اگر کوئی ایسا کاغذ، یا اشتہار یا رسالہ ہماری طرف سے ان لوگوں کے فتوائے کفر سے پہلے شائع ہوا ہے جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہو تو وہ پیش کریں۔ ورنہ خود سوچ لیں کہ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھہراویں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگادیں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔ اس قدر خیانت اور جھوٹ اور خلاف واقعہ تہمت کس قدر دل آزار ہے۔ ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے۔ اور پھر جبکہ ہمیں اپنے فتوؤں کے ذریعے سے کافر ٹھہرا چکے اور آپ ہی اس بات کے قائل بھی ہو گئے کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے تو کفر الٹ کر اُسی پر پڑتا ہے۔ تو اس صورت میں کیا ہمارا حق نہ تھا کہ بموجب انہی کے اقرار کے ہم ان کو کافر کہتے۔“

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 123-124)

پس کفر کے فتوؤں میں نماز اور مناکحت اور جنازہ وغیرہ کے فتوؤں میں تقدیم (پہل) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے نہیں ہوئی۔ آپ کے فتاویٰ جوابی ہیں اور وہ بھی قرآن مجید کی آیت جَزَّوُاسِیَّئَۃٌ سِیَّئَۃٌ مِّثْلُہَا کی روشنی میں نہ کسی شریعت جدیدہ کے ماتحت۔ لہذا آپ پر شریعت مستقلہ کا الزام سراسر دروغ بے فروغ ہے۔

بالآخر یہ عرض ہے کہ باوجود مسلمان علماء کے جماعت احمدیہ پر کفر کا فتویٰ لگانے کے ہم انہیں ملتِ اسلامیہ کے افراد ہی جانتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہمارے پیارے آقا و مولا سید الانبیاء فخر المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام لیا وہیں۔ حضرت بیچ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں:-

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگاہ دار

کا خر کنند دھوئی، خُب پیبرم

(ذُرّین فارسی صلی 107 مطبوعہ نظارت اشاعت ربوہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت کے دعویٰ کا الزام مخالفین کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ الزام کہ آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ایک سراسر بے بنیاد الزام ہے۔ جو اس لئے دیا جاتا ہے کہ لوگوں کے دل میں آپ کے لئے نفرت کا جذبہ پیدا کر کے انہیں احمدیت کو قبول کرنے سے باز رکھا جائے ورنہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ تو اپنے تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم ہی جانتے ہیں اور آپؑ کو جو برکات بھی حاصل ہیں ان کے متعلق آپؑ کو یہ الہام ہوا تھا:-

كُلُّ بَرَكَۃٍ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ

عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ۔ (تذکرہ صفحہ 35 ایڈیشن 2004ء)

ترجمہ:- یہ تو تمام برکت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے پس بہت برکت والا ہے جس نے اس بندہ کو تعلیم دی (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اور بہت برکت والا ہے جس نے تعلیم پائی۔ (یعنی مسیح موعودؑ)

(ہقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 99)

نیز تحریر فرماتے ہیں:-

”پس میں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو۔

دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا۔ اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذریعہ شیطان ہے۔ کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے۔ اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اس نبی کے ذریعہ سے پائی۔ اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں، اسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے۔ اور اسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔“ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 118-119)

اسی جگہ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”یہ عجیب بات ہے کہ دنیا ختم ہونے کو ہے مگر اس کامل نبی کے فیضان کی شعاعیں اب تک ختم نہیں ہوئیں اگر خدا کا کلام قرآن شریف مانع نہ ہوتا تو فقط یہی نبی تھا جس کی نسبت ہم کہہ سکتے تھے کہ وہ اب تک مع جسم عنصری زندہ آسمان پر موجود ہے۔ کیونکہ ہم اس کی زندگی کے صریح آثار پاتے ہیں۔ اس کا دین زندہ ہے۔ اس کی پیروی کرنے والا زندہ ہو جاتا ہے

اور اس کے ذریعہ سے زندہ خدا مل جاتا ہے۔ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ خدا اس سے اور اس کے دین سے اور اس کے محبت سے محبت کرتا ہے۔ اور یاد رہے کہ درحقیقت وہ زندہ ہے اور آسمان پر سب سے اس کا مقام برتر ہے۔ لیکن یہ جسم عنصری جو فانی ہے یہ نہیں ہے بلکہ ایک اور نورانی جسم کے ساتھ جو لازوال ہے اپنے خدائے مقتدر کے پاس آسمان پر ہے۔“

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 118-119 حاشیہ)

اسی طرح آپ اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے نصیحت فرماتے ہیں:-
 ”نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو۔ اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دوتا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی۔ بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے۔ اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہء تشریحی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اس کی روحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لئے ضروری تھا۔ کیونکہ ضرور تھا کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جب تک کہ محمدی سلسلہ کے

لئے ایک مسیح روحانی رنگ کا نہ دیا جاتا جیسا کہ موسوی سلسلہ کے لئے دیا گیا تھا۔“ (کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 13-14)

سُرمہ چشم آریہ میں آپؐ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفسی نقطہ کو کائنات کے ظہور کی علتِ غائی قرار دیا ہے۔ تعجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء پر فضیلت کے بارہ میں ان حوالہ جات کی موجودگی میں معترضین آپؐ کی بعض عبارتوں کو غلط معنی دے کر آپؐ کے خلاف یہ ناجائز پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ آپؐ یہ بھی فرما چکے ہیں:-

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

جن عبارات سے مخالفین غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:-

اول:- ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہزار معجزے ظہور میں آئے۔
(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 153)

دوم:- ”اُس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔“ (تمہ ہقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 503)

ان ہر دو عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ مرزا صاحبؒ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تو تین ہزار معجزات تسلیم کرتے ہیں اور اپنے تین لاکھ تک قرار دیتے ہیں۔

الجواب :- معجزہ اور نشان میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ یعنی ہر معجزہ نشان تو ہوتا ہے مگر ہر نشان معجزہ نہیں کہلا سکتا پس ایک معجزہ کئی نشانوں پر مشتمل ہو سکتا ہے مگر ایک نشان کئی معجزوں پر مشتمل نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :-
 ”ایک جلسہ کرو اور ہمارے معجزات اور پیشگوئیاں سنو۔ اور ہمارے گواہوں کی شہادت رویت جو حلفی شہادت ہوگی قلم بند کرتے جاؤ اور پھر اگر آپ کے لئے ممکن ہو تو باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں کسی نبی یا ولی کے معجزات کو ان کے مقابل پیش کرو۔“

(نزول المسیح روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 462)

پھر آپ تحریر فرماتے ہیں :-

”اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں کہ جنہوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے۔“

(تمہ حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 547)

مندرجہ بالا دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں اپنے معجزات کم قرار دے رہے ہیں۔ جس پر ”باستثناء ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے“ الفاظ دونوں حوالوں میں شاہد ناطق ہیں۔ ایک اور عبارت ملاحظہ ہو۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

”کسی نبی سے اس قدر معجزات ظاہر نہیں ہوئے جس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ پہلے نبیوں کے معجزات ان کے مرنے کے ساتھ

ہی مر گئے۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اب تک ظہور میں آرہے ہیں۔ اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔“

(تمتہ ھقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 468-469)

نوٹ:- اس عبارت سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ہزار معجزات کا ذکر تحفہ گولڑویہ میں ان معجزات سے تعلق رکھتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ظاہر ہوئے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تو ایک دریا رواں ہے جس کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس لحاظ سے آپ کے معجزات شمار سے باہر ہیں۔

اب رہ گئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات سو آپ ان کے متعلق بھی تحریر فرماتے ہیں:-

”جو کچھ میری تائید میں ظاہر ہوتا ہے، دراصل وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔“

(تمتہ ھقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 469)

پس افضلیت کا الزام معجزات کی بناء پر سراسر جھوٹا الزام ہے۔ تحفہ گولڑویہ میں جن تین ہزار معجزات کا ذکر آیا ہے ان سے مراد صرف وہ معجزات ہیں جو صحابہ کرام کی شہادتوں سے ثابت ہیں۔ ملاحظہ ہو تصدیق النبی صفحہ 20۔ فرماتے ہیں:-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو چاروں طرف سے چمک رہے ہیں۔ کیونکر چھپ سکتے ہیں۔ صرف وہ معجزات جو صحابہ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزہ ہے اور پیشگوئیاں تو دس ہزار سے بھی زیادہ ہوں گی جو اپنے وقتوں پر پوری ہوتی جاتی ہیں۔“

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں معجزات

کے علاوہ ہیں۔ پھر جب ان معجزات اور پیشگوئیوں کی تصدیق کرنے والوں کا شمار کیا جائے تو ہر ایک مصدق ان پیشگوئیوں اور معجزات کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک نشان ہے۔ اور ہمارے زمانہ میں بھی جو لوگ آپ کے معجزات اور پیشگوئیوں کے مصدق ہیں اور قیامت تک مصدقین پیدا ہوتے چلے جائیں گے وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان ہیں۔ پس آپ کے نشانوں کی تو کوئی حد بسط ہی نہیں ہو سکتی۔ وہ تو شمار سے باہر ہیں۔ خود قرآن کریم ہی ایک ایسا معجزہ ہے جس کو کروڑوں آدمی قبول کر کے اس کی صداقت کی گواہی دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے ثبوت میں درحقیقت گواہ ہیں اور وہ کروڑوں انسان نشانوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر جو نشان ظاہر ہو رہے ہیں یہ بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی افاضہ ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”یہ سہولتِ کامل (نشر و اشاعت کی) پہلے کسی نبی یا رسول کو ہرگز نہیں ہوئی۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے باہر ہیں۔ کیونکہ جو کچھ مجھے دیا گیا وہ انہیں کا ہے۔“ (نزول المسیح۔ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 401 حاشیہ)

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ بھی تحریر فرماتے ہیں:-

”کراماتِ اولیاء سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہیں۔“

(کشف المحجوب مترجم اردو۔ باب 14۔ فرق معجزات و کرامات صفحہ 257 شائع کردہ برکت علی اینڈ سنز علمی پریس)

دو گرہن:

معترض کہتا ہے کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک نشان گرہن کا ظاہر ہوا تھا۔ اور میرے لئے دو نشان گرہن کے ظاہر ہوئے۔ چنانچہ ان کا شعر ہے:-

لَهُ خَسَفَ الْقَمَرَ الْمُنِيرُ وَإِنَّ لِي
غَسَا الْقَمَرَانِ الْمُشْرِقَانِ أَتُنْكِرُ

اس شعر سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دیتے ہیں سراسر نادانی ہے۔ کیونکہ مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جو چاند اور سورج کو گرہن لگا۔ یہ اگرچہ امام مہدی کے ظہور کی تصدیق کے لئے لگا۔ مگر دراصل یہ دونوں گرہن حدیث دارقطنی کی ایک پیشگوئی کی بناء پر ہیں۔ پس وہ پیشگوئی جو عظیم الشان دونشانوں پر مشتمل تھی۔ اس کا ظہور گو امام مہدی کے دعویٰ کی صداقت کی دلیل ہے مگر ساتھ ہی یہ دونوں گرہن درحقیقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے بھی بین نشان ہیں اس طرح حضرت امام مہدی کی صداقت کے لئے دو آسمانی نشان ظاہر ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر تین آسمانی نشان گواہ ہو گئے۔ اب بتاؤ پلہ کدھر بھاری رہا؟

نوٹ:- یاد رہے کہ خسف کا لفظ خسوف یعنی گرہن کے معنوں میں بھی آتا ہے اور کسی گڑے کی زمین کے پھٹ کر دھنس جانے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خسف القمر کے نشان سے مراد شق القمر کے معجزہ کا ظہور ہے۔ قرآن مجید میں گڑہ ارضی کے متعلق آیا ہے کہ فرعون کے زمانہ میں قارون کا گھر حف ارض سے زمین میں دھنس گیا۔ جیسا کہ فرماتا ہے:-

فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ۔ (القمر: 81)

اس سلسلہ میں مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے اپنی کتاب ”قادیانیت“ میں بحوالہ خطبہ الہامیہ یہ بیان کیا ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں تھیں۔ بعثت اول آدم سے پانچویں ہزار میں ہوئی اور دوسری بعثت مسیح موعود کی بروزی صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار کے آخر میں ہوئی اور ایک

عبارت کی بناء پر یہ خیال آپ کی طرف منسوب کیا ہے کہ کمالاتِ نبوت اور کمالاتِ روحانیت نے زمانہ کے ساتھ ساتھ ترقی کی ہے اور ان کا ظہور ان کی ذات میں ہوا ہے۔

جس عبارت سے وہ یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے:-

اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقی کا منتہی نہ تھا۔ بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لئے پہلا قدم تھا۔ پھر اسی روحانیت نے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی اس وقت پوری طرح سے تجلی فرمائی۔ جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں احسن الخالقین خدا کے اذن سے پیدا ہوا اور خیر الرسل کی روحانیت نے اپنے ظہور کے کمال کے لئے اور اپنے نور کے غلبہ کے لئے ایک مظہر اختیار کیا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کتابِ مبین میں وعدہ فرمایا ہے۔ پس میں وہی مظہر ہوں اور وہی نورِ معبود ہوں۔

اس عبارت کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ مسیح موعودؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کے کامل ظہور کے لئے اور آپ کے نور کے دنیا میں غالب کرنے کے لئے ایک مظہر کی حیثیت دی ہے۔ یعنی یہ ظاہر کیا ہے کہ آپ کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کے اہل کا دنیا پر کامل ظہور ہوگا اور آپ کے نور کا انتشار غالب آئے گا۔ یہ روحانیت دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان ہوئی ہے۔ اور مسیح موعودؑ کو اس روحانیت اور نورانیت کے انتشار کے لئے بطور مظہر ایک درمیانی واسطہ کی حیثیت دی گئی ہے۔ پس روحانیت اور نور تو اصل کا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کامل روحانیت اور نور کے انتشار کے لئے محض ایک آلے اور خادم کی حیثیت رکھتے

ہیں۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے کمالات میں بڑھ نہیں سکتا اور مقامِ ظلیت میں اسے جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ اپنے اصل سے مستفاض و مکتسب ہوتا ہے۔ خطبہ الہامیہ کا یہ مضمون سورۃ صف کی آیت سے وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ اور آیت لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ پہلی آیت میں نورِ نبوی یعنی روحانیت کے انتشار کا اتمام مقصود ہے اور دوسری میں نورِ ہدایت کے ادیان پر غلبہ کا ذکر ہے جو مفسرین کے بیان کے مطابق مسیح موعودؑ کے ذریعہ ہونے والا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ اشتہار ایک غلطی کے ازالہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”مورد بروز حکم نفی وجود کا رکھتا ہے۔“

یعنی کمالات کے ظہور میں موردِ بروزنی ذات منفی ہوتی ہے اور معدوم محض ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ فانی فی الاصل ہو کر اپنے اصل کے کمالات کے ظہور کے لئے آئینہ بن جاتا ہے۔ اس کے کمالات ذاتی نہیں ہوتے بلکہ اس سے جو کمالات ظاہر ہوتے ہیں ان کا مرجع حقیقت میں اصل ہی ہوتا ہے جس کا وہ موردِ بروز بروز ہوتا ہے۔ پس مورد بروز زیادہ سے زیادہ آئینے کی طرح اصل کے کمالات ظاہر کرنے کے لئے ایک آلے کی حیثیت رکھتا ہے اور کمالات کے ظہور میں اس کا وجود منفی سمجھا جانا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجة الله البالغة جلد اول کے باب ”حقیقة النبوة و خواصها“ میں بھی تسلیم کی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:-

”وَاعْظُمُ الْأَنْبِيَاءُ شَأْنًا مِّنْ لَهُ نَوْعٌ آخَرَ مِنَ الْبَعْثِ

أَيْضًا وَذَلِكَ أَنْ يَكُونَ مُرَادُ اللَّهِ تَعَالَى فِيهِ سَبَبًا لِّخُرُوجِ النَّاسِ

مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَأَنْ يَكُونَ قَوْمُهُ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

فَيَكُونَ بَعْثُهُ يَتَنَاوَلُ بَعْثًا آخَرَ“

ترجمہ:- شان میں سب سے بڑا نبی وہ ہے جس کی ایک دوسری قسم کی بعثت بھی ہو۔ اور وہ اس طرح ہے کہ مراد اللہ تعالیٰ کی دوسری بعثت میں یہ ہے کہ وہ تمام لوگوں کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لانے کا سبب ہو۔ اور اس کی قوم خیر اُمت ہو جو تمام لوگوں کے لئے نکالی گئی ہو۔ لہذا اس نبی کی پہلی بعثت دوسری بعثت کو بھی لئے ہوئے ہوگی۔“

اور اُمت سے جو کمالات ظاہر ہوتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ ہی کا مقصود ہیں۔ گویا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی روحانیت کا انتشار ہوتا ہے اور مسیح موعود کی شان میں وہ فرماتے ہیں۔

”يَزْعَمُ الْعَامَّةُ أَنَّهُ إِذَا نَزَلَ فِي الْأَرْضِ كَانَ وَاحِدًا مِنَ الْأُمَّةِ كَلَّا بَلْ هُوَ شَرَحٌ لِلْإِسْمِ الْجَامِعِ الْمُحَمَّدِيِّ وَنُسْخَةٌ مُنْتَسِخَةٌ مِنْهُ فَشَتَانٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحَدٍ مِنَ الْأُمَّةِ“

(الخير الكثير صفحہ 72 مطبوعہ بجنور مدینہ پریس)

ترجمہ:- عوام کا خیال ہے کہ مسیح جب زمین کی طرف نازل ہوگا تو وہ صرف ایک امتی ہوگا۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ تو اسم جامع محمدی کی پوری تشریح ہوگا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل ظن اور بروز ہوگا) اور آپ ہی کا دوسرا نسخہ ہوگا۔ جو آپ کے فیض سے مکتب ہوگا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بعثتِ ثانیہ ہوگا۔

پھر آپ اسی جگہ فرماتے ہیں:-

”حَقُّ لَهُ أَنْ يُنْعَكِسَ فِيهِ أَنْوَارُ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ“

کہ مسیح موعود کا حق ہوگا کہ اس میں سید المرسلین کے انوار منعکس ہوں۔

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک مسیح موعود کی حیثیت آئینہ کی طرح ہے

جس کے کمالات ذاتی نہیں ہوں گے بلکہ انعکاسی ہوں گے۔ اور ان کمالات کا مرجع دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے۔ سورج کا انعکاس کرنے والے آلات کو سورج کے مخالف یا اس سے افضل قرار دینا نادانی ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع جمیع کمالاتِ انبیاء تھے۔ اور مسیح موعود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان کے مطابق ان کے اسم جامع محمدی کی پوری شرح ہے۔ اس لئے اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے:-

آنچه داد است ہر نبی را جام
داد آں جام را مرا تمام
انبیاء گرچہ بودہ اند بے
من بعرفاں نہ کم تر ز کسے
آدم نیز احمد مختار
در برم جامہء ہمہ ابرار
اس کے باوجود وہ یہ فرماتے ہیں:-

لیک آئینہ ام ز رب غنی
از پئے صورتِ مہ مدنی
کہ میں رب غنی کی طرف سے ماہِ مدنی کے سامنے ایک آئینہ کی حیثیت رکھتا ہوں۔

افسوس ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے اپنی کتاب قادیانیت میں اس شعر کو عمدہ اچھپایا ہے۔ پس انعکاسی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ ہونے کی وجہ سے مسیح موعود کا حق تھا کہ وہ کہتا

زندہ شد ہر نبی بآمدنم
ہر رسولے نہاں پیراہنم

اور اسے حق تھا کہ یہ اعلان کرتا:-

روضہ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تک

میرے آنے سے ہوا کامل بجز برگ و بار

کیونکہ مسیح موعود کی آمد اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے مقدر تھی اور یہ نشاۃ اس غایت درجہ کو پہنچنے والی ہے کہ تمام ملتیں ہلاک ہو جائیں اور اسلام دنیا میں غالب آجائے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”يُهْلِكُ اللَّهُ فِي زَمَانِهِ الْجَمَلَ كُلَّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ“

کہ اللہ تعالیٰ اس کے زمانے میں سب ملتوں کو بجز اسلام کے ہلاک کر دے گا۔

دلائل کے ساتھ تو ملل باطلہ کی ہلاکت ہو چکی حسب آیت:-

لِيُهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ - (الانفال: 43)

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اور نور کے انتشار کے ذریعہ جو مسیح موعود کی جماعت کے ہاتھوں اکناف عالم میں ہو رہے انشاء اللہ اسلام ظاہری طور پر بھی غالب آجائے گا اور روضہ آدم کی تکمیل ہو جائے گی۔

اس جگہ ایک لطیف نکتے کا یاد رکھنا ضروری ہے۔ خطبہ الہامیہ کے اقتباس میں یہ لکھا ہے کہ پانچویں ہزار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجمالی صفات کے ساتھ ظہور ہوا۔ اور اس کی تکمیل اور تجلی چھٹے ہزار میں علی وجہ الکمال مقدر تھی۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ تکمیل اجمالی کمالات کے کامل انتشار اور تجلیات کے لحاظ سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات کا اجمالی علم حاصل ہے لیکن واقعات کے ظہور پر اس اجمال کی تفصیل ہو جاتی ہے۔ پس اس تکمیل نور اور روحانیت کا مرجع خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ مرزا غلام احمد کا وجود۔

مرزا غلام احمدؑ مسیح موعود ہو کر صرف ان اجمالی کمالات آنحضرتؐ کی تجلیات سے متجلی ہو کر جو آنحضرتؐ کے وجود میں کمال تام حاصل کر چکی ہیں بمنزلہ آلہ کے ہیں۔ اس میں کیا شک ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقیات روحانیہ غیر محدود ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات لازوال، غیر محدود اور ابدی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ سے آنحضرتؐ پر فیوض الہیہ کا نزول بھی لازوال اور ابدی ہے اور آپؐ اپنی شان میں ہر آن بڑھ رہے ہیں۔ اگر آپؐ نے ایک مقام پر منجمد ہو کر رہ جانا ہوتا۔ تو پھر درود شریف کی امت کو تلقین کیوں کی جاتی کہ اے اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی خاص رحمتیں نازل کرتا رہ اور آپؐ کو سلامتی پر سلامتی عطا کرتا جا۔ اگر دینا دلانا کچھ نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے درود شریف کا سکھانا ایک عبث فعل ہوتا۔ پس سچی بات یہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمالات میں ہر آن ترقی کر رہے ہیں۔ اور اس ترقی کی کوئی انتہاء نہیں۔ بلکہ ہر آنے والے زمانہ میں خدا تعالیٰ سے فیوض حاصل کرنے کی وجہ سے آپؐ کی روحانیت ہمیشہ ترقی پاتی رہے گی۔ اور اس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ اولیاء امت نے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ حقیقت محمدیہ ترقی پذیر رہے گی۔ چنانچہ مجید دال ف ثانی ”تحریر فرماتے ہیں:-

”فقیر در رسالہ مبدء و معاد نوشتہ است کہ حقیقت محمدیؑ از مقام خود عروج نموده بمقام حقیقت کعبہ کہ فوق اوست رسیدہ ممتد گردد و حقیقت محمدیؑ حقیقت احمدی نام یابد۔ آں حقیقت کعبہ ظل از اظلال ایں حقیقت بودہ۔“

(مکتوبات امام ربانی)

ترجمہ:- فقیر نے اپنے رسالہ مبدء و معاد میں لکھا ہے کہ حقیقت محمدیؑ اپنے مقام سے حقیقت کعبہ کے مقام کی طرف عروج اختیار کر کے پہنچے گی جو اس سے بالا ہے۔ اور اُس وقت حقیقت محمدیؑ کا نام حقیقت احمدی ہوگا۔ اور حقیقت کعبہ حقیقت محمدیؑ کے اظلال میں سے ایک ہے۔

اور یہ امر امام مہدی کے لئے تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ بعض انبیاء سے بھی افضل ہوگا۔ چنانچہ ابن سیرین فرماتے ہیں:-

”قَالَ يَكُونُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ خَلِيفَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ. قِيلَ خَيْرٌ مِنْهُمَا قَالَ قَدْ كَادَ يَفْضُلُ عَلَى بَعْضِ الْأَنْبِيَاءِ“

(حجج الکرامۃ صفحہ 386)

ترجمہ:- ”کہا کہ اس امت میں ایک خلیفہ ہوگا جو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے بہتر ہوگا۔ کہا گیا کیا ان دونوں سے بہتر ہوگا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ قریب ہے کہ وہ بعض انبیاء سے بھی افضل ہو۔“

اور امام مہدی کے متعلق شرح فصوص الحکم میں لکھا ہے:-

”الْمَهْدِيُّ الَّذِي يَجِيءُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ فَإِنَّهُ يَكُونُ فِي الْأَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ تَابِعًا لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْمَعَارِفِ وَالْعُلُومِ وَالْحَقِيقَةِ تَكُونُ جَمِيعُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ تَابِعِينَ لَهُ كُلُّهُمْ وَلَا يُنَاقِضُ مَا ذَكَرْنَاهُ لِأَنَّ بَاطِنَهُ بَاطِنُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ“ (شرح فصوص الحکم مصری صفحہ 35)

ترجمہ:- آخری زمانہ میں جو الامام المہدی آئے گا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے احکام کا تابع ہوگا۔ اور معارف و علوم اور حقیقت میں تمام انبیاء اور اولیاء اس کے تابع ہوں گے۔ اور یہ بات ہمارے مذکورہ بیان کے نقیض نہیں۔ کیونکہ امام مہدی کا باطن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی باطن ہوگا۔

بعض لوگ قاضی اکمل صاحب کا شعر پیش کرتے ہیں:-

محمدؐ پھر اتر آئے ہیں ہم میں

اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں

کیونکہ اس شعر سے فی الواقعہ غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ اس لئے میں نے یہ شعر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اگست 1934ء میں پیش کیا۔ اور نیز ڈاکٹر شاہ نواز صاحب کی ایک عبارت بھی پیش کی جو میرے نزدیک قابل اعتراض تھی۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؒ نے اس شعر کی نسبت تحریر فرمایا:-

”ایسے لفظ پھر بھی ناپسندیدہ اور بے ادبی کے ہیں۔“

اور ڈاکٹر صاحب کے الفاظ کو بھی حضورؐ نے ”ناپسندیدہ اور نامناسب“ قرار دیا۔ (دیکھو الفضل 19، اگست 1934ء صفحہ 5 کا لم نمبر 1-2) پھر میں نے قاضی اکمل سے اس شعر کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میری مراد یہ ہے کہ مسیح موعود باقی مجددین امت سے بڑھ کر ہیں اور یہ ہر ایک مجدد اپنے زمانہ میں بروز محمدؐ تھا۔

گالیوں کا الزام

اعتراض:- مرزا صاحب نے اپنے مخالفوں کو گالیاں دیں۔ چنانچہ آئینہ کمالات اسلام میں لکھا ہے:-

”كُلُّ مُسْلِمٍ..... يَقْبَلُنِي وَيُصَدِّقُ دَعْوَتِي إِلَّا ذُرِّيَّةَ الْبَغَايَا“

نیز لکھا ہے:-

إِنَّ الْعِدَا صَارُوا خَنَازِيرَ الْفَلَاحِ

وَنَسَاتُهُمْ مِنْ دُونِهِنَّ إِلَّا كُتْلَبُ

(نجم الہدی)

پہلی عبارت میں مخالفین کو ذریعہ البغایا یعنی کجخیوں کی اولاد کہا ہے۔
اور دوسری عبارت میں اپنے مخالفین کو سؤرا اور ان کی عورتوں کو کتّیوں سے
بدتر کہا ہے؟

الجواب:- (الف) آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 547-548
کی عبارت میں دراصل ایک پیشگوئی ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ”سارے مسلمان
مجھے قبول کر لیں گے۔ سوائے ذریعہ البغایا کے“۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ
”لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى أَشْرَارِ النَّاسِ“۔ یعنی قیامت صرف شریر لوگوں پر
ہی قائم ہوگی۔ گویا نیک لوگ اس سے پہلے اٹھالیے جائیں گے۔ جب آپؐ نے یہ
فقہہ لکھا۔ اس وقت بہت تھوڑے مسلمانوں نے آپؐ کو قبول کیا تھا۔ اور یہ امر اس
بات پر قرینہء حالیہ ہے کہ اس فقہہ کا تعلق کسی آئندہ زمانہ سے ہے جب کہ ایسا کوئی
مسلمان نہ رہے گا جس نے آپؐ کو قبول نہ کیا ہو۔ اور آپؐ کا مصدق نہ ہو۔ وہ وقت
آتا ہے کہ جب آپؐ کا غیر مصدق کوئی مسلمان نہیں ہوگا۔ بلکہ غیر مسلموں میں سے
جو لوگ سرکش طبیعت کے مالک ہیں وہی آپؐ کے مذب ہوں گے۔ پس الا کا
استثناء اس جگہ بطور استثناء منقطع کے ہے۔ یعنی یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ
ذریعہ البغایا وہ غیر مسلم ہوں گے جنہوں نے آپؐ کو قبول نہیں کیا ہوگا نہ کہ مسلمان۔
پس اس عبارت کو خواہ مخواہ اس زمانہ کے مسلمانوں کے متعلق سمجھنا جنہوں نے آپؐ
کو قبول نہیں کیا قرینہء حالیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ عبارت میں ”كُلُّ مُسْلِمٍ“ کا
لفظ بتاتا ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں رہے گا۔ جس نے آپؐ کو قبول نہ کیا ہو۔
الا کے استثناء منقطع ہونے کی مثال قرآن مجید میں بھی موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
”فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا ابْنُ سُلَيْمٍ“۔ کہ تمام ملائکہ نے آدمؑ
کی خاطر سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس جگہ الا کا لفظ استثناء منقطع کے لئے ہے۔

کیونکہ ابلیس ملائکہ میں سے نہ تھا اس کے متعلق دوسری جگہ صاف لکھا ہے:-

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ۔ (الکھف: 51)

کہ وہ جنوں میں سے تھا۔ پس اُس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔
 ”ذُرِّيَّةَ الْبَغَايَا“ کا لفظ اس فقرہ میں اپنے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں
 ہوا بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور قرینہ لفظیہ اس پر اگلا فقرہ ”الَّذِينَ
 خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ“ ہے کہ ذریۃ البغایا سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن کے
 دلوں پر مہر لگ چکی ہو۔ اور قرینہء حالیہ یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ منکر مامورین
 کا نسب ضرور گندا ہو۔

پس اس جگہ روحانی طور پر ذُرِّيَّةَ الْبَغَايَا مراد ہیں نہ کہ جسمانی طور پر۔ اور
 روحانی طور پر ذُرِّيَّةَ الْبَغَايَا سے مراد ایسے سرکش لوگ ہوتے ہیں جن کا ایمان نہ لانا
 مقدر ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے ایک مخالف کو
 مخاطب کرتے ہوئے نظم میں کہا:-

اِذْ يَتَنَبَّيْ خُبْنًا فَلَسْتُ بِصَادِقٍ

اِنْ لَمْ تَمُتْ بِالْخِزْيِ يَابْنَ بَغَاءٍ

اور خود اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں (انجام آتھم میں اس شعر کا ترجمہ
 مولوی عبدالکریم صاحب نے لفظی کر دیا ہے۔ مگر مراد وہی ہو سکتا ہے جو ترجمہ
 حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود کیا ہے:-

”خباثت سے تو نے مجھے ایذا دی ہے۔ پس اگر تو اب رسوائی سے

ہلاک نہ ہوا تو میں اپنے دعویٰ میں سچا نہ ٹھہروں گا۔ اے سرکش انسان۔“

(الحکم جلد 11 نمبر 7 مورخہ 24 فروری 1907ء صفحہ 12 کالم نمبر 2)

جس طرح ابن بغایا سے مراد بختری کا بیٹا نہیں اسی طرح ذُرِّيَّةَ الْبَغَايَا سے

مراد کنجریوں کی اولاد نہیں کیونکہ محل مجازی استعمال کا ہے۔ جیسے حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:-

”مَنْ شَهِدَ عَلَيْهَا بِالزِّنَاءِ فَهُوَ وَلَدُ الزِّنَاءِ“

(کتاب الوصیت مطبوعہ حیدرآباد صفحہ 39)

کہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگائے وہ ولد الزنا یعنی حرام زادہ ہے۔

اس جگہ یہ الفاظ بھی بطور مجاز کے ہیں یعنی وہ شخص روحانیت سے محروم ہے۔
فرزند اسلام نہیں۔

ذریۃ البغایا کے الفاظ انہیں معنوں میں حضرت امام ابو جعفر علیہ السلام نے استعمال فرمائے ہیں۔ چنانچہ ابو حمزہ سے مروی ہے:-

”عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَهُ إِنَّ بَعْضَ أَصْحَابِنَا يَفْتَرُونَ وَيَقْدِفُونَ مَنْ خَالَفَهُمْ فَقَالَ الْكَفُّ عَنْهُمْ أَجْمَلُ ثُمَّ قَالَ وَاللَّهِ يَا أَبَا حَمْزَةَ! إِنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ أَوْلَادُ بَغَايَا مَا خَلَا شِيعَتَنَا“

(فروع کافی جلد 3 کتاب الروضة صفحہ 135 مطبوعہ نول کشور)

ابو حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت باقر علیہ السلام سے کہا کہ بعض لوگ اپنے مخالفین پر افتراء باندھتے اور بہتان لگاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا اچھا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے ابو حمزہ! خدا کی قسم ہمارے گروہ کے سوا باقی تمام لوگ اولادِ بغایا ہیں۔ مراد یہ ہے کہ دشمنانِ اہل بیت سرکش ہیں۔

اخبار مجاہد لاہور 3 مارچ 1936ء میں لکھا گیا تھا کہ:-

”ولد البغایا، ابن الحرام اور ولد الحرام، ابن الحلال، بیٹ الحلال

وغیرہ۔ یہ سب عرب کا اور ساری دنیا کا محاورہ ہے جو شخص نیکو کاری کو ترک کر کے بدکاری کی طرف جاتا ہے اس کو باوجود یکہ اس کا حسب و نسب درست ہو۔ صرف اعمال کی وجہ سے ابن الحرام ولد الحرام کہتے ہیں۔ اس کے خلاف جو نیک کار ہوتے ہیں۔ ان کو ابن حلال کہتے ہیں۔ اندریں حالات امام علیہ السلام کا اپنے مخالفین کو اولادِ بغایا کہنا بجا اور درست ہے“

پس آئینہ کمالاتِ اسلام کی عبارت میں ذریۃ البغایا سے مراد ہدایت سے دور یا سرکش انسان ہی ہیں نہ کہ حقیقت میں کنجریوں کی اولاد۔ عربی زبان میں بغیہ رشد کی نفیض ہے ملاحظہ ہو لسان العرب۔ بَغْيٌ کے معنی لوٹڈی کے بھی ہیں فاجرہ ہو یا نہ۔ (ب) نجم الہدیٰ کے شعر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدِ نظر مسلمان مخالفین نہیں بلکہ مراد اعداءِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

”بے شک دشمن (نہ کہ مخالفین) جنگل کے سور بن گئے اور اُن کی عورتیں ایسی ہیں کہ کتیاں بھی اُن سے کم تر“۔

اگلا شعر اس پر قرینہ ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

سَبُّوا وَ مَا أَذْرِي لِأَيِّ جَرِيْمَةٍ

سَبُّوا أَنْعَصِي الْحَبَّ أَوْ نَتَجَنَّبُ

کہ اُنہوں نے گالیاں دی ہیں (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو) اور میں نہیں جانتا کہ آپ کے کس جرم کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ انہوں نے گالیاں تو دی ہیں تو کیا ہم اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نافرمان ہو جائیں گے۔ یعنی ان کے اعتراضوں اور گالیوں سے ایسا ہونا محال ہے کہ ہم ان کی گالیوں کی وجہ سے کنارہ کش ہو جائیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ان شعروں میں وہ لوگ مراد نہیں جو مسلمانوں میں سے آپ کے مخالف ہیں بلکہ وہ غیر مسلم مرد اور عورتیں مراد ہیں۔ جو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔ جنگل کے سؤ اور کیتوں سے کم تر کے الفاظ ضرور ایسے لوگوں کے مناسب حال ہیں جو سید الانبیاء فخر المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں۔ کیونکہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں دے سکتے۔

قرآن کریم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر یہودیوں کو بندر اور سؤر۔ شیطان کے پرستار اور شر البریۃ تک قرار دیا ہے یعنی تمام مخلوق میں سے بدتر یعنی کتوں اور سؤروں اور کیڑوں اور مکوڑوں سے بدتر اور پھر انہیں کمثل الحمار بھی کہا ہے۔ ان کے متعلق یہ بھی لکھا ہے:-

وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ
أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا۔ (المائدة: 61)

نیز فرمایا:-

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي
نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ۔ (البینۃ: 7)

کہ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے اہل کتاب اور مشرکوں میں سے وہ رہتے چلے جائیں گے جہنم کی آگ میں۔ وہی لوگ بدترین خلایق ہیں۔

اور یہود کی شان میں کہا ہے مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ
ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا۔

(الجمعة: 6)

کہ جن لوگوں پر تورات کی اطاعت واجب کی گئی مگر باوجود اس کے انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ ان کی مثال گدھے کی ہے جس نے بہت ساری کتابیں اٹھائی ہوئی ہیں۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ سخت الفاظ کا اپنے محل پر استعمال عند الشرع جائز ہے۔ لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوَاءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلِمَ ۖ۔ (النساء: 149) آیت سے ظاہر ہے کہ مظلوم جواب میں اعلانیہ سخت الفاظ استعمال کر سکتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ سخت الفاظ اپنے محل پر بعض خاص مصالح کے ماتحت ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تحریر فرماتے ہیں:-
سخت الفاظ استعمال کرنے کی وجہ

”مخالفوں کے مقابل پر تحریری مباحثات میں کسی قدر میرے الفاظ میں سختی استعمال میں آئی تھی۔ لیکن وہ ابتدائی طور پر سختی نہیں ہے بلکہ وہ تمام تحریریں نہایت سخت حملوں کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ مخالفوں کے الفاظ ایسے سخت اور دشنام دہی کے رنگ میں تھے جن کے مقابل پر کسی قدر سختی مصلحت تھی۔ اس کا ثبوت اس مقابلہ سے ہوتا ہے۔ جو میں نے اپنی کتابوں اور مخالفوں کی کتابوں کے سخت الفاظ اکٹھے کر کے کتاب مسل مقدمہ مطبوعہ کے ساتھ شامل کیے ہیں۔ جس کا نام میں نے کتاب البریہ رکھا ہے۔ بایں ہمہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ میرے سخت الفاظ جوابی طور پر ہیں۔ ابتدا سختی کی مخالفوں کی طرف سے ہے اور میں مخالفوں کے سخت الفاظ پر بھی صبر کر سکتا تھا لیکن دو مصلحت کے سبب سے میں نے جواب دینا مناسب سمجھا تھا۔

اول یہ کہ تا مخالف لوگ اپنے سخت الفاظ کا سختی میں جواب پا کر اپنی روش بدلائیں اور آئندہ تہذیب سے گفتگو کریں۔

دوم یہ کہ تا مخالفوں کی نہایت ہتک آمیز اور غصہ دلانے والی تحریروں سے عام مسلمان جوش میں نہ آئیں اور سخت الفاظ کے جواب بھی کسی قدر سخت

پاکر اپنی پُر جوش طبیعتوں کو اس طرح سمجھالیں کہ اگر اس طرف سے سخت الفاظ استعمال ہوئے تو ہماری طرف سے بھی کسی قدر سختی سے جواب ان کو مل گیا۔“ (کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 11)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریروں میں جو سخت استعمال کئے ہیں۔ وہ مظلومانہ حالت میں کئے ہیں اور وہ بھی انتہائی صبر کے بعد اور اس رنگ میں انتقام لینا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ برائی کا بدلہ اس کے مثل دیا جاسکتا ہے۔ جب کہ مصلحت کا تقاضا بدلہ دینے کا ہو۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا الْعُلَمَاءِ الصّٰلِحِيْنَ وَقَدْ حُشِرَ الشُّرَفَاءُ الْمُهَذَّبِيْنَ سَوَاءٌ كَانُوْا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَوِ الْمَسِيْحِيِّيْنَ اَوِ الْاَرِيَّةِ“
(لُجَّة النور۔ روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 409)

ترجمہ:- ہم صالح علماء کی ہتک سے اور مہذب شرفاء کی شان گرانے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ خواہ مسلمانوں میں سے ہوں یا آریوں میں سے۔ نیز فرماتے ہیں:-

”لَيْسَ كَلَامًا هٰذَا فِيْ اَخْيَارِهِمْ بَلْ فِيْ اَشْرَارِهِمْ“۔

(الهدى و التبصرة لمن يرى. روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 3)

ترجمہ:- ہمارا یہ کلام ان کے بھلوں کے متعلق نہیں بلکہ ان کے شریروں کے متعلق ہے۔

جہاد کی منسوخی، انگریزوں کی خوشامد

اور

ان کی طرف سے کھڑائے جانے کا الزام

الجواب:

1- اس الزام کے جواب میں واضح ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاد کو جو قرآن میں مسلمانوں کے لئے فرض قرار دیا گیا ہے، ہرگز منسوخ نہیں کیا۔ جہاد کا مادہ جُہد بمعنی کوشش کرنا ہے۔ اور دین کی راہ میں ہر وہ کوشش جو کی جائے یہ مجاہدہ جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے۔ کیونکہ جہاد مکہ میں فَلَا تَطْعِمُ الْكُفْرَيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔ (الفرقان: 55) کے ذریعہ ان معنوں میں فرض ہو چکا تھا کہ قرآن کی اشاعت کرو۔ جہاد بمعنی قتال (جنگ)۔ مدینہ منورہ میں آیت جہاد فی سبیل اللہ کو صرف قتال یعنی جنگ میں محدود قرار دینا از روئے قرآن مجید درست نہیں۔ کیونکہ قتال مدینہ میں جا کر فرض ہوا تھا جبکہ یہ آیت نازل ہوئی:-

أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقَتِّلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا (الحج: 40)

مدافعت کے لئے فرض ہوا اور صاف طور پر ہدایت کی گئی

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ (البقرة: 190)

”اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اور زیادتی نہ کرو اور یاد رکھو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں سے ہرگز محبت نہیں رکھتا۔“

آیت 193 میں فرمایا:-

فَإِنْ اٰتَمَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ - (البقرة: 193)

کہ اگر وہ باز آجائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے

والا ہے۔

اس آیت کی رو سے مسلمان جنگ میں ابتداء نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ امر زیادتی کا ہوگا اور زیادتی سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ جنگ کی صورت میں یہ بھی ہدایت ہے کہ:-

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا - (الانفال: 62)

اے نبی! اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں۔ تو تو بھی صلح کی طرف

مائل ہو جا۔

اور سورۃ ممتحنہ میں فرمایا:-

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يِقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ - (الممتحنہ: 9)

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے نیکی کرنے اور عدل کا معاملہ کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دینی اختلاف کی وجہ سے نہیں لڑے اور جنہوں نے تم کو دینی اختلاف کی وجہ سے تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

پس قتال جو جہاد فی سبیل اللہ کی ایک قسم ہے اس کی اجازت اضطراری حالت میں دین کی مدافعت کی خاطر دی گئی ہے۔ مسلمانوں کو دینی لڑائی میں ابتدا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

جہاد کی ایک تیسری قسم جہاد بالنفس ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگ سے واپس آئے تو آپؐ نے فرمایا:-

”رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ“

(تفسیر الرازی، سورۃ الحج آیت 78)

کہ ہم نے چھوٹے جہاد سے جہاد اکبر (بڑے جہاد) کی طرف رجوع کیا۔ یعنی غزوات میں فی سبیل اللہ قتل ہونا یہ چھوٹا جہاد سمجھا گیا۔ اور اپنی نفسانی خواہشوں کا توڑنا بڑا جہاد قرار پایا:-

”قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْجِهَادُ الْأَكْبَرُ قَالَ أَلَا وَهِيَ مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ“

یعنی پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ نفس پر قہر کرنا ہے۔

(کشف المحجوب مترجم اردو شائع کردہ شیخ الہی بخش محمد جلال الدین 1322ھ صفحہ 221)

اس قسم میں اصلاح نفس کے علاوہ دین کے کاموں کے لئے زندگی وقف کرنا بھی داخل ہے۔

مولوی ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:-

”جہاد کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنی صرف لڑنے کے ہیں..... حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی عملی وسعت کو بالکل محدود کر دیتا ہے۔ جہاد کے معنی کمال درجہ کی کوشش کرنے کے ہیں۔ قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کمال درجہ سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی اور سچائی کی راہ میں کی جائے جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ سعی زبان سے بھی ہے۔ مال سے بھی

ہے۔ انفاق وقت و عمر سے بھی ہے محنت و تکالیف برداشت کرنے سے بھی ہے اور دشمنوں کے مقابلے میں لڑنے اور اپنا خون بہانے سے بھی ہے۔ جس سعی کی ضرورت ہو اور جو سعی جس کے امکان میں ہو اس پر فرض ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں لغت و شرع دونوں اعتبار سے داخل۔ یہ بات نہیں کہ جہاد سے مقصود مجرّ د لڑائی ہی ہو..... سورۃ فرقان میں ہے۔ فَلَا تَطِيعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔ ”یعنی کفار کے مقابلہ میں بڑے سے بڑا جہاد کرو“۔ سورۃ فرقان بالاتفاق مکی ہے اور معلوم ہے کہ جہاد بالسیف یعنی لڑائی کا حکم ہجرت مدینہ کے بعد ہوا۔ پس غور کرنا چاہئے کہ مکی زندگی میں کون سا جہاد تھا جس کا اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے۔ جہاد بالسیف تو ہو نہیں سکتا۔ یقیناً وہ حق کی استقامت اور اس کی راہ میں تمام مصیبتیں اور شدتیں جھیل لینے کا جہاد تھا۔“

(مسئلہ خلافت و جزیرہ عرب صفحہ 147-148 شائع کردہ سویرا آرٹ پریس لاہور)

مولوی سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:-

”جہاد کے معنی عموماً قتال اور لڑائی کے سمجھے جاتے ہیں۔ مگر مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے..... اس کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں۔ اسی کے قریب قریب اسی کے اصطلاحی معنی بھی ہیں یعنی حق کی بلندی اور اس کی اشاعت اور حفاظت کے لئے ہر قسم کی جدوجہد۔ قربانی اور ایثار گوارا کرنا۔ اور ان تمام جسمانی و مالی و دماغی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں اس کی راہ میں صرف کرنا۔ یہاں تک کہ اس کے لئے اپنی، اپنے عزیز و قریب کی، اہل و عیال کی، خاندان و قوم کی، جان تک کو قربان کر دینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا ان کی تدبیروں کو رائیگاں کرنا ان کے

حملوں کو روکنا اور اس کے لئے جنگ کے میدان میں اگر ان سے لڑنا پڑے تو اس کے لئے بھی پوری طرح تیار رہنا یہی جہاد ہے۔ اور یہ اسلام کا ایک رکن اور بہت بڑی عبادت ہے۔

افسوس ہے کہ مخالفوں نے اتنے اہم اور اتنے ضروری اور اتنے وسیع مفہوم کو، جس کے بغیر دنیا میں کوئی تحریک نہ کبھی سرسبز ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ صرف ”دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ“ کے تنگ میدان میں محصور کر دیا..... یہاں ایک شبہ کا ازالہ کرنا ضروری ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد اور قتال دونوں ہم معنی ہیں حالانکہ ایسا نہیں..... بلکہ ان دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے یعنی ہر جہاد قتال نہیں ہے بلکہ جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قتال اور دشمنوں سے لڑنا بھی ہے۔“

(سیرت النبی جلد پنجم صفحہ 210-211 زیر عنوان ”جہاد“)

مفسرین نے جَاهِدُهُمْ بِمِ جِهَادًا كَبِيرًا کی آیت میں جہاد بالقرآن بھی مراد لیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

”كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ“ الْجِهَادُ الْأَفْضَلُ

(نسائی کتاب البیعت باب فضل من تکلم بالحق عند امام جائر)

یعنی سچی بات ظالم حاکم کے سامنے کہنا جہاد اکبر ہے۔

2- کسی ملک میں بطور رعیت رہتے ہوئے اس حکومت کے خلاف اسلام بغاوت کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ ”الْبَغْيُ بِغَيْرِ الْحَقِّ“ کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ البتہ اگر وہ حکومت جس کی رعایا کے طور پر مسلمان زندگی بسر کر رہے ہوں مداخلت فی الدین کرے یعنی انہیں عبادات سے روکے اور دینی تعلیم پر چلنے نہ دے

تو پھر سنت نبویؐ کے مطابق وہاں سے ہجرت ضروری ہو جاتی ہے نہ کہ قتال۔ ہجرت کرنے کے بعد اگر دشمن حملہ آور ہو۔ تو پھر اس کا مقابلہ بوجہ مظلومیت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب دشمن نے آپؐ کے ماننے والوں کو جبراً مذہب چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہا تو آپؐ نے مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ مگر خود اس وقت تک ہجرت نہ فرمائی جب تک دشمن نے آپؐ کے قتل کا منصوبہ نہ کیا۔ جب عربوں نے آپؐ کے اعدام کا فیصلہ کیا۔ تو خدائی حکم کے ماتحت اس وقت آپؐ نے ہجرت فرمائی۔ قرآن کریم کی ہدایت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یہی امور ثابت ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرامؓ کو حبشہ میں ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی تھی جہاں کا بادشاہ عیسائی تھا۔ انہیں یہ ہدایت نہیں دی تھی کہ وہ جا کر اس بادشاہ سے جنگ کریں بلکہ اس امید پر انہیں بھیجا تھا کہ وہ بادشاہ انہیں امن دے گا اور یہ مسلمان وہاں مستامن کی حیثیت سے رہیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ملکی حکم کے احترام کی اتنی اہمیت تھی کہ جب آپؐ نے مکہ کے مشرکین کی اسلام کی طرف سے لاپرواہی دیکھی۔ اور آپؐ نے طائف میں جا کر پیغام حق سنایا اور انہوں نے مکہ والوں سے بھی بڑھ کر آپؐ سے وحشیانہ سلوک کیا تو آپؐ نے مکہ واپس آنا چاہا۔ لیکن مکہ کی حکومت نے آپؐ سے شہریت کے حقوق غصب کر لیے اور آپؐ کو داخلہ کی اجازت نہ دی۔ تو آپؐ نے ظالم حکومت کے اس علاقائی قانون کو توڑا نہیں۔ بلکہ ایک مشرک حاتم بن عدی کی حمایت سے آپؐ مکہ میں داخل ہوئے اور اس کی وساطت سے آپؐ نے مکہ کی شہریت کے حقوق پھر سے حاصل کئے اور مکہ والوں نے جب آپؐ کے قتل کا منصوبہ کیا۔ تو پھر آپؐ مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔ آپؐ کی یہ سنت اس بات کی روشن

دلیل ہے کہ کسی حکومت میں رہتے ہوئے پر امن طریق سے زندگی بسر کرنی چاہیے اور جب اس حکومت کا ظلم ناقابل برداشت حد تک پہنچ جائے تو اس ملک کو چھوڑ دینا چاہئے۔ بغاوت کا طریق اختیار کرنا سنت نبویؐ کے خلاف ہے۔ ہاں اگر ملکی نظام ہجرت کی اجازت بھی نہ دے اور دین میں بھی مداخلت جاری رکھے تو پھر بغاوت کرنا خلاف حق نہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے 1889ء میں جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی۔ اس سے پہلے انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم ہو چکی ہوئی تھی اور مسلمان بطور مستأمن انگریزوں کی سلطنت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور اپنے پرسنل لاء کی آزادی کے ساتھ انہوں نے انگریزوں کی رعایا ہونا قبول کر رکھا تھا چنانچہ:-

(الف) مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی رقم طراز ہیں:-

”ہندوستان اس وقت بلاشبہ دارالحرب تھا۔ جب انگریزی حکومت یہاں اسلامی سلطنت کو مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس وقت مسلمانوں کا فرض تھا کہ یا تو اسلامی سلطنت کی حفاظت میں جانیں لڑاتے یا اس میں ناکام ہونے کے بعد یہاں سے ہجرت کر جاتے۔ لیکن جب وہ مغلوب ہو گئے، انگریزی حکومت قائم ہو چکی اور مسلمانوں نے اپنے پرسنل لاء (مذہبی قوانین۔ ناقل) پر عمل کرنے کی آزادی کے ساتھ یہاں رہنا قبول کر لیا۔ تو اب یہ ملک دارالحرب نہیں رہا۔“

(نود حصہ اول حاشیہ صفحہ 77 شائع کردہ مکتبہ جماعت اسلامی لاہور۔ طبع اول)

(ب) مولوی حسین احمد صاحب مدنی جیسے سیاسی لیڈر تحریر فرماتے ہیں:-

”اگر کسی ملک میں سیاسی اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہو لیکن مسلمان بھی بہر حال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی

ودینی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو تو وہ ملک حضرت شاہ صاحب (حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث قدس سرہ۔ ناقل) کے نزدیک بے شبہ دار الاسلام ہوگا اور از روئے شرع مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں۔“

(نقش حیات جلد 2 صفحہ 11 مطبوعہ الجمعۃ پریس دہلی)

(ج) مولانا شبلی نعمانی بھی انگریزوں سے جہاد جاز نہیں سمجھتے تھے۔ دیکھئے (تلیخیص از مقالات شبلی جلد اول صفحہ 163 مطبوعہ جنرل بانڈنگ کارپوریشن پریس لاہور)

(د) شمس العلماء مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی مترجم قرآن کریم نے فرمایا تھا:۔
”ہندوؤں کی عملداری میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں رہیں۔ اور مسلمانوں کی حکومت میں بعض ظالم بادشاہوں نے ہندوؤں کو ستایا۔ الغرض یہ بات خدا کی طرف سے فیصل شدہ ہے کہ سارے ہندوستان کی عافیت اسی میں ہے کہ کوئی اجنبی حاکم اس پر مسلط رہے، جو نہ ہندو ہو نہ مسلمان ہی ہو۔ کوئی سلاطین یورپ میں سے ہو مگر خدا کی بے انتہاء مہربانی اس کی مقتضی ہوئی کہ انگریز بادشاہ ہوئے۔“
(مولانا کے لیکچروں کا مجموعہ۔ بار اول مطبوعہ 1890ء صفحہ 4، 5)

(ه) سرسید احمد خان مرحوم لکھتے ہیں:۔

”جب کہ مسلمان ہماری گورنمنٹ کے متامن تھے۔ کسی طرح گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں کر سکتے تھے۔“

(اسباب بغاوت ہند۔ صفحہ 31 شائع کردہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

(و) مولوی نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالوی اہل حدیث رقم طراز ہیں:۔

”علماء اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے حکام والا مقام فرنگ فرمانروا ہیں۔ اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام۔ حنفیہ جن سے یہ ملک بالکل بھرا ہوا ہے۔ ان کے عالموں اور

مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ دارالاسلام ہے۔ اور جب یہ ملک دارالاسلام ہوا تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی؟ بلکہ عزمِ جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے اور جن لوگوں کے نزدیک یہ دارالحرب ہے۔ جیسے بعض علماء دہلی وغیرہ۔ ان کے نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکام کی رعایا اور امن وامان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں جب تک کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملکِ اسلام میں جا کر مقیم نہ ہو۔ غرض یہ کہ دارالحرب میں رہ کر جہاد کرنا اگلے پچھلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک ہرگز جائز نہیں۔“ (ترجمان دہابیہ صفحہ 15 مطبع محمدی لاہور)

(ز) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈووکیٹ اہل حدیث اپنے رسالہ ”اشاعة السنة“ میں لکھتے ہیں:-

”سلطان (روم) ایک اسلامی پادشاہ ولیکن امن عام و حسن انتظام کی نظر سے (مذہب سے قطع نظر) برٹش گورنمنٹ بھی ہم مسلمانوں کے لئے کچھ کم فخر کا موجب نہیں ہے اور خاص کر گروہِ اہل حدیث کے لئے تو یہ سلطنت بلحاظ امن و آزادی اس وقت کی تمام اسلامی سلطنتوں (روم، ایران، خراسان) سے بڑھ کر فخر کا محل ہے۔“ (رسالہ اشاعة السنة جلد 6 صفحہ 292)

پھر اسی رسالہ کے صفحہ 293 پر لکھتے ہیں:-

اس امن و آزادی عام و حسن و انتظامِ برٹش گورنمنٹ کی نظر سے اہل حدیث ہند اس سلطنت کو از بس غنیمت سمجھتے ہیں۔ اور اس سلطنت کی رعایا ہونے کو اسلامی سلطنتوں کی رعایا ہونے سے بہتر جانتے ہیں۔ اور جہاں کہیں وہ رہیں یا جائیں (عرب میں خواہ روم میں خواہ اور کہیں) کسی اور ریاست کا محکوم و رعایا ہونا نہیں چاہتے۔“ (رسالہ اشاعة السنة جلد 6 صفحہ 293)

انجمن حمایت اسلام کے جملہ ممبران کا اعلان

”عنايات گورنمنٹ کے عوض میں ہمارا فرض ہے کہ ہم گورنمنٹ کے وفادار رعایا بنے رہیں۔ اور مسلمانوں کو تو دہرا فائدہ ہے۔ رعایا ہونے کا حق علیحدہ اور۔ ثواب کا ثواب۔ کیونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تعلیم دی۔ ”أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ خدا ایسی سلطنت کو مدت تک ہمارے سر پر قائم رکھے جس کے سایہء عاطفت میں اتنا آرام پایا اور ہمیشہ ہم کو اس کا تابعدار رکھے۔“

(اعلان مطبوعہ رپورٹ انجمن حمایت اسلام 1903ء)

(ح) شیعان ہند کے مجتہد علامہ سید علی الحارثی لکھتے ہیں:-

”ہم کو ایسی سلطنت کے زیر سایہ ہونے کا فخر حاصل ہے جس کی حکومت میں انصاف پسندی اور مذہبی آزادی قانون قرار پا چکی جس کی نظیر اور مثال دنیا کی کسی اور سلطنت میں نہیں مل سکتی..... اس لئے نیابتاً تمام شیعوں کی طرف سے برٹش سلطنت کا صمیم قلب سے میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس ایثار کا جو وہ اہل اسلام کی تربیت میں بے دریغ مرعی رکھتی ہے۔ خاص کر کے ہمارا فرقہ شیعہ جو تمام اسلامی سلطنتوں میں تیرہ سو برس کے ناقابل برداشت مظالم کے بعد آج اس انصاف پسند عادل سلطنت کے زیر حکومت اپنے تمام مذہبی فرائض اور مراسمِ توہی و تہرا کو پابندیِ قانون اپنے محل وقوع میں ادا کرتے ہیں..... اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہر شیعہ کو اس احسان کے عوض میں (جو آزادی مذہب کی صورت میں انہیں حاصل ہے) صمیم قلب سے برٹش حکومت کا رہین احسان اور شکر گزار رہنا چاہئے۔ اور اس کے لئے شرع بھی اس کو مانع نہیں ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام

نے نوشیروان عادل کے عہد سلطنت میں ہونے کا ذکر مدح اور فخر کے رنگ میں بیان فرمایا ہے۔“

(موعظہ تحریف قرآن۔ اپریل 1922ء)

(ط) سید احمد صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ مجتہد صدی سیزدہم نے یہ سوال پیدا ہونے پر کہ آپ انگریزوں سے کیوں جہاد نہیں کرتے فرمایا:-

”ہمارا اصل کام اشاعتِ توحیدِ الہی اور احیائے سُننِ سید المرسلینؐ ہے۔ سو ہم ہلاروک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکارِ انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں۔“

(سوانح احمدی صفحہ 71 از مولوی محمد جعفر صاحب تھانی سری صوفی پرنٹنگ کمپنی۔ بہاولدین)
(ی) مولوی عبدالحی صاحب حنفی لکھنوی اور مولوی احمد رضا خان صاحب حنفی بریلوی۔ ہندوستان کو اس زمانہ میں دارالاسلام قرار دیتے تھے۔ (دیکھو ”مجموعہ فتاویٰ“ مولوی عبدالحی لکھنوی جلد 2 صفحہ 235 مطبوعہ 1311ھ ونصرت الابرار صفحہ 29 مطبوعہ مطبع صحافی لاہور اپچی سن گنج)

اس کے علاوہ مفتیان مکہ:-

- 1۔ جمال دین ابن عبد اللہ شیخ عمر حنفی مفتی مکہ معظمہ۔
- 2۔ حسین بن ابراہیم مالکی مفتی مکہ معظمہ۔
- 3۔ احمد بن شافعی مفتی مکہ معظمہ۔

نے بھی ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔

(سید عطاء اللہ شاہ بخاری مؤلفہ شورش کاشمیری صفحہ 141 چٹان پرنٹنگ پریس لاہور نومبر 1973ء)

(ک) مولانا ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار لکھتے ہیں:-

”زمیندار اور اس کے ناظرین گورنمنٹ برطانیہ کو سایہ خدا سمجھتے ہیں

اور اس کی عنایات شاہان اور انصاف خسروانہ کو اپنی دلی ارادت اور قلبی عقیدت کا کفیل سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہ عالم پناہ کی پیشانی کے ایک قطرے کی بجائے اپنے جسم کا خون بہانے کے لئے تیار ہیں۔ اور یہی حالت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی ہے۔“ (زمیندار 9 نومبر 1911ء)

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ سے پہلے بھی اور دعویٰ کے بعد بھی علماء ہند کا جن میں حنفی، اہلحدیث اور شیعہ شامل ہیں۔ یہی فتویٰ تھا کہ انگریزوں سے جہاد کرنا حرام ہے۔ اور مفتیان مکہ معظمہ بھی ہندوستان کو اس زمانہ میں دارالاسلام قرار دے رہے تھے۔ تو انگریزوں کو کیا ضرورت پڑ گئی تھی کہ وہ حضرت مرزا صاحب سے مسیح موعود اور مہدی معبود کا دعویٰ کراتے اور ان سے یہ فتویٰ دلاتے کہ انگریزوں سے جہاد حرام ہے۔ انگریزوں سے جہاد کو تو سب علماء اسلام حرام قرار دے چکے ہوئے تھے۔ اس لئے انگریزوں کو ایسے آدمی کو کھڑا کرنے کی کیا ضرورت تھی جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر کے تثلیث کے ستون کو پاش پاش کرنے کی کوشش کرتا۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اگر انگریزوں کی عقل و دانش اور نظام حکومت کی تعریف کی ہے تو عین اُس اسلامی تعلیم کے مطابق ہے جس پر علمائے ہند کی مذکورہ تحریرات شلبدِ ناطق ہیں۔

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے دعویٰ کے بعد جو یہ فتویٰ دیا کہ انگریزوں سے جہاد حرام ہے تو یہ فتویٰ عین شریعتِ غراء کے مطابق تھا۔ چنانچہ آپ تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”إِنَّ وَجُوهَ الْجِهَادِ مَعْدُومَةٌ فِي هَذَا الزَّمَنِ وَهَذِهِ الْبِلَادِ“
(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 82)

”کہ جہاد بالسیف کی وجہ اس زمانہ میں اور اس ملک میں پائی نہیں جاتیں“
جس نظم میں آپؐ نے فرمایا:-

اب چھوڑ دو اے دوستو جہاد کا خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اسی نظم میں آپؐ فرماتے ہیں:-

فرما چکے ہیں سید کوئین مصطفیٰ
عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التواء

اس سے ظاہر ہے کہ جہاد بالسیف کو آپؐ نے علی الاطلاق حرام نہیں کہا بلکہ اپنے زمانہ اور ملک میں اس کی شرائط نہ پایا جانے کی وجہ سے اسے صرف ملتوی قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے مطابق ہے جو مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق يَضَعُ الْحَرْبَ کے الفاظ میں ہے۔ یعنی کہ وہ جنگ کو روک دے گا۔

(صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب نزول عیسیٰ مطبوعہ میرٹھ نیز مطبوعہ مطبع مجبائی دہلی)

اس زمانہ کا جہاد

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

”اس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمہ اسلام میں کوشش کریں۔ مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دین اسلام کی خوبیاں دُنیا میں پھیلادیں۔ آنحضرتؐ کی سچائی دنیا پر ظاہر کریں۔ یہی جہاد ہے جب تک کہ خدا کوئی دوسری صورت دنیا میں ظاہر کر دے۔“

(مکتوب حضرت مسیح موعود علیہ السلام بنام میر ناصر نواب صاحب، مندرجہ رسالہ درود شریف مؤلفہ مولانا محمد اسماعیل

اس تحریر سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک جہاد بالسیف منسوخ نہیں بلکہ ملتوی ہوا ہے اور اگر آئندہ کبھی اس کی شرائط پیدا ہو جائیں تو یہ بھی فرض ہو جائے گا۔

جس جہاد کو بصورت اعلیٰ کلمہ اسلام آپ فرض سمجھتے تھے۔ اس کا آپ نے پورا حق ادا کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے ملکہ معظمہ کو جس کی آپ رعایا تھے۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں دعوت اسلام دی:-

”اے ملکہ توبہ کر اور اس ایک خدا کی اطاعت میں آ جا۔ جس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ شریک۔ اور اس کی تجید کر۔ کیا تو اس کے سوا اور کوئی معبود پکڑتی ہے جو کچھ پیدا نہیں کر سکے بلکہ خود مخلوق ہیں..... اے زمین کی ملکہ اسلام کو قبول کر۔ تاؤ بچ جائے۔ آ مسلمان ہو جا۔“

(ترجمہ آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 532 تا 534)

جہاد کو منسوخ کرنے کا الزام درست نہیں۔ جس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وقتی طور پر جہاد بالسیف کو حرام قرار دیا۔ اس وقت ساری مسلمان رعایا۔ الا ماشاء اللہ انگریزوں کی خیر خواہ تھی اور ان کی شکر گزار بالخصوص پنجاب کے رہنے والے۔ کیونکہ انگریزوں نے پنجاب کو فتح کر کے مسلمانوں کو جلتے ہوئے تنور سے نجات دی تھی جو سکھوں کی حکومت نے ان کے لئے بھڑکا رکھا تھا۔ سکھوں نے مسلمانوں کو سیاسی غلام بنا رکھا تھا۔ ان کی ثقافت اور تمدن کو تباہ کر دیا تھا۔ مسلمان جاگیرداروں کی جاگیریں چھین لیں۔ جو مسلمان صنعت و حرفت اور تجارت پر قابض ہونے کی وجہ سے خوش حال تھے انہیں اقتصادی طور پر تباہ کیا۔ خود حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خاندان کی جائیداد بھی چھین لی۔ مسلمانوں کی مذہبی آزادی بھی چھین لی۔ کسی مسلمان کو اذان دینے کی اجازت نہ تھی۔ مساجد سکھوں کے اصطبلوں

میں تبدیل کردی گئیں تھیں اور مدرسے اور اوقاف ویران ہو گئے تھے۔ قومی عصمت بھی سکھوں کے رحم و کرم پر تھی۔ مسلمان قوم کی بیٹیوں کی عزت محفوظ نہ تھی۔

ان حالات میں جب انگریز نے 1853ء میں سکھوں کو شکست دے دی۔ تو اس نے مسلمانوں سے حکومت نہیں چھینی تھی۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو محمدؐن پرسٹل لا کی آزادی دی۔ ملک میں طوائف الملو کی اور لا قانونیت کی جگہ ایک مضبوط عادلانہ حکومت قائم کردی۔ مسلمانوں کے اوقاف اور مذہبی ادارے پھر سے زندہ ہونے لگے۔ مذہبی تعلیم پر سے ناروا پابندیاں اٹھائی گئیں۔ اس طرح پنجاب کے مسلمانوں نے جو ایک عرصہ سے سکھوں کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ اب انہوں نے انگریز کی سلطنت میں سکھ کا سانس لیا اور انگریزی حکومت کو ایک نعمت سمجھا۔ ان حالات میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام انگریز کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟

مسلمانوں نے اب جو آزادی انگریزوں سے حاصل کی ہے۔ وہ بھی جہاد بالسیف کے ذریعہ سے حاصل نہیں کی۔ بلکہ آئینی طریق سے حاصل کی ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو اعتراف ہے:-

”1857ء کے ہنگامے میں علماء شریک ہوئے اور ناکامی کے بعد مارے گئے۔ کچھ قید ہوئے۔ ہزاروں انسان قتل ہوئے۔ شہزادے قتل ہوئے۔ ان کا خون کیا گیا۔ ان مصیبتوں کے بعد ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسلامی حکومت قائم کرنے کا خیال شکست کھا گیا۔ اس کے بعد پھر 1914ء میں علماء کی ایک جماعت نے اسی خیال سے یعنی مسلم راج قائم کرنے کے خیال سے تحریک شروع کی اور اس میں بھی شکست کھائی۔ اس کے بعد 1920ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبند مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے۔ دہلی میں

ملک کے مختلف حصوں سے پانچ سو سے زائد علماء کا اجتماع ہوا اور وہاں یہ طے پایا کہ تشدد کا یہ راستہ غلط ہے۔ موجودہ دور میں اسلامی حکومت کا قیام تقریباً ناممکن ہے۔ لہذا کانگریس کے ساتھ شامل ہو کر ہندوستان کی تمام قومیں مل کر ملک کا انتظام کریں اور جمہوری حکومت بنائیں۔ چنانچہ اس وقت تک ہم اسی (احرار) عقیدے پر قائم ہیں اور ہم اسی راستہ کو صحیح سمجھتے ہیں۔“

(سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری مؤلفہ خان کاہلی صفحہ 120 بار اول مطبوعہ ہندوستانی کتب خانہ لاہور)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام انگریزوں کے ماتحت رہتے ہوئے بھی غلامانہ ذہنیت نہیں رکھتے تھے۔ وہ اس یقین پر قائم تھے کہ سارا یورپ ایک دن مسلمان ہو جائے گا۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس یقین پر قائم کئے گئے تھے۔ چنانچہ آپؑ نے بڑے پُر شوکت الفاظ میں یہ اعلان فرمایا:۔

”وہ دن نزدیک آتے ہیں جو سپائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا..... قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا، نہ کُند ہوگا جب تک دجالت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔ مُلکوں میں پھیلے گی۔ اُس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا۔ لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد رُوحوں کو روشنی عطا کرنے سے، اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔“

(تذکرہ صفحہ 244 ایڈیشن چہارم مطبوعہ 2004ء الاشتہار مستقینا بو حی اللہ القہار

مورخہ ۱۳ جنوری ۱۸۹۷ء مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 8، 7)

یہ ہے وہ شخصیت جس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اُسے انگریزوں نے اپنی جماعت کے لئے کھڑا کیا تھا اور اس سے دعویٰ کرایا تھا۔ کہ وہ خدا کی طرف سے مامور ہیں انگریزوں کو ایسی حمایت کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ وہ شروع سے جانتے تھے کہ صلیب پرستی کے خلاف آپ شدید جوش رکھتے ہیں۔ پس یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے۔ آپ نے انگریزوں کی جو حمایت کی وہ شریعت کے عین مطابق تھی۔ اور تمام علمائے ہند اُس وقت انگریزوں کے حامی تھے۔ آپ نے انگریزوں کی حمایت کر کے اور ان کی اطاعت کی تعلیم دے کر مسلمانوں کو دائمی غلامی کی تعلیم نہیں دی۔ کیونکہ جیسا کہ آپ کے مندرجہ بالا اعلان سے ظاہر ہے۔ آپ کا دل اس یقین سے لبریز تھا کہ اسلام کی فتح کا زمانہ قریب آ رہا ہے۔ اور کفر کی صف جلد لپیٹ دی جائے گی اور دجال کا فتنہ پاش پاش ہو جائے گا۔ اور سب ملتیں بجز اسلام کے ہلاک ہو جائیں گی۔ اگر اس نے ایک عارضی وقت کے لئے ایک غیر ملکی مذہبی آزادی دینے والی حکومت سے تعاون کی ہدایت فرمائی تو یہ شرع شریف کے مطابق وقت کا عین تقاضا تھا۔ انبیاء کی سنت یہی ہے کہ غیر ملکی سلطنت میں رہتے ہوں تو اس کے خلاف باغیانہ خیالات نہ رکھے جائیں۔ کئی نبی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام بُت پرست کافر بادشاہوں کی حکومت میں زندگی گزارتے رہے ہیں۔ بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام تو مصر کے بُت پرست بادشاہ کے ماتحت کارکن بھی رہے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر سرور کائنات کا طرزِ عمل بھی یہ بتاتا ہے کہ آپ نے ملکہ کی حکومت کے خلاف کوئی بغاوت نہیں کی بلکہ جب اس کا ظلم انتہاء تک پہنچ گیا۔ تو آپ نے اور آپ کے ماننے والوں نے وہاں سے ہجرت فرمائی۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا فرض منصبی اشاعتِ اسلام کا جہاد تھا۔ انگریزوں

کی حکومت میں آپ کو اس بارہ میں پوری آزادی حاصل تھی اور انگریزوں نے چونکہ آپ سے عدل کا سلوک کیا۔ اس لئے انگریزی حکومت آپ کے شکریہ کی مستحق تھی۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

”لَا يَشْكُرُ اللَّهُ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ“

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی شکر المعروف)

کہ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔

3۔ خوشامد کے الزام کے رد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

(الف) ”بعض نادان مجھ پر اعتراض کرتے ہیں جیسا کہ صاحب المنار نے بھی کیا ہے کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں رہتا ہے اس لئے جہاد کی ممانعت کرتا ہے۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ اگر میں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا تو میں بار بار کیوں کہتا کہ عیسیٰ بن مریم صلیب سے نجات پا کر اپنی موت طبعی سے بمقام سری نگر کشمیر مر گیا۔ اور نہ وہ خدا تھا اور نہ خدا کا بیٹا۔ کیا انگریز مذہبی جوش والے میرے اس فقرہ سے مجھ سے بیزار نہیں ہوں گے۔ پس سنو اے نادانوں! میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لئے ہم پر تلوا ریں چلاتی ہے۔ قرآن شریف کی رو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے۔“ (کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 75 حاشیہ)

(ب) ”یہ گورنمنٹ مسلمانوں کے خونوں اور مالوں کی حمایت کرتی ہے اور ہر ایک ظالم کے حملہ سے محفوظ کرتا ہے..... میں نے یہ کام گورنمنٹ سے ڈر کر نہیں کیا اور نہ اس کے کسی انعام کا امیدوار ہو کر کیا ہے بلکہ یہ کام محض اللہ

- اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کیا ہے۔“
 (نورالحق حصہ اول۔ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 40-41)
- (ج) ”بیشک جیسا کہ خدا نے میرے پر ظاہر کیا۔ صرف اسلام کو دنیا میں سچا مذہب سمجھتا ہوں۔ لیکن اسلام کی سچی پابندی اسی میں دیکھتا ہوں کہ ایسی گورنمنٹ جو درحقیقت محسن اور مسلمانوں کے خون و مال کی محافظ ہے اس کی سچی اطاعت کی جائے۔ میں گورنمنٹ سے ان باتوں کے ذریعہ سے کوئی انعام نہیں چاہتا۔ میں اس سے درخواست نہیں کرتا کہ اس خیر خواہی کی پاداش میں میرا کوئی لڑکا کسی معزز عہدہ پر ہو جائے۔“
 (اشتراک 21 اکتوبر 1889ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد 4 صفحہ 49)
- (د) ”میری طبیعت نے کبھی نہیں چاہا کہ ان متواتر خدمات کا اپنے حکام کے پاس ذکر بھی کروں۔ کیونکہ میں نے کسی صلہ اور انعام کی خواہش سے نہیں بلکہ ایک حق بات کو ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھا۔“
 (تبلیغ رسالت جلد 7 صفحہ 10 مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 709)
- (ه) ”میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا۔ جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں نہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں۔ بلکہ میں انصاف اور ایمان کے رو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کی شکرگزاری کروں۔“
 (تبلیغ رسالت جلد 10 صفحہ 123)

الفاظ میں تعریف کی وجہ

اگر کوئی یہ کہے کہ بیشک جو کچھ آپ نے انگریزوں کی تعریف میں لکھا خلاف واقعہ نہ تھا۔ لیکن بار بار تعریف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟
 اس کا جواب یہ ہے کہ بعض لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف

گورنمنٹ میں یہ مخبری کرتے تھے کہ یہ خطرناک آدمی ہے یہ مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اس لئے آپ کو بطور مدافعت اور ذب کے بھی زوردار الفاظ میں تعریف کی ضرورت پیش آئی۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے جو انگریزوں کی زوردار تعریف کی وجہ سے حکومت کے منظور نظر تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دلائل کے جواب میں عاجز آ کر آپ کے خلاف انگریزوں کے کان بھرنے شروع کئے اور آپ کو (معاذ اللہ) دھوکہ باز ثابت کرنے کے لئے لکھا:۔

”اس کے دھوکے پر یہ دلیل ہے کہ دل سے وہ گورنمنٹ غیر مذہب کی جان مارنے اور اس کا مال لوٹنے کو حلال و مباح جانتا ہے..... لہذا گورنمنٹ کو اس کا اعتبار کرنا مناسب نہیں اور اس سے پُر حذر رہنا ضروری ہے ورنہ اس مہدی قادیانی سے اس قدر نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جو مہدی سوڈانی سے نہیں پہنچا“۔

(رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد 6 نمبر 6 حاشیہ صفحہ 161 بابت 11-1310 ھ مطابق 1893ء)
مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس قسم کی جھوٹی مخبری سے گورنمنٹ سے کئی مرتبے زمین حاصل کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے راستے میں کانٹے بچھانے کی کوشش کی۔

اسی طرح ایک شخص منشی محمد عبد اللہ نے اپنی کتاب ”شہادتِ قرآنی“ مطبوعہ 1905ء میں لکھا:۔

”ایسے ہی دیگر آیاتِ قرآنیہ اپنے چیلوں کو سنا سنا کر گورنمنٹ کے خلاف مستعد کرنا چاہتا ہے“۔

واضح ہو کہ گورنمنٹ پہلے ہی آپ کو مہدویت کے دعویٰ کی وجہ سے

مشتبہ نظروں سے دیکھ رہی تھی اور اس نے خفیہ پولیس مقرر کر رکھی تھی جو آپ کی ہر نقل و حرکت کی گورنمنٹ کو اطلاع دیتی رہتی تھی اور جو مہمان آپ کے ہاں آتے تھے۔ اُن کے متعلق بھی بہت پوچھ گچھ کی جاتی تھی۔ اور اگر معززین اور رؤسا میں سے کوئی احمدی ہو جاتا تھا تو انگریزی حکام اُسے اشارہ کہہ دیتے تھے کہ گورنمنٹ تو اس سلسلہ کو مشتبہ نظروں سے دیکھتی ہے۔ ایسی حالت میں ایسے لوگوں کی مخبری جلتی پرتیل کا کام کر سکتی تھی۔ لہذا رد عمل کے طور پر اس کی تردید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے از بس ضروری ہو گئی۔ کیونکہ آپ سچے دل سے حکومت کے وفادار تھے۔ لہذا اس پراپیگنڈا کے بُرے اثر کو زائل کرنے کے لئے آپ کو بار بار اپنی کتابوں میں لکھنا پڑا کہ آپ اور آپ کی جماعت گورنمنٹ انگریزی کی سچی وفادار ہے۔ مقصود آپ کا ان تحریروں سے صرف یہ تھا۔ مخبروں کی جھوٹی مخبری کی وجہ سے گورنمنٹ کی طرف سے تبلیغ اسلام کے کام میں، جس کا بیڑا آپ نے اٹھایا ہے، کوئی روک پیدا نہ ہو۔ باوجود اس ذب اور تردید کے گورنمنٹ 1907ء تک اس مخالفانہ پراپیگنڈا سے متاثر رہی۔ حتیٰ کہ سرائیس گورنر ہو کر آئے اور انہوں نے تمام حالات کا جائزہ لے کر اور حضورؐ کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد گورنمنٹ کو رپورٹ کی کہ ”اس جماعت کے ساتھ یہ سلوک نامناسب ہے یہ بڑی ناشکری کی بات ہے کہ جس شخص نے امن قائم کیا اور جو امن پسند جماعت قائم کر رہا ہے، اس پر پولیس چھوڑی گئی ہے۔ یہ بڑی احسان فراموشی ہے اور میں اسے ہٹا کر چھوڑوں گا۔“

(الفصل 18، فروری 1959ء صفحہ 6، کالم اول خطبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ)
اس مخالفانہ اثر کو زائل کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

24 فروری 1898ء میں گورنر پنجاب کی خدمت میں ایک عرضی بھیجی تھی۔ جس میں اپنی جماعت کے متعلق لکھا:۔

”غرض یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ اور نیک نامی حاصل کردہ اور مور و مراحم گورنمنٹ ہیں یا وہ لوگ جو میرے اقارب یا خدام میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد علماء کی ہے جنہوں نے میری اتباع میں اپنے وعظوں سے ہزاروں دلوں میں گورنمنٹ کے احسانات جمادیئے ہیں۔“ (تبلیغ رسالت جلد 7 صفحہ 18 مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 197)

واضح ہو کہ اس عبارت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین قسم کے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ ان لوگوں کا بھی جو گورنمنٹ کے ملازم ہیں اور نیک نام ہیں نیز آپ کی جماعت میں شامل ہیں۔ اور ان کا بھی جو آپ کے اقارب یا خاندان میں سے ہیں اور اس کے بعد اپنی جماعت کے وعظوں کا۔

خود کاشتہ پودا

اس کے ایک صفحہ بعد آپ نے حاسدین گورنمنٹ کی جھوٹی ٹمبر یوں کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا:۔

”صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جان نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیا میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمت گزار ہیں۔ اس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے۔“

(اشتہار 24 فروری 1898ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ 19 مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 198)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت کو خود کاشتہ پودا قرار نہیں دیا بلکہ آپ کا یہ فقرہ اپنے خاندان کے متعلق ہے۔ انگریزی گورنمنٹ تو شروع دعویٰ سے آپ کو اور آپ کی جماعت کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہی تھی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی وغیرہ نے گورنمنٹ کے شبہ کو مزید تقویت دینے کی کوشش کی تھی۔ تو کون عقلمند یہ خیال کر سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جماعت احمدیہ کو انگریزوں کا خود کاشتہ پودا قرار دے سکتے تھے۔ ہاں آپ کے خاندان نے سکھوں کے اثر کے زائل کرنے کے لئے انگریزوں کو جو مدد دی تھی۔ اس کا ذکر کر کے آپ گورنمنٹ کو اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ میرا خاندان جب تمہارا وفادار رہا ہے تو پھر میں تمہاری حکومت کے متعلق کس طرح باغیانہ خیالات رکھ سکتا ہوں اور ایک ایسی جماعت بنا رہا ہوں جس کو میں کسی وقت گورنمنٹ انگریزی کے خلاف استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

توہینِ مسیح علیہ السلام کا الزام

الزام یہ ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں جو خدا کے نبی اور رسول تھے۔ نازیبا الفاظ استعمال کر کے اور ان کی دادیوں نانیوں کو زنا کار قرار دے کر ان کی توہین کی ہے۔ جس کی کسی مسلمان سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ مسلمانوں کے لئے سب انبیاء پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

الجواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ مثیلِ مسیح ہیں تو پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں :-

”جس حالت میں مجھے دعویٰ ہے کہ میں مسیح موعود ہوں اور حضرت

عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے مشابہت ہے۔ تو ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ میں اگر نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا کہتا تو اپنی مشابہت ان سے کیوں بتلاتا کیونکہ اس سے تو خود میرا ہونا لازم آتا ہے۔“

(اشہار 27 دسمبر 1898ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد 7 صفحہ 70 حاشیہ۔ مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 257)

اصل حقیقت یہ ہے کہ عیسائی پادریوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بڑے بڑے گستاخانہ کلمات لکھے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں بار بار سمجھایا کہ اس طریق سے باز آئیں۔ مگر گستاخی میں بڑھتے گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اپنی گستاخی کو انتہا تک پہنچا دیا۔

چنانچہ پادری عماد الدین اور پادری فتح مسیح نے ایسی ایسی گندی باتیں آپ کی شان میں لکھیں جن کو پڑھ کر مسلمانوں کا سینہ پھٹ جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان پر ناپاک حملے کئے اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی گندے الزام لگائے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ اس گندے طریق سے باز نہیں آرہے۔ الزامی رنگ میں انہیں بائبل کی رو سے بعض جوابات دے کر ان کا منہ بند کر دیا۔ تا وہ آئندہ ہوش سے کام لیں۔ یہ الزامی جوابات دیتے ہوئے آپ نے یہ احتیاط بھی کیا ہے کہ یہ الزامات اس نبی اور رسول کے متعلق نہیں ہیں جن کا نام قرآن میں عیسیٰ بیان ہوا ہے۔ بلکہ اس یسوع کے متعلق ہیں جنہیں عیسائی خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں ایسا کوئی یسوع موجود نہ تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ پس یہ الزامات بھی دراصل عیسائیوں کے فرضی یسوع پر لگائے گئے نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام پر جو خدا کے نبی اور رسول تھے۔ چنانچہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

”حضرت مسیح کے حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ میرے منہ سے نہیں

نکلا۔ یہ سب مخالفوں کا افتراء ہے۔ ہاں چونکہ درحقیقت ایسا کوئی یسوع مسیح نہیں گزرا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہو۔ اور آنے والے نبی خاتم الانبیاء کو جھوٹا قرار دیا ہو۔ اور حضرت موسیٰ کو ڈاکو کہا ہو۔ اس لئے میں نے فرضِ محال کے طور پر اس کی نسبت ضرور بیان کیا ہے کہ ایسا مسیح جس کے یہ کلمات ہوں راستباز نہیں ٹھہر سکتا لیکن ہمارا مسیح ابن مریم جو اپنے تئیں بندہ اور رسول کہلاتا ہے اور خاتم الانبیاء کا مصدق ہے اُس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔“
(تربیۃ القلوب۔ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 305 حاشیہ)

نیز تحریر فرماتے ہیں:-

”یاد رہے کہ یہ ہماری رائے اس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹمار کہا اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بخیر اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔“ (انجام آقہم۔ روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 13)

اسی طرح فرماتے ہیں:-

”بالآخر ہم لکھتے ہیں کہ ہمیں پادریوں کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی۔ انہوں نے ناحق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا کہ ان کے یسوع کا کچھ تھوڑا سا حال اُن پر ظاہر کریں..... اور مسلمانوں پر واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا۔ اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا اور کہا میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔ پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور

راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلا مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔ نادان پادریوں کو چاہئے کہ بدزبانی اور گالیوں کا طریق چھوڑ دیں۔ ورنہ نامعلوم خدا کی غیرت کیا کیا ان کو دکھلائے گی۔“
(ضمیمہ انجام آہتم۔ روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 292-293)

نیز تحریر فرماتے ہیں:-

”چونکہ پادری فتح مسیح متعین فتح گڑھ ضلع گورداسپور نے ہماری طرف ایک خط نہایت گندہ بھیجا۔ اور اس میں ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر..... ٹہمت لگائی۔ اور سوا اس کے اور بہت سے الفاظ بطریق سب و شتم استعمال کئے۔ اس لئے قرین مصلحت معلوم ہوا کہ اس کے خط کا جواب شائع کر دیا جائے۔ لہذا یہ رسالہ لکھا گیا۔ اُمید کہ پادری صاحبان اس کو غور سے پڑھیں۔ اور اسکے الفاظ سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ کیونکہ یہ تمام پیرایہ میاں فتح مسیح کے سخت الفاظ اور نہایت ناپاک گالیوں کا نتیجہ ہے۔ تاہم حضرت مسیح علیہ السلام کی شان مقدس کا بہر حال لحاظ ہے اور صرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض ایک فرضی مسیح کا بالقابل ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی سخت مجبوری سے۔ کیونکہ اس نادان (فتح مسیح) نے بہت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالی ہیں اور ہمارا دل دکھایا ہے۔“
(نور القرآن نمبر 2۔ روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 376)

پھر آپ اعجاز احمدی روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 13 پر لکھتے ہیں:-

”یہود تو حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں اور ان پیشگوئیوں کے بارے میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی ان کا جواب دینے میں حیران ہیں بغیر اسکے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰ نبی ہے کیونکہ قرآن نے اُن کو نبی قرار دیا

ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ابطال نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں۔ یہ احسان قرآن کا اُن پر ہے کہ اُن کو بھی نبیوں کے دفتر میں ہی لکھ دیا۔ اس وجہ سے ہم اُن پر ایمان لائے کہ وہ سچے نبی ہیں اور برگزیدہ ہیں تہمتوں سے معصوم ہیں جو اُن پر اور اُن کی ماں پر لگائی گئی ہیں۔“

پھر آپ تحریر فرماتے ہیں:-

”ہم اس بات کو افسوس سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کے مقابل پر یہ نمبر نور القرآن کا جاری ہوا جس نے بجائے مہذبانہ کلام کے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گالیوں سے کام لیا ہے اور اپنی ذاتی خباثت سے اس امام الطہیین و سید المپتہرین پر سراسر افتراء سے ایسی تہمتیں لگائی ہیں کہ ایک پاک دل انسان کا ان کے سننے سے بدن کانپ جاتا ہے۔ لہذا محض ایسے یا وہ گو لوگوں کے علاج کیلئے جواب ترکی بہ ترکی دینا پڑا۔ ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام پر نہایت نیک عقیدہ ہے اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی اور اُس کے پیارے تھے۔ اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ وہ جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر دیتا ہے اپنی نجات کے لئے ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے ایمان لائے تھے۔ اور حضرت موسیٰ کی شریعت کے صد ہا خادموں میں سے ایک مخلص خادم وہ بھی تھے۔ پس ہم ان کی حیثیت کے موافق ہر طرح ان کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔

لیکن عیسائیوں نے جو ایک ایسا یسوع پیش کیا ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور بجز اپنے نفس کے تمام اولین اور آخرین کو لعنتی سمجھتا تھا۔ یعنی ان بدکاریوں کا مرتکب خیال کرتا تھا جن کی سزا لعنت ہے۔ ایسے شخص کو ہم بھی رحمت الہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں..... ہم نے اپنی کلام میں ہر جگہ عیسائیوں

کافر یسوع مراد لیا ہے اور خدائے تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ عیسیٰ ابن مریم جو نبی تھا جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں اور یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبوں کی گالیاں سن کر اختیار کیا ہے۔

(نور القرآن نمبر 2 روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 374-375 بعنوان ناظرین کے لئے ضروری اطلاع) ان تحریرات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآنی عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کوئی نازیبا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ آپ انہیں خدا کا نبی برگزیدہ اور راستباز جانتے ہیں۔ آیت قرآنی وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّي اِلَهٌ مِّنْ دُونِهِ فَذَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ کی رو سے عیسائیوں کو ایسا الزامی جواب دینا جائز ہے جو یسوع مسیح کو خدائی کا دعوے دار قرار دیتے ہیں۔

حضرت مسیح کی دادیاں نانیاں:

عیسائیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان پر ناپاک حملے کئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور الزامی جواب بائبل سے دکھا دیا کہ یسوع کے خاندان میں تین ایسی عورتیں جو آپ کی دادیاں نانیاں قرار پاتی ہیں زنا کار اور کسی تھیں۔ اس طرح آپ نے ہمیشہ کے لئے عیسائیوں کا منہ بند کر دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان پر ناپاک حملے کر کے آپ کی طرف ناپاکی کی نسبت کرنے کی جرات کرتے تھے بائبل کے حوالہ جات سے تمر۔ راحاب اور بنی سبغ کو جو حضرت مسیح کی ایک لحاظ سے دادیاں اور ایک لحاظ سے نانیاں تھیں، بدکار ثابت کر دیا۔ چنانچہ

(الف) راحاب کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کسی تھی (یشوع 2-1)

(ب) تمر حرامکار تھی۔ (پیدائش 31-16-30)

(ج) بیعت سبع بھی بدکار تھی۔ (2۔ سوائیل 11 باب، آیات 3 تا 6)
 خود پادری عماد الدین انجیل متی میں ان بدکار عورتوں کو مسیح کے شجرہ نسب میں
 موجود پا کر اپنی تفسیر متی کے صفحہ 3 پر یہ لکھنے کے لئے مجبور ہوئے۔
 ”یہاں سے ظاہر ہے کہ مسیح خداوند نے گنہگاروں کے سلسلہ میں
 آنے سے نفرت نہیں کی۔“

پس یہ امر عیسائیوں کے مسلمات میں سے ہے کہ یہ تینوں عورتیں جن کا
 یسوع کے شجرہ نسب میں ذکر ہے بدکاری کی وجہ سے گنہگار تھیں۔
 پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں:-

”ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری
 والدہ سے لے کر وراثت میری ماؤں کے سلسلہ میں کوئی عورت بدکار اور زانیہ
 نہیں، نہ مرد زانی اور بدکار ہے لیکن بقول عیسائیوں کے اُن کے خدا صاحب
 کی پیدائش میں تین زنا کار عورتوں کا خون ملا ہوا ہے۔“
 (ست بچن۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 292 حاشیہ)

الزامی جوابات کا طریق

علماء اہل سنت میں سے جن کو عیسائیوں سے گفتگو کا واسطہ پڑا ہے۔ ان کی
 نامناسب روش کو دیکھ کر انہیں بھی ایسے ہی الزامی جوابات دینے پڑے ہیں جو
 حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیئے ہیں۔ چنانچہ مولوی آل حسن نے اپنی کتاب
 استفسار میں اور مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی نے اپنی کتاب اظہار الحق میں
 ایسے ہی بہت سے الزامی جوابات دیئے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت لکھا ہے کہ ایک دفعہ

ایک پادری شاہ صاحب کی خدمت میں آیا اور سوال کیا۔ کیا آپ کے پیغمبر حبیب اللہ ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ وہ کہنے لگا۔ تو پھر انہوں نے بوقت قتل امام حسین فریاد نہ کی یا یہ فریاد سنی نہ گئی؟ اس پر شاہ صاحب نے کہا۔ فریاد تو کی۔ لیکن انہیں جواب آیا کہ تمہارے نواسے کو قوم نے ظلم سے شہید کیا ہے۔ لیکن ہمیں اس وقت اپنے بیٹے عیسیٰ کا صلیب پر چڑھنا یاد آرہا ہے۔

(رود کوثر از شیخ محمد اکرم ایم۔ اے صفحہ 67، 68)

جناب مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:-

”نصاریٰ ایسے کو خدا کہتے ہیں جو مسیح کا باپ ہے..... ایسے کو جو یقیناً

دغا باز ہے۔ پچھتا تا بھی ہے۔ تھک جاتا بھی ہے۔

(العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ صفحہ 740-741 رسالہ نمبر 25 باب العقائد والکلام)

حافظ قمر الدین صاحب سجاد نشین آستانہ عالیہ سیال شریف نے بھی کتاب پیدائش 38/13 کے حوالہ سے تمار کی بدفعی سے دو توام بچے پیدا ہونے کا ذکر کیا ہے اور متی 3-1/16 کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ”ایک لڑکا ان میں سے جس کا نام فارض تھا، حضرت داؤد، حضرت سلیمان حضرت یسوع کے جد امجد ہیں یہ تمر انبیاء بنی اسرائیل اور یسوع مسیح کی جدہ محترمہ ہیں“

(کتاب عیسائی مذہب صفحہ 4، 5 شائع کردہ دار التبلیغ سیال شریف مطبوعہ کراچی)

اخبار الحمدیٹ امرتسر اس قسم کے الزامی جوابات سے بھرا پڑا ہے۔ مثلاً:-

1- مسیح خود اپنے اقرار کے مطابق کوئی نیک انسان نہ تھے۔

(الحمدیٹ امرتسر صفحہ 8-31 مارچ 1939ء)

2- انجیل کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مسیح نے اجنبی عورتوں سے اپنے

سر پر عطر ڈلوا یا۔ (دیکھو) متی 26/6، مرقس 14/3، یوحنا 12/6

(الحمدیٹ امرتسر 31 مارچ 1939ء)

اور اس پر اپنا نوٹ یہ دیا کہ:-

”اس قسم کے کام شریعتِ الہیہ کے صریح خلاف ہیں۔“

(ملاحظہ ہوا الحمدیث مذکور)

3- مسیح کے متعلق لکھا ہے کہ:-

”شراب جیسی اُمّ الخبائث چیز کا بنانا اور شادی کی دعوت کے لئے اسی شراب کو پیش کرنا اور خود شرابی اہل مجلس کی دعوت میں مع والدہ کے شریک ہونا۔ اسی یوحنا میں موجود ہے حالانکہ شراب عہد عتیق کی کتابوں میں قطعی حرام قرار پا چکی تھی۔“

(الہمدیث 31/مارچ 1939ء)

اس پر نوٹ لکھا ہے:-

”ان حالات میں مسیح کی شراب سازی خلاف شریعت فعل ہے۔“

(اخبار مذکور)

4- ”انجیل کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے کذب کو رد رکھا۔“

(اخبار مذکور صفحہ 9)

5- ”مسیح نے خلاف واقعہ شہادت دی۔“

(ایضاً صفحہ 9)

6- جھوٹ بولنے اور کتمان حق کی اجازت دی۔

(ایضاً)

7- ”اپنی والدہ کی تعظیم نہیں کرتے تھے“

(ایضاً)

8- ”اپنی والدہ کو سیدھے منہ ماں کہنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے“

(ایضاً)

اس پر یہ نوٹ دیا ہے:-

”جب مسیح نے ماں کی تحقیر اور بے عزتی ظاہر کر کے شرائع سابقہ کے تاکیدی احکام بلکہ خود اپنے ہی قول کے خلاف کہا۔ تو ان کے غیر معصوم اور غیر محفوظ ہونے میں کیا شک رہا۔“

(اخبار الہمدیث 3/مارچ 1939ء صفحہ 9)

9- ”انجیل کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے یہود کے علماء کے حق درشت الفاظ اور نہایت سخت کلمات کا استعمال کیا ہے۔“ (متی 23)
بے ایمانوں کو مسیح نے کتا کہا۔ دیکھو کنعانی عورت کا قصہ۔

(متی 15/16)

10- مسیح نے اپنے عہدے کا مقصد بھی پورا نہ کیا۔ (ایضاً صفحہ 10)

11- مولوی ابوالحمود صاحب سوہدروی نے اپنی کتاب ”اسلام اور عیسائیت“ کے صفحہ 122 پر لکھا ہے:-

”حضرت مسیح علیہ السلام کی تین نانیاں، دادیاں کسی، زانی اور بدکار تھیں، اور چار نانے دادے بھی بد تھے۔
پھر لکھتے ہیں:-

”زانی اور زانیہ کے اتنے طویل سلسلہ میں آنے والے شخص کا اپنا کیر کڑیا اپنی پوزیشن کیا رہے گی..... الخ“۔

(اسلام اور عیسائیت صفحہ 122 باب نہم فصل اول)

مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بھی عیسائیوں کے یسوع مسیح کی بابت لکھتے ہیں:-

”حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ (یعنی عیسائی) اُس تاریخی مسیح کے قائل ہی نہیں ہیں جو عالم واقعہ میں ظاہر ہوا تھا۔ بلکہ انہوں نے خود اپنے وہم و گمان سے ایک خیالی مسیح تصنیف کر کے اس خدا بنا لیا ہے۔“

(تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 491)

بانی مدرسہ دیوبند مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی لکھتے ہیں:-

”نصاری جو دعویٰ محبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے ہیں تو حقیقت

میں ان سے محبت نہیں کرتے کیونکہ دار و مدار ان کی محبت کا خدا کا بیٹا ہونے پر ہے۔ سو یہ بات حضرت عیسیٰ میں تو معلوم البتہ ان کے خیال میں تھی۔ اپنی خیالی تصویر کو بوجہ ہیں اور اسی سے محبت رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو خداوند کریم نے ان کے واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے۔“

(رسالہ ہدیۃ الشیعہ صفحہ 244، 245)

اس تمام بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک خیالی اور فرضی یسوع پر مسلماتِ خصم سے عیسائیوں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت گستاخیاں کرنے پر الزامی جوابات کا طریق اختیار کیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بار بار ان الزامات سے پاک قرار دیا ہے اور انہیں خدا کا نبی اور رسول اور راست باز بندہ قرار دیا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ وہ ان مخاطبات میں مد نظر نہیں ہے۔

مسیح کا شراب پینا

”یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے۔ اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔“

معتزین کشتی نوح صفحہ 65 کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں اور اس عبارت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین قرار دیتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ سیاق کلام اس کا پیش نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کو جو یورپ کی تقلید میں شراب پیتے ہیں۔ ہدایت فرما رہے ہیں کہ یورپ کے لوگ تو شراب پینے کے لئے اپنے زعم میں ایک یہ وجہ جواز رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح شراب پیتے تھے۔ لیکن اسلام میں تو اس کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں۔ پس تم کس بناء پر شراب پیتے ہو؟

اس نصیحت کو تو نظر انداز کیا جاتا ہے اور مسیح کی توہین کا الزام لگایا جاتا ہے۔ حالانکہ مسیح کے زمانہ میں شراب حرام نہ تھی کہ اس کا پینا معصیت ہوتا۔ اس لئے عیسائیوں کے مذہب میں عشاءِ ربانی کی رسم میں شراب کا استعمال ایک مذہبی رسم ہے جسے وہ مسیح کے ذریعہ جاری شدہ خیال کرتے ہیں۔ اور حضرت مسیح کا ایک مجلس کے لئے معجزہ سے شراب بنانا خود انجیلوں میں مذکور ہے۔ ہاں اگر شراب اُس زمانہ میں حرام ہوتی تو پھر مسیح کے لئے اس کا استعمال ناجائز ہوتا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تو اس جگہ دو تو جیہیں بھی بیان کر دی ہیں کہ یا وہ بیماری کی وجہ سے شراب پیتے تھے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔ گویا اس جگہ آپؑ کے نزدیک مسیحؑ نے اضطرارِ شراب پی تھی جس حد تک ان کی شریعت میں جائز تھی۔

عمل التَّزْبِ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں مسیح کے معجزات کے متعلق یہ لکھا ہے:-

یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم باذن و حکم الہی الیسع نبی کی طرح اس عمل التَّزْبِ میں کمال رکھتے تھے گوا الیسع کے درجہء کاملہ سے کم رہے ہوئے تھے۔ کیونکہ الیسع کی لاش نے بھی معجزہ دکھایا کہ اس کی ہڈیوں کے لگنے سے ایک مُردہ زندہ ہو گیا۔ مگر چوروں کی لاشیں مسیح کے جسم سے لگنے سے ہرگز زندہ نہ ہو سکیں یعنی وہ دو چور جو مسیح کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے بہر حال مسیح کی یہ تَرْبِی کارروائیاں زمانہ کے مناسب حال بطور خاص مصلحت کے تھیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل

کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا۔ تو خدا تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے اُمید قوی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نمایوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا۔ لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے جس پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم مارا ہے۔ حضرت مسیح نے بھی اس عملِ جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو اُن کی خدمت میں مرکوز تھے باذن و حکمِ الہی اختیار کیا تھا۔ ورنہ دراصل مسیح کو بھی یہ عمل پسند نہ تھا۔“

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 257-258 حاشیہ)

اس عبارت کو بھی باعثِ توہین سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ آپ نے اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت لکھا ہے۔ مگر یہ عمل تو مکروہ اور قابلِ نفرت شریعتِ اسلامیہ کی رو سے ہے نہ کہ شریعتِ سابقہ توراۃ کی رو سے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے ذوق کے لحاظ سے اس کو ناپسندیدہ سمجھتے ہوئے اس زمانہ کے لوگوں کے پست خیالات کی وجہ سے باذن و حکمِ الہی اختیار کیا تھا تا یہودی ہدایت پا سکیں۔ بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس عمل کو جو اسلامی شریعت میں ناپسندیدہ اور خود حضرت مسیحؑ کے ذوق کے بھی خلاف تھا۔ پست فطرت یہودیوں کے جسمانی خیالات کی وجہ سے اختیار کرنا قرار دیا ہے۔ پھر اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُس زمانہ کے لوگوں کی فطرت کے لحاظ سے ایک عقلی معجزہ ہی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

”سو واضح ہو کہ انبیاء کے معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں:-

- (1) ایک وہ جو محض سماوی امور ہوتے ہیں۔ جن میں انسان کی تدبیر اور عقش کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ جیسا شوق القمر جو ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اور خدا تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راستباز

اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اُسے دکھایا تھا۔

(2) دوسرے عقلی معجزات ہیں جو اس خارقِ عادت عقل کے ذریعہ

سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جو الہامِ الہی سے ملتی ہے۔ جیسے حضرت سلیمان کا وہ معجزہ **صُرِّحَ مُمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ** ہے۔ جس کو دیکھ کر بلیس کو ایمان نصیب ہوا۔

اب جاننا چاہئے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح کا معجزہ حضرت سلیمان کے معجزہ کی طرح صرف عقلی تھا۔

(ازالہ ادہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 253-254 حاشیہ)

اب یہ کس قدر ظلم ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو حضرت مسیح کی تربی کا روایوں کو باذنِ الہی آپ کا معجزہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن معترضین عملِ التَّبَرُّب کے ذکر کو حضرت مسیح کی توہین قرار دیتے ہیں۔

پس خلاصہ بحث یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی توہین نہیں کی۔ بلکہ عیسائیوں کو بطور الزام خصمِ انجیل کی رو سے اپنے اعتراضات میں ملزم گردانا ہے۔ چنانچہ مسیح کا قول انجیل متی 7/1 میں یہ لکھا ہے:-
”عیب نہ لگاؤ تا تم پر عیب نہ لگایا جائے۔“

عیسائیوں کے اس قول کے ہوتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گندے الزامات لگائے۔ تو ضروری تھا کہ یسوع مسیح کی اس پیشگوئی کے مطابق عیسائیوں کے لئے بھی وہی پیمانہ استعمال کیا جاتا جو وہ استعمال کر رہے تھے۔ پس از روئے تعلیم یسوع مسیح بھی مسلمانوں کی طرف سے مدافعت کے اس طریق کا استعمال ضروری تھا۔ چنانچہ اس کا یہ اثر ہوا۔ کہ اس کے بعد عیسائیوں نے اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام پر ناپاک حملوں کا طریق چھوڑ دیا اور ان کی روش بدل گئی اور

انہوں نے اس میں خاصی اصلاح کر لی۔ اگر عیسائیوں کے گندے اعتراضات کے الزامی جوابات نہ دیئے جاتے۔ تو مُلک میں سخت فتنے کا دروازہ کھل جاتا اور مسلمانوں کو سخت مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا۔ کیونکہ مسلمان اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گندے اعتراضات نہیں سُن سکتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کے سامنے یہودیوں کے اعتراضات پیش کر کے مسلمانوں کے جوش کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور اس طرح مسلمان قوم کو ایک سخت تباہی اور کشت و خون سے بچا لیا۔ مدافعت کا یہ طریق اضطراراً جَزَآؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةً مِّثْلُهَا کے عام اسلامی قانون کے ماتحت اختیار کیا گیا۔ اپنی نیت کو صحیح رکھتے ہوئے اس قسم کی تنقید جو دشمن کا منہ بند کرنے والی ہو اس آیت کے ماتحت جائز ہے۔ اسی لئے علماء اسلام بھی عیسائیوں کو بالمقابل الزامی جوابات دیتے رہے۔ جن میں صرف فرضی یسوع مد نظر تھا نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

آپ تحریر فرماتے ہیں:-

”موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا۔ اور محمدی سلسلہ میں میں مسیح موعود ہوں سو میں اس کی عزت کرتا ہوں۔ جس کا ہم نام ہوں۔ اور مُفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔“

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 17-18)

الزام:

بعض پیشہ ور مناظر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ”عیسائیوں کے ہاتھ کا پیر کھا لیتے تھے۔ حالانکہ مشہور تھا کہ سُر کی چربی اس میں پڑتی ہے۔“ یہ مناظر کہتے ہیں کہ یہ مرزا صاحب کا جھوٹ

ہے۔ کسی حدیث میں ایسا نہیں لکھا۔
الجواب:

اس بارہ میں حدیث تو ہم بعد میں پیش کریں گے۔ جس سے انشاء اللہ معترض کا اعتراض ”هَبَاءٌ مَّنْشُورًا“ ہو جائے گا۔ اولاً ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ عبارت اس سیاق میں واقع ہے کہ محض شک و شبہ اور وسوسہ کی بناء پر بعض امور کو حرام نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قادیان سے 25 نومبر 1903ء کو ایک صاحب کے استفسار کے جواب میں مندرجہ ذیل خط لکھا:-

’آپ کا خط مجھ کو ملا۔ آپ اپنے گھر میں سمجھا دیں کہ اس طرح شک و شبہ میں پڑنا بہت منع ہے۔ شیطان کا کام ہے جو ایسے وسوسے ڈالتا ہے۔ ہرگز وسوسہ میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ گناہ ہے۔ اور یاد رہے کہ شک کے ساتھ غسل واجب نہیں ہوتا اور نہ صرف شک سے کوئی چیز پلید ہو سکتی ہے۔ ایسی حالت میں بیشک نماز پڑھنا چاہیئے اور میں انشاء اللہ دعا بھی کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب و ہمیوں کی طرح ہر وقت کپڑا صاف نہیں کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اگر کپڑا پر مٹی گرتی تھی تو ہم اس مٹی خشک شدہ کو صرف جھاڑ دیتے تھے کپڑا نہیں دھوتے تھے۔ اور آپؐ ایسے کنواں سے پانی پیتے تھے جس میں حیض کے لئے پڑتے تھے۔ ظاہری پاکیزگی سے معمولی حالت پر کفایت کرتے تھے۔ عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے۔ حالانکہ مشہور تھا کہ سور کی چربی اس میں پڑتی ہے۔ اصول یہ ہے کہ جب تک یقین نہ ہو۔ ہر ایک چیز پاک ہے۔ محض شک سے کوئی چیز پلید نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شیرخوار بچہ کسی کپڑے پر پیشاب کر دے۔ تو اس کپڑے کو دھوتے نہیں تھے۔ محض پانی کا ایک چھینٹا اس پر ڈال دیتے تھے۔

اور بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ رُوح کی صفائی کرو۔ صرف جسم کی صفائی اور کپڑے کی صفائی بہشت میں داخل نہیں کرے گی۔ اور فرمایا کرتے تھے کپڑوں کے پاک کرنے میں وہم سے بہت زیادہ مبالغہ کرنا اور وضوء پر بہت پانی خرچ کرنا اور شک کو یقین کی طرح سمجھ لینا۔ یہ سب شیطانی کام ہیں اور سخت گناہ ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کسی مرض کے وقت میں اُونٹ کا پیشاب بھی پی لیتے تھے۔ فقط خوابوں کی تفصیل اور تعبیر کرنے کی گنجائش نہیں۔ اتنا لکھنا کافی ہے کہ سب خوابیں اچھی ہیں۔ بشارتیں ہیں۔ کوئی بُری نہیں۔ والسلام۔

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ از قادیان۔

(منقول از اخبار الفضل قادیان 22 فروری 1944ء صفحہ 9)

اس خط کے منقول سے ظاہر ہے کہ اسلام نے شک و شبہ کو اہمیت نہیں دی۔ صرف یقین کو اہمیت دی ہے۔ جب تک یقین نہ ہو بعض اشیاء کا ترک واجب نہیں ہے۔ انہیں میں وہ پنیر تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھا لیتے تھے۔ حالانکہ مشہور تھا کہ سور کی چربی اس میں پڑتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک یقین نہ ہو ہر ایک چیز پاک ہے۔ محض شک سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔ اپنے طرزِ عمل سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت پر عظیم الشان احسان فرمایا ہے۔ تا اُمت پر تنگی وارد نہ ہو۔ اور دین میں آسانی رہے۔ اصولی ہدایت آپ کی یہی ہے کہ اَلدِّیْنُ یُسْرُ کہ دین آسان ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہی ہدایت کی گئی ہے۔ کہ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُعْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا کہ ظنات پر بنیاد نہ رکھی جائے بلکہ یقین پر کسی عمل کی بنیاد رکھی جائے۔ کیونکہ یقین کے مقابل پر ظن کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس سلسلہ میں جو روایات ہیں۔ ان میں سے ایک روایت میں پنیر میں

مُردار ڈالا جانے کا ذکر ہے۔ اور دوسری میں یہ ذکر ہے کہ پیڑ کے متعلق یہ مشہور تھا کہ اس میں سُر کی چربی پڑتی ہے۔ یہ دونوں حدیثیں درج ذیل ہیں:-

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا فَتَحَ مَكَّةَ رَأَى جُبْنَةً قَالَ مَا هَذَا فَقَالُوا طَعَامٌ يُصْنَعُ بِأَرْضِ الْعَجَمِ فَقَالَ ضَعُوا فِيهِ السَّكِينِ وَكُلُوا وَرَوَى أَحْمَدُ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ عَنْهُ أُوتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجُبْنَةٍ بِغَزْوَةِ تَبُوكَ فَقَالَ أَيْنَ صُنِعَتْ هَذِهِ. قَالُوا بِفَارِسَ وَنَحْنُ نَرَى أَنْ يُجْعَلَ فِيهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْعَمُوا وَفِي رِوَايَةٍ ضَعُوا فِيهَا السَّكِينِ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ تَعَالَى وَكُلُوا. قَالَ الْخَطَّابِيُّ أَبَاحَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ظَاهِرِ الْحَالِ وَلَمْ يَمْتَنِعْ مِنْ أَكْلِهِ“.

(زرقانی شرح المواہب اللدنیہ جلد 4 صفحہ 335)

ترجمہ:- حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو آپؐ نے پیڑ دیکھ کر فرمایا۔ یہ کیا ہے؟ صحابہؓ نے کہا یہ کھانا ہے جو عجمی علاقہ میں تیار کیا جاتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اس میں چھری رکھو اور اسے کھاؤ (یعنی چھری سے کاٹ کر کھاؤ) اور احمد اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوہ تبوک میں پیڑ پیش کیا گیا۔ تو آپؐ نے پوچھا۔ یہ کہاں تیار ہوا ہے۔ صحابہؓ نے کہا۔ فارس میں اور ہمارا خیال یہ ہے کہ اس میں مُردار ڈالا جاتا ہے۔ (یعنی مُردار کی چربی) حضورؐ نے فرمایا کھاؤ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا۔ اس میں چھری رکھو اور اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔“

ان حدیثوں کی بنا پر خطابی نے کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس پنیر کو اس کی ظاہری حالت کی بناء پر مباح (جائز) ٹھہرایا ہے اور اس کے کھانے سے ممانعت نہیں فرمائی۔

اب خاص سؤر کی چربی والی روایت ملاحظہ ہو:-

حضرت شیخ زین الدین بن عبدالعزیز اپنی کتاب ”فتح المعین شرح قرۃ العین“ میں زیر عنوان ”باب الصلوۃ“ زیر ”قاعدہء مہمہ“ مطبوعہ مصر مؤلفہ 982ھ میں لکھتے ہیں:-

”وَجُوزَ اِشْتِهَارَ عَمَلِهِ بِشَحْمِ الْخِنْزِيرِ وَجُبْنَ شَامِيٍّ
اِشْتِهَارَ عَمَلِهِ بِاَنْفَحَةِ الْخِنْزِيرِ وَقَدْ جَاءَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
جُبْنَةً مِنْ عِنْدِهِمْ فَاَكَلَ مِنْهَا وَلَمْ يَسْأَلْ عَنْ ذَلِكَ. ذَكَرَهُ شَيْخُنَا
فِي شَرْحِ الْمِنْهَاجِ“

اسی حدیث کی روشنی میں خان احمد شاہ صاحب قائم مقام اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر ہوشیار پور نے 1875ء میں رسالہ ”اظہار الحق در بارہ جواز طعام اہل کتاب“ کے نام سے ایک فتویٰ شائع کیا ہے۔ اس رسالہ میں مولوی نذیر حسین صاحب وغیرہ علماء غیر مقلد کی مہر میں موجود ہیں، اور اس کے چھپوانے میں مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی نے بڑی کوشش فرمائی۔ اس فتویٰ مہری کو مولوی عطاء محمد صاحب نے مندرجہ کتاب ”اظہار الحق“ مطبوعہ ”اتالیق ہند“ لاہور کے صفحہ 17، 18 پر ”قرۃ العین“ کی شرح ”فتح المعین“ کی عربی عبارت مندرجہ بالا درج کرنے کے بعد ترجمہ یوں کیا اور لکھا:-

”اور جو بخ جو مشہور ہے بنانا اس کا ساتھ چربی سؤر کے اور پنیر شام کا جو مشہور ہے بنانا اس کا ساتھ پنیر مالع سؤر کے اور آیا جناب سرور علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس پنیر ان کے پاس سے لیا۔ پس کھایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اُس سے اور نہ ہُو چھا اُس سے (یعنی اس کی بابت)۔“

(فتویٰ اظہار الحق صفحہ 17، 18 مطبوعہ 1875ء)

اب معترضین کا صرف ایک اعتراض باقی رہ جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کیا ہے اور حضرت عائشہ کی کوئی روایت اس مضمون کی موجود نہیں۔ یہ محض مغالطہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے خط میں یہ نہیں لکھا کہ پیر کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صرف یہ ہے جیسا کہ خط سے ظاہر ہے:-

”کہ کپڑا پر منی کرتی تھی۔ تو ہم اس منی خشک شدہ کو جھاڑ دیتے تھے۔ کپڑا نہیں دھوتے تھے۔“

پنیر والی روایت کے متعلق یہ الفاظ نہیں لکھے کہ وہ حضرت عائشہ الصدیقہؓ سے مروی ہے۔ بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے بعد صرف مسئلہ کو سمجھانے کے لئے دوسری روایت کا ذکر آ گیا ہے جس میں راوی کا نام درج نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد بھی بعض باتیں احادیث کی رو سے بیان ہوئی ہیں وہ بھی حضرت عائشہ الصدیقہؓ سے مروی نہیں ہیں۔ پس پنیر والی روایت کو حضرت عائشہ الصدیقہؓ کی طرف منسوب سمجھ لینا معترضین کی غلط فہمی ہے۔ پنیر والی حدیث کا ذکر ”ستارہ محمدی“ صفحہ 14/15 ”شمس الہدی“ صفحہ 3، ”الفتح المبین“ بجواب ”الظفر المبین“ کے صفحہ 50 پر بھی موجود ہے۔

اعتراض

امام مہدی از روئے احادیث نبویہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہونا چاہیے۔ لیکن مرزا صاحب تو مغل ہیں۔ وہ کس طرح مہدی ہوئے؟

جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے:-

”الْمَهْدِيُّ مِنْ عِثْرَتِي مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ“

(کنز العمال باب خروج المہدی)

الجواب:-

واضح ہو کہ امام مہدی کے متعلق جو روایات ہیں ان میں بہت سا اختلاف موجود ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں ان روایات کو نقل کر کے ان پر جرح کی ہے۔ اور اپنی تنقید کا نتیجہ یہ بیان فرمایا ہے:-

”فَهَذِهِ جُمْلَةُ الْأَحَادِيثِ الَّتِي أَخْرَجَهَا الْأَئِمَّةُ فِي شَأْنِ الْمَهْدِيِّ وَخُرُوجِهِ آخِرَ الزَّمَانِ وَهِيَ كَمَا رَأَيْتَ لَمْ يَخْلُصْ مِنَ النَّقْدِ إِلَّا الْقَلِيلُ الْأَقْلُّ مِنْهُ“

یعنی یہ وہ تمام احادیث ہیں جنہیں ائمہ نے مہدی اور اس کے آخری زمانہ میں خروج کے متعلق نکالا ہے۔ اور یہ احادیث جیسا کہ آپ نے (جرح سے) معلوم کر لیا ہے سوائے قلیل الاقل کے تنقید سے خالی نہیں۔

روایات میں تضاد

بعض احادیث میں مہدی کو اولاد فاطمہؑ سے قرار دیا گیا ہے۔ بعض سے حضرت حسنؑ کی اولاد سے مہدی ہونا سمجھا گیا۔ بعض حضرت حسینؑ کی اولاد سے مہدی قرار دیتے ہیں۔ بعض حضرت عباسؑ کی اولاد سے۔ بعض حضرت عمرؑ کی اولاد سے اور بعض احادیث میں ہے کہ مہدی مجھ سے ہے یا میری امت میں سے نکلے گا۔

روایات میں یہ اختلاف سیاسی وجوہ سے پیدا ہوا۔ خلافت راشدہ کے بعد انتشار کے زمانہ میں ہر گروہ نے دوسرے گروہ پر اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے

روایات میں تصرف سے کام لیا ہے۔ اس لئے ان سب روایات سے اعتبار اٹھ گیا ہے جن میں مہدی کا کسی خاص خاندان میں پیدا ہونے کا ذکر ہے۔ اور صرف وہی روایات قابل قبول رہتی ہیں جن میں حضرت امام مہدی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہونا مذکور ہے۔ ایسی روایات ہی سیاسی وجوہ کے ہونے سے پاک معلوم ہوتی ہیں۔

واضح رہے کہ اکثر روایات میں مہدی کے ساتھ امام کا لفظ بھی موجود نہیں۔ اگر یہ روایات درست بھی ہوں تو مہدی کئی ہو سکتے ہیں۔ لیکن بخاری اور مسلم میں اور اسی طرح مسند احمد بن حنبل کی روایات میں نازل ہونے والے ابن مریم کو ہی الامام یا الامام المہدی قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری باب نزول عیسیٰ و مسند احمد بن حنبل کی حدیث:-

”يُوشِكُ مَنْ عَاشَ مِنْكُمْ أَنْ يُلْقَىٰ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِمَامًا مَهْدِيًا وَحَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخَنَازِيرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَتَضَعُ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا“

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 411 مطبوع بیروت بروایت ابو ہریرہ)

ترجمہ:- ”قریب ہے کہ جو تم سے زندہ ہو۔ عیسیٰ بن مریم سے اس کے امام مہدی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے اور وہ حکم و عدل ہوگا۔ پس صلیب کو توڑے گا۔ اور خنزیر کو مارے گا۔ اور جزیہ کو موقوف کر دے گا۔ اور لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے گی۔“

بخاری اور مسلم کی روایتوں میں نازل ہونے والے عیسیٰ بن مریم کے لئے علی الترتیب و امامتکم منکم اور فائتکم منکم کے الفاظ وارد ہیں۔ ان احادیث میں نازل ہونے والے عیسیٰ بن مریم کو امت کا ایک فرد قرار دیا گیا ہے۔ اس سے

ظاہر ہے امام مہدی کو ابن مریم کا نام حضرت عیسیٰ سے مماثلت رکھنے کی وجہ سے بطور استعارہ دیا گیا ہے۔

شیعوں کی حدیث بحار الانوار میں ابوالدرداء کی روایت سے امام مہدی کے متعلق بیان ہے کہ:-

”أَشْبَهُ النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ“

کہ وہ سب لوگوں سے بڑھ کر عیسیٰ بن مریم سے مشابہ ہوگا۔

ایک روایت میں ہے:-

”وَلَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ“

(ابن ماجہ کتاب الفتن باب اشراط الساعة)

اس کی روشنی کے مطابق اقتباس الانوار از شیخ محمد اکرم صابری صفحہ 52 میں لکھا ہے:-

”روح عیسیٰ در مہدی بروز کنند و نزول عبارت از این بروز است مطابق این حدیث لَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ“ کہ مسیح کی روحانیت مہدی میں بروز کرے گی اور یہی مفہوم ہے لَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ کا۔ واقعات نے ان حدیثوں کی تائید کی کیونکہ خدا تعالیٰ نے ایک ہی شخص کو امت میں سے عیسیٰ بن مریم کا نام دے کر مامور کیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ اولادِ فاطمہؑ سے ہیں

عجیب اتفاق ہے کہ:- ”مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ“ والی حدیث حضرت مسیح موعودؑ پر صادق آتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:-

”سادات کی جڑ یہی ہے کہ وہ بنی فاطمہ ہیں۔ سو میں اگرچہ علوی تو نہیں ہوں مگر بنی فاطمہ میں سے ہوں۔ میری بعض دادیاں مشہور اور صحیح النسل

سادات میں سے تھیں۔ اور ہمارے خاندان میں یہ طریق جاری رہا ہے کہ کبھی سادات کی لڑکیاں ہمارے خاندان میں آئیں اور کبھی ہمارے خاندان کی لڑکیاں اُن کے گئیں۔“ (نزول المسیح روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 426 حاشیہ)

تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”میرے وجود میں ایک حصہ اسرائیلی ہے اور ایک حصہ فاطمی۔ اور میں دونوں مبارک پیوندوں سے مرکب ہوں اور احادیث اور آثار کو دیکھنے والے خواب جانتے ہیں کہ آنے والے مہدی آخر الزمان کی نسبت یہی لکھا ہے کہ وہ مرکب الوجود ہوگا۔“ (تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 118)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا:-

”وَجَعَلَ لَكُمْ الصِّهْرَ وَالنَّسَبَ“

آپ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:-

”الہام الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الصِّهْرَ وَالنَّسَبَ“ سے ایک لطیف استدلال میرے بنی فاطمہ ہونے پر پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ صہر اور نسب اس الہام میں ایک ہی جَعَلَ کے نیچے رکھے گئے ہیں اور ان دونوں کو قریباً ایک ہی درجہ کا امر قابلِ حمد ٹھہرایا گیا ہے اور یہ صریح دلیل اس بات پر ہے کہ جس طرح صہر یعنی دامادی کو بنی فاطمہ سے تعلق ہے اسی طرح نسب میں بھی فاطمیت کی آمیزش والدات کی طرح سے ہے۔ اور صہر کو نسب پر

۱۔ حاشیہ:- ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ:-

”لَوْ نُهُ لَوْ أَنَّ عَرَبِيَّ وَجِسْمَهُ جِسْمٌ إِسْرَائِيلِيٌّ“

(النجم الثاقب مغنفہ میرزا حسین طبری صفحہ 69)

مقدم رکھنا اسی فرق دکھلانے کیلئے ہے کہ صہر میں خالص فاطمیت ہے اور نسب میں اس کی آمیزش۔ (تحفہ گولڈویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 117 حاشیہ) ایک کشف کی شہادت کہ آپ حضرت فاطمہؑ کی اولاد ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ کشف براہین احمدیہ میں یوں مذکور ہے:-
 ”اور ایسا ہی الہام متذکرہ بالا میں جو آل رسول پر درود بھیجنے کا حکم ہے۔ سو اس میں بھی یہی سر ہے کہ افاضہ انوار الہی میں محبت اہل بیت کو بھی نہایت عظیم دخل ہے۔ جو شخص حضرت احدیت کے مقربین میں داخل ہوتا ہے۔ وہ انہیں طہیین طاہرین کی وراثت پاتا ہے۔ اور تمام علوم و معارف میں ان کا وارث ٹھہرتا ہے۔ اس جگہ ایک نہایت روشن کشف یاد آیا اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز مغرب کے بعد عین بیداری میں ایک تھوڑی سی غیبت حس سے جو خفیف سے نشا سے مشابہ تھی ایک عجیب عالم ظاہر ہوا کہ پہلے ایک دفعہ چند آدمیوں کے جلد جلد آنے کی آواز آئی۔ جیسی بسرعت چلنے کی حالت میں پاؤں کی جوتی اور موزہ کی آواز آتی ہے۔ پھر اسی وقت پانچ آدمی نہایت وجہ اور مقبول اور خوبصورت سامنے آ گئے۔ یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؑ و حسینؑ و فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور ایک نے ان میں سے اور ایسا یاد پڑتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نہایت محبت اور شفقت سے مسادر مہربان کی طرح اس عاجز کا سراپنی ران پر رکھ لیا۔ پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی جس کی نسبت یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے۔ جس کو علیؑ نے تالیف کیا ہے اور اب علیؑ وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔“

(براہین احمدیہ جلد چہارم روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 598-599 حاشیہ نمبر 3)
 اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فاطمہ الزہراءؑ سے

فرزند کی نسبت رکھتے ہیں اور وہ ان کے لئے مادرِ مہربان کی۔

چنانچہ اس کشف کو آپؐ نے تحفہ گولڑویہ میں بالا اختصار درج کر کے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ:-

”غرض میرے وجود میں ایک حصہ اسرائیلی اور ایک حصہ فاطمی“۔

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 118)

یہی اس کشف کی صحیح تعبیر ہے جو خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے۔ ملہم کے اپنی بیان کردہ تعبیر کے علاوہ اس کشف کے کوئی اور معنی لینا یا تاویل کرنا ہرگز جائز نہیں۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا نام گوسرکاری کاغذات میں مغل لکھا ہوا ہے۔ لیکن درحقیقت آپ فارسی الاصل ہیں اور پیشگوئی:

”لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثَّرِيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ أَوْ رَجُلٌ مِنْ

هَؤُلَاءِ“

(بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورة الجمعة۔ باب قوله و آخرین منهم لما يلحقوا بهم)

کے مصداق ہیں۔ جو درحقیقت امام مہدی سے ہی متعلق ہے۔ اور اسے فارسی الاصل قرار دیتی ہے۔ کیونکہ یہ کہتے ہوئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی پر ہاتھ رکھا تھا۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الہامات نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ آپ فارسی الاصل ہیں۔

چنانچہ آپؐ پر الہام ہوا:-

”إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ رَدُّ عَلَيْهِمْ رَجُلٌ

مِنْ فَارِسٍ. شَكَرَ اللَّهُ سَعْيَهُ۔

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور خدا تعالیٰ کی راہ کے مزاحم ہوئے ان کا ایک مرد فارسی الاصل نے رد لکھا ہے۔ اس کی سعی کا خدا شا کر ہے۔“
(تذکرہ صفحہ 57 مطبوعہ 2004ء)

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی اعتراف ہے کہ:-
”مؤلف قریشی نہیں۔ فارسی الاصل ہے۔“

(اشاعۃ السنۃ جلد 7 صفحہ 193)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”یاد رہے کہ اس خاکسار کا خاندان بظاہر مغلیہ خاندان ہے..... اب خدا کی کلام سے یہ معلوم ہوا کہ دراصل ہمارا خاندان فارسی خاندان ہے..... کیونکہ خاندانوں کی حقیقت جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کسی دوسرے کو ہرگز معلوم نہیں۔ اسی کا علم صحیح اور یقینی ہے اور دوسروں کا شککی اور ظنی۔“
(اربعین نمبر 2 روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 365 حاشیہ)

پھر لکھتے ہیں:-

”اس عاجز کا خاندان دراصل فارسی ہے نہ مغلیہ نہ معلوم کس غلطی سے مغلیہ خاندان کے ساتھ مشہور ہو گیا..... معلوم ہوتا ہے کہ میرزا اور بیگ کا لفظ کسی زمانہ میں بطور خطاب کے ان کو ملا تھا۔ جس طرح خان کا نام بطور خطاب دیا جاتا ہے۔“ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 81 حاشیہ)

کتاب ”میڈیول انڈیا انڈر مڈن رول“ مصنفہ شینلے لین پول میں لکھا ہے:-
”لفظ مغل ہندوستان کے کالے باشندوں سے وسطی ایشیاء کے ہر گورے شریف آدمی کو تمیز کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ مختلف حملہ آور یا حکمران مسلمان ترک، مغل، پٹھان اور مغل کچھ اس طرح مل جل گئے کہ ان

سب کو بلا امتیاز مغل کے نام سے پکارا جانے لگا۔
(میڈیول انڈیا مطبوعہ ٹی فشر۔ پندرہواں ایڈیشن صفحہ 197)

توہین اہل بیت کے الزام کا رد

اعتراض:- مرزا صاحب نے ایک شعر لکھا ہے جس میں امام حسینؑ کی توہین کی ہے:-

کر بلا نیست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

الجواب

یہ شعر ہرگز توہین پر مشتمل نہیں بلکہ اپنی اور امام حسینؑ کی مظلومیت کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اہل بیت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو زبردست عقیدت تھی چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:-

جان و دلم فدائے جمال محمد است
خاکم ثار کوچہ آل محمد است

کہ میری جان و دل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر فدا ہے اور میری خاک آل محمد کے کوچہ پر نثار ہے۔

اہل بیت کا ایسا عقیدت مند کبھی ان کی توہین کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ لہذا اعتراض میں پیش کردہ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک لطیف پیرایہ میں اپنی مشکلات کا ذکر فرمایا ہے جو مخالفین اسلام کی طرف سے چاروں طرف سے اسلام پر حملہ کر کے آپؑ کو درپیش تھیں۔ شعر کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ میں ہر آن کر بلا سے گزرتا ہوں اور حضرت امام حسینؑ کی طرح سینکڑوں

مشکلات میں گھرا ہوا ہوں۔ عموماً شعراء کر بلا اور حسین سے مشکلات مراد لیتے ہیں۔
علامہ نوعی تحریر فرماتے ہیں:-

کر بلاء عشقم و لب تشنہ سرتا پائے من
صد حسینے کشتہ در ہر گوشہء صحرائے من

(دیوان علامہ نوعی)

اس شعر میں صد حسین سے صد ہا مشکلات مراد لی گئی ہیں۔

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ عشق کی وجہ سے میں کر بلا میں ہوں۔ اور سرتا پائے تشنہ لب ہوں۔ تنو کشتہ حسین میرے صحرا کے ہر ایک گوشہ میں موجود ہیں۔
گویا شاعر اپنے عشق کی راہ میں شدائد کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ سینکڑوں حسین یعنی مشکلات اسے صحرائے عشق کے ہر گوشہ میں پیش آرہی ہیں۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر میں بھی ”صد حسین است“ کے الفاظ میں مشکلات کا ہی ذکر ہے۔ ”در گریبانم“ کے الفاظ میں گریبان سے مراد بطور مجاز مرسل بوجہ مجاورت دل مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو۔ مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ اپنی قلبی حالت کا مشاہدہ کرو۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ بتا رہے ہیں کہ اسلام پر دشمنان اسلام کے حملوں کی وجہ سے میرا دل صد ہا مشکلات و مصائب میں گھرا رہتا ہے۔ مجاز مرسل کو ”نہر جاری ہے“ کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ دراصل نہر تو اپنی جگہ کھڑی رہتی ہے۔ البتہ اس میں پانی جاری ہوتا ہے۔

امام حسینؑ کی شان حضرت مسیح موعودؑ کی نگاہ میں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

میں اس شہنشاہ کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع دنیا کا کیر اور ظالم تھا۔ اور جن معنوں کے رو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنی اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی سہل امر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے:-

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قَوْلُوا
أَسْلَمْنَا^۱ (الحجرات: 15)

مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال اُن کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں۔ جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ اور اس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں۔ اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے۔ خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمالی فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو۔ سب سے اپنے تئیں دور تر لے جاتے ہیں۔ لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ ظاہر مطہر تھا اور بلاشبہ ان برگزیدوں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کرتا ہے اور بلاشبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجبِ سلبِ ایمان ہے۔ اور اس امام کا تقویٰ اور محبت اور صبر اور

۱۔ ”اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے تو ان سے کہہ دے کہ تم حقیقتاً ایمان نہیں لائے۔ لیکن تم یہ کہا کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر فرمانبرداری قبول کر لی ہے۔“

استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اُس معصوم کی ہدایت کی ابتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دل جو اُس کا دشمن ہے۔ اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے اور اُس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبتِ الہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے۔ جیسا کہ ایک صاف آئینہ ایک خوبصورت انسان کا نقش۔ یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں کون جانتا ہے ان کی قدر مگر وہی جو انہی میں سے ہے۔ دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی کیونکہ وہ دنیا سے بہت دور ہیں۔ یہی وجہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی محبت کی جاتی۔

غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی تحقیر کی جائے اور جو شخص حسین یا کسی اور بزرگ کی جو ائمہ مطہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف ان کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے کیونکہ اللہ جل شانہ اس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔ جو شخص مجھے بُرا کہتا ہے یا لعن طعن کرتا ہے اس عوض میں کسی برگزیدہ اور محبوبِ الہی کی نسبت شوخی کا لفظ زبان پر لانا سخت معصیت ہے۔ ایسے موقعہ پر درگزر کرنا اور نادان دشمن کے حق میں دعا کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ اگر وہ لوگ مجھے جانتے ہیں کہ میں کس کی طرف سے ہوں۔ تو ہرگز بُرا نہ کہتے۔ وہ مجھے ایک دجال اور مفتری خیال کرتے ہیں۔ میں نے جو کچھ اپنے مرتبہ کی نسبت کہا وہ میں نے نہیں کہا بلکہ خدا نے کہا۔ پس مجھے کیا ضرورت ہے۔ کہ ان بحثوں کو طول دوں۔ اگر میں درحقیقت مفتری اور دجال ہوں۔ اور اگر درحقیقت میں اپنے ان

مراتب کے بیان کرنے میں جو میں خدا کی وحی کی طرف ان کو منسوب کرتا ہوں کاذب اور مفتری ہوں۔ تو میرے ساتھ اس دنیا اور آخرت میں خدا کا وہ معاملہ ہوگا جو کاذبوں اور مفتریوں سے ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ محبوب اور مردود یکساں نہیں ہوا کرتے۔

سوائے عزیزو! صبر کرو کہ آخر وہ امر جو مخفی ہے کھل جائے گا۔ خدا جانتا ہے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اور وقت پر آیا ہوں مگر وہ دل جو سخت ہو گئے اور وہ آنکھیں جو بند ہو گئیں میں ان کا کیا علاج کر سکتا ہوں۔ خدا میری نسبت اشارہ کر کے فرماتا ہے کہ:-

”دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔“

پس جب کہ خدا نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ وہ زور آور حملوں سے میری سچائی ظاہر کرے گا تو اس صورت میں کیا ضرورت ہے کہ کوئی شخص میری جماعت میں سے خدا کا کام اپنے گلے ڈال کر میرے مخالفوں پر ناجائز حملے شروع کرے۔ نرمی کرو اور دعا میں لگے رہو۔ اور سچی توبہ کو اپنا شفیع ٹھہراؤ اور زمین پر آہستگی سے چلو۔ خدا کسی قوم کا رشتہ دار نہیں ہے۔ اگر تم نے اس کی جماعت کہلا کر تقویٰ اور طہارت کو اختیار نہ کیا اور تمہارے دلوں میں خوف اور خشیت پیدا نہ ہو تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہیں مخالفوں سے پہلے ہلاک کرے گا۔ کیونکہ تمہاری آنکھ کھولی گئی اور پھر بھی تم سو گئے۔ اور یہ مت خیال کرو کہ خدا کو تمہاری کچھ حاجت ہے۔ اگر تم اس کے حکموں پر نہیں چلو گے۔ اگر تم اُس کی حدود کی عزت نہیں کرو گے تو وہ تمہیں ہلاک کرے گا۔ اور ایک اور قوم تمہارے عوض لائے گا جو اُس کے حکموں پر چلے گی۔

اور میرے آنے کی غرض صرف یہی نہیں کہ میں ظاہر کروں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

فوت ہو گئے ہیں۔ یہ تو مسلمانوں کے دلوں پر سے ایک روک کا اٹھانا اور سچا واقعہ ان پر ظاہر کرنا ہے۔ بلکہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ تا مسلمان خالص توحید پر قائم ہو جاویں اور اُن کو خدا سے تعلق پیدا ہو جاوے۔ اور اُن کی نمازیں اور عبادتیں ذوق اور احسان سے ظاہر ہوں اور اُن کے اندر سے ہر ایک قسم کا گند نکل جائے۔

اور اگر مخالف سمجھتے تو عقائد کے بارے میں مجھ میں اور اُن میں کچھ بڑا اختلاف نہ تھا۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مع جسم آسمان پر اُٹھائے گئے۔ سو میں بھی قائل ہوں کہ جیسا کہ آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیّ۔ ۱

(آل عمران: 56)

کا منشاء ہے بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد وفات مع جسم آسمان پر اُٹھائے گئے۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ جسم غصری نہ تھا بلکہ ایک نورانی جسم تھا جو اُن کو اس طرح خدا کی طرف سے ملا جیسا آدم اور ابراہیم اور موسیٰ اور داؤد اور یحییٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰت والسلام کو ملا تھا۔ ایسا ہی ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ضرور دنیا میں دوبارہ آنے والے تھے جیسا کہ آگئے۔ صرف فرق یہ ہے کہ جیسا کہ قدیم سے سنت اللہ ہے۔ اُن کا آنا صرف بروزی طور پر ہوا۔ جیسا کہ الیاس بھی دوبارہ دنیا میں بروزی طور پر آیا تھا۔ پس سوچنا چاہیے۔ کہ اس قلیل اختلاف کی وجہ سے جو ضرور ہونا چاہیے تھا۔ اس قدر شور مچانا کس قدر تقویٰ سے دُور ہے۔ آخر جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم بن کر آیا ضرور تھا کہ جیسا کہ لفظ حکم کا مفہوم ہے کچھ غلطیاں اس قوم کی ظاہر کرتا جن کی طرف وہ بھیجا گیا۔ ورنہ اس کا حکم کہلانا باطل ہوگا۔ اب زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

۱ ”اُس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے کہا۔ اے عیسیٰ! میں تجھے (طبعی طور پر) وفات دوں گا اور تجھے اپنے حضور میں عزت بخشوں گا۔“

میں اپنے مخالفوں کو صرف یہ کہہ کر کہ اَعْمَلُوا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ
عَامِلٌ فَاَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (انعام: 136) اس اعلان کو ختم کرتا ہوں۔
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی۔

(فتاویٰ احمدیہ حصہ دوم صفحہ 79 تا 81)

امام حسینؑ کی یہ شان بیان کرنے والا شخص کبھی ان کی توہین کا ارتکاب نہیں
کر سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسینؑ جیسے یا حضرت عیسیٰؑ جیسے
راستباز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا اور وعید مَنْ عَادَ
وَلِیًّا لِّیْ دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے۔“

(اعجاز احمدی روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 149)

عجیب بات ہے کہ اسی اعجاز احمدی کے ایک شعر کو انصاف کا خون کر
کے بعض مخالف مناظرین کی طرف سے توہین کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام اعجاز احمدی کے مشہور قصیدہ میں امام حسین علیہ السلام
کے متعلق بعض مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

نَسِيتُمْ جَلَالَ اللَّهِ وَالْمَجْدَ وَالْعُلٰی
وَمَا وُرْدُكُمْ اِلَّا حُسَيْنًا اَتُنْكِرُ
فَهٰذَا عَلٰی الْاِسْلَامِ اِخْدٰی الْمَصَائِبِ
لَدٰی نَفْحَاتِ الْمِسْكِ قَدْزُرْ مُقْنَطَرُ

تم نے خدا کے جلال اور مجد اور بزرگی کو بھلا دیا اور تمہارا ورد صرف

اے قوم! تم اپنے طریق پر عمل کرو میں بھی اپنے طریق پر عمل کروں گا پھر تم
جلدی معلوم کر لو گے کہ اس گھر (یعنی دنیا) کا انجام کس کے حق میں ہوتا ہے۔

حسین ہے کیا تو انکار کرتا ہے۔ پس یہ (یعنی شرک) اسلام پر ایک مصیبت ہے۔ کستوری کی خوشبو کے پاس گوہ کا ڈھیر ہے۔

اس آخری مصرعے میں قَدْزَرُ مُقَنْطَرُ کے الفاظ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق نہیں بلکہ اس مصرعے میں کستوری کی خوشبو سے مراد توحید الہی ہے اور قَدْزَرُ مُقَنْطَرُ یعنی گوہ کے ڈھیر کے الفاظ مشرکانہ فعل کے متعلق ہیں۔ چنانچہ اگلے شعر میں فرماتے ہیں:-

وَإِنْ كَانَ هَذَا الشِّرْكَ فِي الدِّينِ جَائِزًا

فَبِاللَّغْوِ رُسُلُ اللَّهِ فِي النَّاسِ بُعِثُوا

اور اگر یہ شرک دین میں جائز ہے پس خدا کے پیغمبر بیہودہ طور پر لوگوں میں بھیجے گئے۔ (اعجاز احمدی روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 194)

2- معترض کہتا ہے کہ مرزا صاحب نے کہا تھا:-

”تمہارے درمیان ایک زندہ علی موجود ہے، اور تم اسے چھوڑ کر مردہ

علی کو تلاش کر رہے ہو۔“

یہ فقرہ حضرت علیؑ کی توہین پر مشتمل ہے۔

الجواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہرگز حضرت علیؑ کی توہین کا ارتکاب نہیں کر سکتے تھے۔ اس فقرہ کو اگر اس کے سیاق میں دیکھا جائے تو ہرگز کسی توہین کا موجب نہیں بلکہ اس میں حدیث نبوی مَنْ لَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ فَقَدْ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً کی روشنی میں امام الزماں کی شناخت پر زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ حضورؐ کے یہ ملفوظات جو بصورت ڈائری الحکم میں شائع ہوئے ہیں۔ حضرت علیؑ کے متعلق ایک غلو رکھنے والے شخص سے گفتگو کے سلسلہ میں ہیں۔ جو حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کا حامی

تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ ہدایت کر رہے ہیں کہ:-

”جب تک یہ اپنا طریق چھوڑ کر مجھ میں ہو کر نہیں دیکھتے یہ حق پر ہرگز نہیں پہنچ سکتے..... اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ میرے پاس آؤ۔ میری سنوتا کہ تمہیں حق نظر آوے۔ میں تو سارا ہی چولا اتارنا چاہتا ہوں۔ سچی تو بہ کر کے مومن بن جاؤ پھر جس امام کے تم منتظر ہو میں کہتا ہوں وہ میں ہوں۔ اس کا ثبوت مجھ سے لو۔ اس لئے اس خلیفہ بلا فصل کے سوال کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھا..... دیکھو سنی ان کی حدیثوں کو لغو قرار دیتے ہیں۔ یہ اپنی حدیثوں کو مرفوع متصل اور ائمہ سے مروی ٹھہراتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں یہ سب جھگڑے فضول ہیں۔ اب مردہ باتوں کو چھوڑو۔ اور ایک زندہ امام کو شناخت کرو کہ تمہیں زندگی ملے۔ اگر تمہیں خدا کی تلاش ہے تو اس کو ڈھونڈو جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہے..... میں تو بار بار یہی کہتا ہوں کہ ہمارا طریق تو یہ ہے کہ نئے سر سے مسلمان بنو۔ پھر اللہ تعالیٰ اصل حقیقت خود کھول دے گا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ امام جن کے ساتھ یہ اس قدر غلو کرتے ہیں۔ زندہ ہوں تو ان سے سخت بیزاری ظاہر کریں۔ جب ہم ایسے لوگوں سے اعراض کرتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں ہم نے ایسا اعتراض کیا جس کا جواب نہ آیا۔ اور پھر بعض اوقات اشتہار دیتے پھرتے ہیں۔ مگر ہم ایسی باتوں کی کیا پرواہ کر سکتے ہیں۔ ہم کو تو وہ کرنا ہے جو ہمارا کام ہے۔ اس لئے یاد رکھو کہ پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑ دو۔ اب نئی خلافت لو۔ ایک زندہ علی تم میں موجود ہے اس کو چھوڑتے ہو۔ اور مردہ علی کو تلاش کرتے ہو۔“

(الحکم 17 نومبر 1900ء صفحہ 2)

اقتباس کا آخری فقرہ جس پر اعتراض کیا جاتا ہے اپنے منطوق میں واضح

ہے کہ اب نئی خلافت کا دور ہے۔ جو آپ کے ذریعہ قائم ہوئی اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے علی قرار دیا ہے اور آپ زندہ موجود ہیں۔ اس لئے آپ کو چھوڑ کر وفات یافتہ علی کی طرف رجوع کرنا اور ان کی خلافت بلا فصل پر زور دینا اور مسیح موعود کو امام مہدی تسلیم نہ کرنا ایک ایسا امر ہے جو منشاء ایزدی کے خلاف ہے۔

اس عبارت میں حضرت علیؓ کی کوئی توہین اور تحقیر مقصود نہیں بلکہ حقیقت الامر کا بیان کرنا مقصود ہے کہ زندہ خلیفہ کی موجودگی میں وفات یافتہ خلیفہ کا معاملہ لے بیٹھنا اور اس کی خلافت پر زور دینا اور زندہ امام کی خلافت کو رد کرنا پسندیدہ بات نہیں۔ اس عبارت میں جو مردہ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ تحقیر کے لئے نہیں بلکہ اس واقعہ کے اظہار کے لئے ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جسمانی لحاظ سے مر چکے ہیں۔ لہذا اب ان کی خلافت کا معاملہ زندہ امام کی موجودگی میں ختم کر دینا چاہیئے اور امام الزمان کو حکم عدل مان کر اپنی اصلاح کرنی چاہیئے۔

یہ امر محال ہے کہ حضرت الامام المہدی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی تحقیر کریں۔ کیونکہ ان کے نزدیک حضرت علیؓ کی شان بہت بلند ہے۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب سِرِّ الخِلاَفۃ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”كَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَقِيًّا نَقِيًّا مِنَ الَّذِينَ هُمْ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى الرَّحْمَنِ وَمِنْ نَخَبِ الْجِيلِ وَ سَادَاتِ الزَّمَانِ. اسدُ اللَّهِ الْغَالِبِ وَ فَتَى اللَّهِ الْحَنَانِ. نَدَاكَ الْكَفَّ طَيْبَ الْجَنَانِ وَ كَانَ شَجَاعًا وَ حَيِدًا لَا يَزِيلُ مَرْكَزَهُ فِي الْمِيدَانِ. وَ لَوْ قَابَلَهُ فَوْجٌ مِنْ أَهْلِ الْعَدْوَانِ وَمِنْ أَنْكَرِ كَمَالِهِ فَقَدْ سَلَكَ مَسْلَكَ الْوَقَاحَةِ وَ كَانَ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ الْمُقْرَبِينَ وَمَعَ ذَلِكَ كَانَ مِنَ السَّابِقِينَ فِي ارْتِضَاعِ

كَاسَ الْفَرْقَانِ وَأُعْطِيَ لَهُ فَهَمٌّ عَجِيبٌ لَا دِرَاكَ دَقَائِقَ الْقُرْآنِ“۔
(سِرِّ الْخِلَافَةِ - روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 358)

ترجمہ:- ”حضرت علی رضی اللہ عنہ تقی اور تقی تھے ان لوگوں میں سے جو رحمن خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہیں اور منتخب خاندان میں سے تھے۔ اپنے زمانے کے سرداروں میں سے، خدا کے غالب شیر تھے۔ اور خدائے متان کے جوان تھے۔ سخی، خوش دل اور یگانہ بہادر تھے جو میدان سے نہیں ہٹتے تھے خواہ ان کے مقابلہ میں دشمنوں کی ایک فوج ہو..... اور جس نے آپؑ کے کمالات کا انکار کیا تو وہ بُرے طریق پر چلا..... آپؑ خدا کے مقرب بندوں میں سے تھے اور اس کے ساتھ ہی اُن سابقین میں سے تھے جنہوں نے فرقان کا پیالہ چوس کر پیا اور آپؑ کو قرآنی دقائق کا عجیب فہم عطا کیا گیا تھا“۔

اسی سلسلہ میں سر الخلافہ صفحہ 359 پر آپؑ تحریر فرماتے ہیں:-

”وَلِيٌّ مُنَاسِبَةٌ لَطِيفَةٌ بَعْلِيٍّ وَالْحُسَيْنِ وَلَا يَعْلَمُ سِرَّهَا إِلَّا رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَالْمَغْرِبَيْنِ وَإِنِّي أَحِبُّ عَلِيًّا وَابْنَاهُ وَأُعَادِي مَنْ عَادَاهُ“

یعنی مجھے حضرت علیؑ اور حسینؑ سے ایک لطیف مناسبت ہے اور اس کے راز کو صرف دو مشرقوں اور مغربوں کا رب ہی جانتا ہے۔ اور میں علیؑ اور اس کے دونوں بیٹوں سے محبت رکھتا ہوں اور جو آپؑ سے دشمنی رکھے اُس کا دشمن ہوں“۔

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت علیؑ کے لئے مُردہ کا لفظ وفات یافتہ کے معنوں میں استعمال کر رہے تھے نہ تحقیر کے معنوں میں۔ اور وفات کے معنوں میں یہ لفظ انبیاء کے حق میں بھی قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:-

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِن مِّمَّن فَهُمْ
الْخُلْدُونَ۔ (الانبیاء: 35)

کہ ہم نے کسی بشر کو تجھ سے پہلے ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ پس کیا
اے نبی اگر تو مر جائے۔ تو یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں!
نیز فرمایا:-

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ۔ (الزمر: 31)

کہ بے شک تو بھی مرجانے والا ہے اور یہ لوگ بھی مرجانے والے ہیں۔
پس جسمانی موت سے کسی نبی اور ولی کو مفر نہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ
السلام کے نزدیک تمام اصفیاء روحانی لحاظ سے آسمان میں زندہ ہیں جیسا کہ
حماتۃ البشریٰ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”ثُمَّ اَعْلَمُوا اَيَّهَا الْاَعْزَّةُ اَنْ حَيَاتِ رَسُوْلِنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ثَابِتٌ بِنَصْوَصٍ حَدِيثِيَّةٍ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَنْى لَا اُتْرِكُ مَيِّتًا فِى قَبْرِى الْى ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اَوْ اَرْبَعِيْنَ بِاَخْتِلَافِ
الرَّوَايَةِ بَلْ اُحْيَا وَاُرْفَعُ اِلَى السَّمَاءِ وَاَنْتَ تَعْلَمُ اَنْ جِسْمَهُ الْعَنْصَرِىَّ
مَدْفُونٌ فِى الْمَدِيْنَةِ فَمَا مَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ اِلَّا الْحَيَاتِ الرُّوْحَانِيَّ
وَرَفَعَ الرُّوْحَانِيَّ الَّذِى هُوَ سُنَّةُ اللّٰهِ بِاصْفِيَاثِهِ بَعْدَ مَا تَوَفَّاهُمْ كَمَا
قَالَ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلَى رَّبِّكِ وَقَدْ
جَرَتْ عَادَتُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ يَّرْفَعَ اِلَيْهِ عِبَادَهُ الصَّالِحِيْنَ بَعْدَ
مَوْتِهِمْ وَيُوَوِّدُهُمْ فِى السَّمٰوٰتِ بِحَسَبِ مَرَاتِبِهِمْ“۔

(حماتۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 220-221)

ترجمہ:- اے پیارو! جان لو کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

نصوص حدیثیہ سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ بے شک میں اپنی قبر میں (مردہ) نہ چھوڑا جاؤں گا تین دن تک یا چالیس دن تک باختلاف روایت (دیکھئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے مردہ کا لفظ استعمال فرماتے ہیں جو تحقیر کے لئے نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت کے لئے ہے۔ اسی طرح اقتباس میں حضرت علیؓ کے لئے مردہ کا لفظ استعمال ہوا) بلکہ میں زندہ کیا جاؤں گا اور آسمان کی طرف اٹھایا جاؤں گا۔ حالانکہ اے مخاطب! تُو جانتا ہے کہ آپؐ کا جسمِ غصری مدینہ میں مدفون ہے۔ پس اس حدیث کے معنی بجز روحانی زندگی اور روحانی رفع کے جو خدا تعالیٰ کی اپنے اصفیاء سے ان کو وفات دینے کے بعد سنت ہے اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ اللہ عزّ وجلّ نے فرمایا ہے کہ اے نفسِ مطمئنہ! تُو اپنے رب کی طرف لوٹ آ..... اور اللہ کی یہ جاری عادت ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کا ان کی موت کے بعد اپنی طرف رفع کرتا ہے اور انہیں آسمانوں میں ان کے مرتبہ کے مطابق جگہ دیتا ہے۔“

سرُ الخلافۃ میں آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عباد المقربین میں سے قرار دیا ہے اور حمامۃ البشریٰ میں عباد اللہ الصالحین کو مرفوع الی اللہ قرار دیتے ہوئے روحانی لحاظ سے آسمان میں زندہ قرار دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اقتباس زیر بحث میں حضرت علیؓ کے لئے مردہ کا لفظ تحقیر استعمال نہیں ہوا بلکہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے استعمال ہوا ہے کہ جسمانی لحاظ سے آپؐ زندہ نہیں۔ پس ان کی خلافت کو زیر بحث لانا اور امام وقت الامام المہدی کا انکار کرنا بے وقت کی راگنی ہے۔

متفرق اعتراضات

عدالت میں معاہدہ کی حقیقت

اعتراض نمبر 1

مرزا صاحب نے مجسٹریٹ سے ڈر کر عدالت میں لکھ دیا کہ میں کوئی ایسی پیشگوئی جو کسی کی موت کے متعلق ہو۔ بغیر فریق ثانی کی اجازت کے شائع نہ کروں گا۔

الجواب

ڈر کر ایسا کرنے کا اعتراض درست نہیں کیونکہ یہ معاہدہ تو حضرت اقدس کے پرانے دستور کے مطابق ہوا تھا کیونکہ اس معاہدہ سے تیرہ سال پہلے آپ نے اشتہار 20 فروری 1886ء میں بعض لوگوں کے ذکر میں لکھا تھا:-

”اگر کسی صاحب پر کوئی ایسی پیشگوئی شاق گزرے تو وہ مجاز ہیں کہ یکم مارچ 1886ء سے یا اس تاریخ سے جو کسی اخبار میں پہلی دفعہ یہ مضمون شائع ہو ٹھیک ٹھیک دو ہفتہ کے اندر اپنی دستخطی تحریر سے مجھ کو اطلاع دیں تا وہ پیشگوئی جس کے ظہور سے وہ ڈرتے ہیں اندراج رسالہ سے علیحدہ رکھی جائے۔ اور موجب دل آزاری سمجھ کر کسی کو اس پر مطلع نہ کیا جاوے اور کسی کو اس کے وقت ظہور سے خبر نہ دی جائے۔“

(اشتہار مذکور مندرجہ تبلیغ رسالت جلد 1 صفحہ 58 مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 95)

پھر خاص عدالتی معاہدہ کے متعلق لکھتے ہیں:-

”یہ ایسے دستخط نہیں ہیں جن سے ہمارے کاروبار میں کچھ بھی حرج ہو۔ بلکہ مدت ہوئی کہ میں کتاب انجام آہتم کے صفحہ اخیر میں بتصریح اشتہار

دے چکا ہوں کہ ہم آئندہ ان لوگوں کو مخاطب نہیں کریں گے جب تک خود ان کی طرف سے تحریک نہ ہو۔ بلکہ اس بارے میں ایک اشتہار بھی شائع کر چکا ہوں جو میری کتاب آئینہ کمالات اسلام میں درج ہے..... مجھے یہ بھی افسوس ہے کہ ان لوگوں نے محض شرارت سے یہ بھی مشہور کیا ہے کہ اب الہام کے شائع کرنے کی ممانعت ہوگئی اور ہنسی سے کہا کہ اب الہام کے دروازے بند ہو گئے۔ مگر ذرہ حیاء کو کام میں لا کر سوچیں کہ اگر الہام کے دروازے بند ہو گئے تھے تو میری بعد کی تالیفات میں کیوں الہام شائع ہوئے۔ اسی کتاب تریاق القلوب کو دیکھیں کہ کیا اس میں الہام کم ہیں۔“

(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 314 حاشیہ)

پھر اس معاہدہ سے چھ سال قبل حضورؐ نے تحریر فرمایا:-

”اس عاجز نے اشتہار 20 فروری 1886ء میں..... اندر من مراد آبادی اور لیکھرام پشاوری کو اس بات کی دعوت کی تھی کہ اگر وہ خواہشمند ہوں تو ان کی قضاء و قدر کی نسبت بعض پیشگوئیاں شائع کی جائیں۔ سو اس اشتہار کے بعد اندر من نے تو اعراض کیا اور کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا۔ لیکن لیکھرام نے بڑی دلیری سے ایک کارڈ اس عاجز کی طرف روانہ کیا کہ میری نسبت جو پیشگوئی چاہو شائع کر دو میری طرف سے اجازت ہے۔“

(اشتہار 20 فروری 1893ء تبلیغ رسالت جلد 3 صفحہ 4 مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 304)

پھر 20 فروری 1899ء کے اشتہار میں یعنی معاہدہ عدالت کے چار دن

پہلے سے جو 24 فروری 1899ء کو ہوا تحریر فرماتے ہیں:-

”میرا ابتداء ہی سے یہ طریق ہے کہ میں نے کبھی کوئی اندازی

پیشگوئی بغیر رضا مندی مصداقِ پیشگوئی کے شائع نہیں کی۔

(تبلیغ رسالت جلد 8 صفحہ 28)

پس جو احتیاط حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اندازی پیشگوئیوں کے متعلق پہلے سے کر رکھی تھی۔ بالکل اسی کے مطابق عدالت میں معاہدہ ہوا ہے تو پھر عدالت سے ڈر کر معاہدہ کرنے کا الزام باطل ہوا۔

شعر کہنے پر اعتراض

اعتراض نمبر 2

نبی شاعر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:-

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ۔ (یس: 70)

چونکہ مرزا صاحب نے شعر کہے۔ اس لئے وہ نبی نہیں ہو سکتے؟

الجواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:-

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق

اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

آیت وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ۔ (یس: 70)

اپنے سیاق کے لحاظ سے قرآن کریم کے متعلق ہے۔ جس پر آیت کے اگلے

الفاظ:-

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ۔ (یس: 70) روشن دلیل ہیں۔

ترجمہ:- یہ ہے کہ ہم نے اس نبی کو کافروں کے خیال کے مطابق شعر نہیں سکھایا۔ یہ تو نصیحت اور قرآنِ مبین ہے۔ کافروں کا یہ اعتراض تھا کہ قرآن مجید ان معنوں میں شعر ہے کہ وہ ایک جذباتی کلام ہے اور جھوٹ پر مشتمل ہے۔ خدا نے فرمایا کہ قرآن مجید ان کے مزعومہ معنی میں شعر نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو نصیحت ہے اور ایسی کتاب ہے جو بار بار پڑھی جائے گی۔ اور مضمون کو کھول کر بیان کرنے والی ہے۔

بیشک شعر گوئی کوئی اچھا پیشہ نہیں جیسا کہ بعض شاعروں نے اسے اختیار کر رکھا ہوتا ہے۔ ایسے ہی شعراء کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَأَهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهيمُونَ
وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا۔

(الشعراء: 225-228)

ترجمہ:- اس کا یہ ہے کہ عام شاعر وہ ہیں جن کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں۔ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور وہ باتیں کہتے ہیں جو خود نہیں کرتے۔ مگر مومن شعراء ایسے نہیں جو اعمالِ صالحہ بجالائے اور انہوں نے اللہ کا ذکر کیا اور مظلوم ہونے پر بدلہ لیا۔ چونکہ مومنوں کے شعر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور مناجات اور دینی نصائح پر مشتمل ہوتے ہیں یا مظلوم ہونے کے بعد جوابی صورت میں کہے گئے ہوتے ہیں۔

اس لئے ایسے اشعار ممنوع نہیں۔ پاکیزہ اشعار خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنا کرتے تھے اور بعض دفعہ حضرت حسانؓ کو فہمائش کر کے شعروں میں قریش کی ہجو کرائی اور انہیں یہ تسلی دی کہ رُوح القدس تمہارے ساتھ ہے اور ایک موقع پر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لبید کا یہ شعر:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ

اس مصرع کو پڑھ کر پسند فرمایا ہے۔ اور جنگ کے موقع پر یہ دو شعر موزوں کئے ہیں۔ جنگ حنین میں فرمایا:۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ

أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

(بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ۔ ویوم حنین اذ أعجبتکم کثرتکم.....)

ایک موقع پر اپنی انگلی زخمی ہو جانے پر فرمایا:۔

هَلْ أَنْتِ إِلَّا أَصْبُعُ دَمِيتِ

وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتِ

(بخاری کتاب الجہاد و السیر باب ما يجوز من الشعر والرجز.....)

کہ تو تو صرف ایک انگلی ہے جس سے خون بہہ پڑا ہے اور تو نے اللہ کی راہ میں یہ تکلیف اٹھائی ہے۔

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی نے شعر کے متعلق لکھا ہے:۔

”جو شخص معمولی آدمیوں سے بڑھ کر کوئی مؤثر اور دلکش تقریر کرتا تھا۔

اس کو شاعر جانتے تھے۔ جاہلیت کی قدیم شاعری میں زیادہ تر اسی قسم کے برجستہ اور دل آویز فقرے اور مثالیں پائی جاتی ہیں جو عرب کی عام بول چال سے فوقیت اور امتیاز رکھتی تھیں۔ یہی سبب تھا کہ جب قریش نے قرآن مجید کی نزالی اور عجیب عبارت سنی تو جنہوں نے اس کو کلام الہی نہ مانا۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے لگے حالانکہ قرآن شریف میں وزن کا مطلق التزام نہ تھا۔“

(مقدمہ شعر و شاعری صفحہ 36، 37 از مولانا الطاف حسین حالی مطبوعہ سٹار بکڈ پوارڈو بازار لاہور 2)

امام راغب اصفہانیؒ نے اپنی مشہور لغت میں شعر کے متعلق لکھا ہے:-

”الشَّعْرُ يُعْبَرُ بِهِ عَنِ الْكِذْبِ“

کہ شعر کا لفظ جھوٹ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ انہی معنوں کے لحاظ سے قرآن کریم کے متعلق کہا گیا ہے کہ:-

”وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ“

کہ قرآن شاعر کا کلام نہیں یعنی وہ جھوٹ پر مشتمل نہیں۔

غالباً مومنوں کے اشعار کے پیش نظر ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے کہ:-

إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ لِحِكْمَةً۔ (ابن ماجہ، کتاب الادب، باب الشعر 3755)

کہ بعض شعر حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں۔

پس جو شعر حکمت پر مشتمل ہوں وہ منافی عن نبوت نہیں۔ داؤد علیہ السلام کی زبور

ایسے ہی اشعار پر مشتمل تھی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی الہام ہوا ہے:-

”در کلام تو چیز ہے است کہ شعراء را در آں دخل نیست“

کہ تیرے کلام میں وہ بات پائی جاتی ہے جس میں شعراء کو دخل نہیں۔

وعدہ خلافی کا الزام

اعتراض نمبر 3

الزام یہ ہے کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کا اشتہار دیا اور لوگوں سے روپیہ وصول کیا کہ تین سو دلائل پچاس جلدوں میں لکھوں گا۔ مگر وعدہ پورا نہ کیا اور لوگوں کا روپیہ کھا گئے۔

الجواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا ارادہ تو پچاس جلد میں براہین احمدیہ لکھنے کا ہی تھا مگر ابھی چار حصے ہی لکھنے پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اصلاح دنیا کے لئے مامور فرما دیا اور پھر آپ نے استیٰ کے قریب کتابیں اسلام کی حقانیت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شائع کیں جن میں اپنے سینکڑوں نشانات درج کئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تبدیلی حالات کا ذکر براہین احمدیہ حصہ چہارم کے ٹائٹل بیج پر یوں کیا ہے:-

”ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی۔ پھر بعد اس کے قدرت الہیہ کی ناگہانی تجلّی نے اس احقر عباد کو موسیٰ کی طرح ایک ایسے عالم سے خبر دی جس سے پہلے خبر نہ تھی یعنی یہ عاجز بھی حضرت ابن عمران کی طرح اپنے خیالات کی شب تاریک میں سفر کر رہا تھا کہ ایک دفعہ پردہ غیب سے اِنْسِیْ اَنَارُبُکْ کی آواز آئی اور ایسے اسرار ظاہر ہوئے کہ جن تک عقل اور خیال کی رسائی نہ تھی۔ سواب اس کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہر اَوْباطُنَا حضرت رب العالمین ہے۔ اور کچھ معلوم نہیں کہ

کس اندازہ اور مقدار تک اس کو پہنچانے کا ارادہ ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اُس نے جلد چہارم تک انوار حقیقت اسلام کے ظاہر کئے ہیں۔ یہ بھی اتمامِ نجات کے لئے کافی ہیں اور اس کے فضل و کرم سے امید کی جاتی ہے کہ وہ جب تک شکوک اور شبہات کی ظلمت کو بکلی دور نہ کرے اپنی تائیداتِ غیبیہ سے مددگار رہے گا۔“

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”اس جگہ اُن نیک دل ایمانداروں کا شکر ادا کرنا لازم ہے جنہوں نے اس کتاب کے طبع ہونے کے لئے آج تک مدد دی ہے۔ خدا تعالیٰ ان سب پر رحم کرے۔ اور جیسا انہوں نے اس کے دین کی حمایت میں اپنی دلی محبت سے ہر یک دقیقہ کوشش کے بجالانے میں زور لگایا ہے خداوند کریم ایسا ہی ان پر فضل کرے۔ بعض صاحبوں نے اس کتاب کو محض خرید و فروخت کا ایک معاملہ سمجھا ہے اور بعض کے سینوں کو خدا نے کھول دیا اور صدق اور ارادت کو ان کے دلوں میں قائم کر دیا ہے۔“

(براہین احمدیہ چہار حصہ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 673)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وعدہ میں تبدیلی حالات کی تبدیلی سے

ہوتی ہے۔

حالات کی تبدیلی سے وعدہ میں تبدیلی کا ثبوت

(حدیث اول):

عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ قَالَتْ الْيَهُودُ لِقَرِيشٍ اسْئَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ
وَعَنْ أَصْحَابِ الْكَهْفِ وَذِي الْقُرْنَيْنِ فَسْئَلُوهُ فَقَالَ إِيْتُونِي غَدًا
أُخْبِرْكُمْ وَلَمْ يَسْتَتِنِ فَأَبْطَأَ عَنْهُ الْوَحْيُ بِضْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا حَتَّى شَقَّ

عَلَيْهِ وَكَذَّبَتْهُ قُرَيْشٌ. (تفسیر کمالین بر حاشیہ جلالین صفحہ 241 مجتہانی)

ترجمہ :- مجاہد سے مروی ہے یہودیوں نے قریش سے کہا اس نبی سے روح، اصحابِ کہف اور ذی القرنین کے متعلق سوال کرو۔ پس انہوں نے سوال کیا تو نبی کریمؐ نے فرمایا۔ کل آنا میں تمہیں بتاؤں گا۔ اور کوئی استثناء نہ کیا تو وحی چند دن تک رُکی رہی۔ یہاں تک کہ یہ امر آپؐ پر شاق گزرا اور قریش نے آپؐ کو جھٹلایا۔
(حدیث دوم)

مشکوٰۃ کتاب التصاویر صفحہ 385 مجتہانی دہلی میں ہے کہ جبریل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کو آنے کا وعدہ کیا۔ مگر حسب وعدہ نہ آئے۔ دوسرے دن جب آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:-

”لَقَدْ كُنْتُ وَعَدْتُنِي أَنْ تَلْقَانِي فِي الْبَارِحَةِ قَالَ أَجَلٌ وَلَكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ“۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ آپؐ تو کل آنے کا وعدہ کر گئے تھے۔ جبریل نے کہا ہاں وعدہ تو کیا تھا مگر ہم ایسے مکان میں داخل نہیں ہوا کرتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

پہلی روایت سے ظاہر ہے کہ وحی نہ آنے کی وجہ سے جس میں خدا کی کوئی مصلحت تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگلے دن تینوں سوالوں کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ اور دوسری روایت سے بھی ظاہر ہے کہ تبدیلی حالات کی وجہ سے جبریل وعدہ ایفاء نہ کر سکے۔

پس جب وعدہ کرنے والا اپنی کسی بد نیتی سے وعدہ پورا نہ کر سکے تو تب قابلِ مواخذہ ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ میں مشیتِ الہی

حائل ہوئی اور مسیح موعود علیہ السلام کے وعدہ میں بھی مشیتِ الہی حائل ہوئی۔ پس پچاس جلدیں نہ لکھنے کا الزام جائز نہیں۔

حضور علیہ السلام نے ایک عرصہ کے بعد براہین کی پانچویں جلد تحریر فرمائی اور اس وقت تصنیف فرمائی جب کہ پہلی کتاب کی پیشگوئیاں آپ کے حق میں پوری ہوئیں۔ اس طرح یہ پانچ جلدیں پچاس کے قائم مقام قرار پائیں۔ جیسے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں پچاس نمازوں کا حکم ہوا جو بار بار کی تخفیف کی درخواست پر کم ہو کر پانچ رہ گئیں۔ اور پھر خدا نے فرمایا:-

هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُونَ۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوات فی الاسراء)

یعنی ”یہ پانچ بھی ہیں اور پچاس بھی“ مراد یہ ہے کہ یہ پانچ ہی پچاس کے برابر ہوں گی اور پانچ پر پچاس کا ثواب ملے گا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب براہین احمدیہ کی پانچ جلدیں پچاس کا کام کر گئیں۔ انہی معنی میں آپ نے یہ فرمایا ہے:-

”پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا

اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطے کا فرق ہے۔ اس لئے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا۔

(دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 9)

مراد یہ ہے کہ یہ پانچ جلدیں نتیجہ کے لحاظ سے پچاس کے برابر ہیں۔

روپیہ کھانے کا الزام

بعض لوگوں نے بدگمانی اور بدگوئی سے کام لیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعلان فرمایا:-

”ایسے لوگ جو آئندہ کسی وقت جلد یادیر سے اپنے روپیہ کو یاد کر کے اس عاجز کی نسبت کچھ شکوہ کرنے کو تیار ہیں یا اُن کے دل میں بھی بدظنی پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ براہ مہربانی اپنے ارادہ سے مجھ کو بذریعہ خط مطلع فرمادیں اور میں ان کا روپیہ واپس کرنے کے لئے یہ انتظام کروں گا کہ ایسے شہر میں یا اس کے قریب اپنے دوستوں میں سے کسی کو مقرر کر دوں گا کہ تا چاروں حصے کتاب کے لے کر روپیہ اُن کے حوالے کرے اور میں ایسے صاحبوں کی بد زبانی اور بدگوئی اور دشنام دہی کو بھی محض لٹہ بخشتا ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے لئے قیامت میں پکڑا جائے۔ اور اگر ایسی صورت ہو کہ خریدار کتاب فوت ہو گیا ہو اور وارثوں کو کتاب بھی نہ ملتی ہو۔ تو چاہئے کہ وارث چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق خط میں لکھوا کر کہ اصلی وارث وہی ہے۔ وہ خط میری طرف بھیج دے تو بعد اطمینان وہ روپیہ بھیج دیا جائے گا۔“

(تبلیغ رسالت جلد 3 صفحہ 35، 36 مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 332)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

”جن لوگوں نے قیمتیں دی تھیں اکثر نے گالیاں بھی دیں اور قیمت بھی واپس لی۔“ (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 7)

پھر تحریر فرماتے ہیں:-

”ہم نے..... دو مرتبہ اشتہار دے دیا کہ جو شخص براہین احمدیہ کی

قیمت واپس لینا چاہے وہ ہماری کتابیں ہمارے حوالے کرے اور اپنی قیمت لے لے۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت اپنے اندر رکھتے تھے۔ انہوں نے کتابیں بھیج دیں اور قیمت واپس لے لی۔ اور بعض نے تو کتابوں کو بہت خراب کر کے بھیجا۔ مگر پھر بھی ہم نے قیمت دے دی..... خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے دنیٰ الطبع لوگوں سے خدا تعالیٰ نے ہمیں فراغت بخشی۔“ (ایام الصلح روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 421-422)

تین سودا گروں کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اثباتِ حقیقتِ اسلام کے لئے تین سو دلیل براہین احمدیہ میں لکھوں۔ لیکن جب میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ دو قسم (اعلیٰ تعلیمات و زندہ معجزات) کے دلائل ہزار ہا نشانوں کے قائم مقام ہیں۔ پس خدا نے میرے دل کو اس ارادہ سے پھیر دیا اور مذکورہ بالا دلائل کے لکھنے کے لئے مجھے شرح صدر عنایت کیا۔“

(دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 6)

یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اسی کے قریب کتب لکھی ہیں۔ ان میں صداقتِ اسلام کے تین سو سے زیادہ دلائل موجود ہیں۔

اعتراض نمبر 4

مشورہ سے مسیح موعود کے دعویٰ کا الزام اور اُس کا رد

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی اپنی کتاب ”قادیانیت“ کے صفحہ 66 پر لکھتے ہیں:-

”اسی سال (1891ء) کے آغاز میں حکیم صاحب (حضرت مولانا حکیم

نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ۔ ناقل) نے ایک خط میں مرزا صاحب کو

مشورہ دیا کہ وہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کریں۔“

اور یہ بھی لکھا کہ:-

”ہم کو حکیم صاحب کا اصل خط تو نہیں مل سکا لیکن مرزا صاحب نے اس خط کا جو جواب لکھا ہے اس میں حکیم صاحب کے اس مشورہ کا حوالہ ہے۔“

اور مولوی ندوی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:-

”اس سے اس تحریک کے فکری سرچشمہ کا اور اس کے اصل مجوز اور مصنف کا علم ہوتا ہے۔“

(قادیانیت از ابوالحسن ندوی صفحہ 67 بار اول مکتبہ دینیات لاہور)

آگے مولوی ندوی صاحب نے خط کا اقتباس درج کیا ہے جو یوں ہے:-
 ”جو کچھ آنحضرت نے تحریر فرمایا ہے۔ اگر دمشق حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر الگ مثیل مسیح کا دعویٰ ظاہر کیا جائے تو اس میں حرج کیا ہے۔ درحقیقت اس عاجز کو مثیل مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں۔ یہ بننا چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں داخل کر لے۔ لیکن ہم ابتلاء سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلاء ہی کو رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:-

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ۔

(مکتوبات احمد جلد دوم صفحہ 98-99 مکتوب نمبر 63 مطبوعہ اپریل 2008ء)

اس خط سے ظاہر ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے حضرت مولوی نور الدین صاحبؒ کے اس مشورہ کو جو انہوں نے دمشق حدیث کے ابتلاء پیدا ہونے کے خطرہ کے ماتحت از خود یا قبول نہیں فرمایا۔ اور اپنے آپ کو دمشق حدیث کا مصداق قرار دینے سے جو ابتلا پیش آ سکتی تھی اس ابتلا کو ترقیات کا ذریعہ قرار دیا۔ پس اس خط

سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے حضرت مولوی نور الدین صاحبؒ کے مشورہ سے مسیح موعود کا دعویٰ کیا۔ مسیح موعود کا دعویٰ تو ہو چکا تھا اور حضرت مولوی صاحبؒ کو اس پر اطلاع ہو چکی تھی۔ اس اطلاع ہی پر تو حضرت مولوی صاحبؒ یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ دمشق حدیث کا اپنے تئیں مصداق قرار نہ دیں مگر اُن کا یہ مشورہ آپؐ نے رد کر دیا۔

عجیب بات ہے کہ مولوی ندوی صاحب کو خود اس بات کا اعتراف ہے کہ مرزا صاحبؒ نے حکیم صاحبؒ کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

”مرزا صاحب نے جس انداز میں حکیم صاحب کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی ہے اور ان کے خط سے جس کسر نفسی، تواضع اور خشیت کا اظہار ہوتا ہے وہ بڑی قابلِ قدر چیز ہے۔ اور اس سے مرزا صاحب کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔“

(قادیانیت از ابوالحسن ندوی صفحہ 70 بار اول مکتبہ دینیات لاہور)

اس عبارت تک ندوی صاحب نے مستشرقین کی طرز پر حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے حضرت مولوی نور الدینؒ کے مشورہ کو قبول کرنے کا ذکر کر کے آپؐ کی تعریف کی ہے۔ اور اب دیکھئے وہ مٹھاس میں کس طرح زہر ملاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”لیکن ان کی کتابوں کا تاریخی جائزہ لینے کے بعد یہ تاثر اور عقیدت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اچانک یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ اور اعلان کر دیا۔“ (قادیانیت از ابوالحسن ندوی صفحہ 70 بار اول مکتبہ دینیات لاہور)

واضح ہو کہ مولوی ندوی صاحب کو مسلم ہے۔ کہ وہ مکتوب جو انہوں نے نقل کیا ہے۔ اس پر 24 جنوری 1891ء کی تاریخ درج ہے۔ ملاحظہ ہو قادیانیت صفحہ 67۔ تجویز قبول کر لینے کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ 1891ء کی تصنیف ”فتح اسلام“ میں:-

”ہم پہلی مرتبہ ان کا یہ دعویٰ پڑھتے ہیں وہ مثیل مسیح اور مسیح موعود ہیں۔“

مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب نے جو خط مسیح موعود علیہ السلام کو لکھا ہے وہ آپ کے اس دعویٰ مسیح موعود پر اطلاع پانے کے بعد لکھا ہے۔ اور اس اطلاع پر حضرت مولوی صاحب نے از خود یہ مشورہ دیا ہے کہ دمشق حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر مثیل مسیح کا دعویٰ کیا جائے۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب کو یہ لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اب مثیل مسیح کا دعویٰ بطور مسیح موعود کر چکے تھے ورنہ مثیل مسیح کا دعویٰ علی الاطلاق تو اس سے بہت پہلے آپ براہین احمدیہ میں پیش کر چکے ہوئے تھے۔

حضرت مولوی صاحب کا مشورہ یہ نہ تھا کہ آپ مثیل مسیح کا دعویٰ کریں بلکہ مشورہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو دمشق حدیث کا مصداق ظاہر نہ کریں۔ یہ مشورہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ہرگز قبول نہیں کیا۔ اور مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا یہ لکھنا بالکل غلط ہے کہ:-

”اچانک یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی اس تجویز کو قبول کر لیا۔“ (قادیانیت از ابوالحسن ندوی صفحہ 70 بار اول مکتبہ دینیات لاہور)

پھر غور سے مکتوب پڑھیے۔ حضرت مولوی صاحب کے خط میں تجویز یہ نہیں تھی کہ مثیل مسیح کا دعویٰ کریں۔ بلکہ تجویز یہ تھی کہ دمشق حدیث کا اپنے تئیں مصداق ظاہر نہ کریں۔ اور اسے چھوڑ کر مثیل مسیح یعنی مسیح موعود کا دعویٰ کریں۔ دمشق حدیث

کا مصداق ظاہر کرنے پر حضرت مولوی صاحبؒ کے نزدیک ابتلا کا ڈر تھا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس خط سے ظاہر ہے کہ آپؑ اس ابتلا سے نہیں ڈرے بلکہ اس کو ترقیات کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے تو مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کو یہ لکھنا پڑا کہ:-

”مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت

کی ہے۔“

خط کے منطوق سے معذرت ہی ظاہر ہوتی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپؑ نے مشورہ قبول نہیں کیا۔ اب اگر بقول مولوی ابوالحسن صاحب ندوی فتح اسلام کی اشاعت کے وقت آپؑ نے حضرت مولوی صاحبؒ کا مشورہ قبول کرتے ہوئے دعویٰ کیا تھا۔ پھر چاہیے تو یہ تھا کہ آپؑ 1891ء میں اپنے آپکو دمشق حدیث کا مصداق قرار نہ دیتے۔ لیکن ہم اسکے برعکس یہ دیکھتے ہیں کہ 1891ء کی تصنیف ازالہ اوہام میں آپؑ نے دمشق حدیث کا اپنے تئیں مصداق قرار دیا ہے۔ جس پر ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 134-135 کا حاشیہ شاہد ناطق ہے۔ ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو:-

”صحیح مسلم میں یہ جو لکھا ہے کہ حضرت مسیح دمشق کے مینارہ سفید شرقی کے پاس اترینگے..... دمشق کے لفظ کی تعبیر میں میرے پرمنجانب اللہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبہ کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزید الطبع اور یزید پلید کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں۔“

آگے ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 حاشیہ صفحہ 138 پر لکھتے ہیں:-

”قادیان کی نسبت مجھے یہ بھی الہام ہوا کہ اُخْرِجْ مِنْهُ الْيَزِيدِيُّونَ

یعنی اس میں یزیدی لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔“

اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الہام:-

”إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قَرِيبًا مِّنَ الْقَادِيَانِ“

درج کر کے لکھا ہے:-

”اب جو ایک نئے الہام سے یہ بات بہ پایہ ثبوت پہنچ گئی کہ قادیان کو خدائے تعالیٰ کے نزدیک دمشق سے مشابہت ہے۔“
پھر آگے اس کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے:-

”اس کی تفسیر یہ ہے إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قَرِيبًا مِّنَ دِمَشْقَ بِطَرَفِ شَرْقِيٍّ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ کیونکہ اس عاجز کی سکونتی جگہ قادیان کے شرقی کنارہ پر ہے۔“
(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 139 حاشیہ)

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دمشق حدیث کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے اور قادیان کو بطور استعارہ دمشق سے تعبیر کیا ہے۔
اس بات کا ثبوت کہ مثیل مسیح کا دعویٰ فتح اسلام سے بھی پہلے موجود تھا یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ازالہ اوہام میں تحریر فرماتے ہیں:-

”میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح بن مریم ہوں۔ جو شخص یہ الزام میرے پر لگا دے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے۔ بلکہ میری طرف سے عرصہ سات یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں۔“
(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 192)

اس سے ظاہر ہے کہ 1891ء سے جب کہ ازالہ اوہام شائع ہوئی سات آٹھ سال پہلے سے آپ کا دعویٰ مثیل مسیح کا موجود تھا چنانچہ یہ دعویٰ براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

”اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت متشابہ واقع ہوئی

ہے۔ گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور
بحدی اتحاد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے..... سو چونکہ اس
عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی
پیشگوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے۔“

(براہین احمدیہ حصہ چہارم روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 593-594 حاشیہ نمبر 3)

اس سے ظاہر ہے کہ ازالہ اوہام میں حضورؐ کا یہ لکھنا بالکل بجاتھا کہ سات
آٹھ سال پہلے سے آپؐ کا مثیل مسیح کا دعویٰ موجود تھا۔ اس عبارت سے تو یہ بھی
ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ مسیح کی آمد کی پیشگوئی میں شریک ہیں مگر اسکے باوجود آپؐ نے
مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہ کیا۔ کیونکہ رسمی عقیدہ کے طور پر آپؐ خود بھی حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کی حیات اور ان کی دوبارہ اصالتاً آمد کے قائل تھے۔

1890-91ء میں آپؐ کے دعویٰ مثیل مسیح کے ساتھ آپؐ پر الہاماً مسیح
موعود ہونے کا انکشاف ہوا۔ اور آپؐ نے کھلے لفظوں میں اپنے تئیں مثیل مسیح ہونے
کو بطور مسیح موعود قرار دیا اور مسیح ناصری کی اصالتاً آمد کے خیال کو ترک فرما دیا۔ کیونکہ
اس بارہ میں آپؐ کو یہ الہام ہو چکا تھا کہ:-

”مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر
وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔“ وَكَانَ وَعْدُ اللَّهِ مَفْعُولًا “

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 402)

نیز آپؐ پر الہام ہو گیا تھا:-

”جَعَلْنَاكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ“

کہ ہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا۔ (یعنی استعارہ کے طور پر)

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 442)

ابوالحسن صاحب ندوی مثیل مسیح کے دعویٰ کو 1891ء سے قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ دعویٰ براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ پس مثیل مسیح کے دعویٰ کو ترک نہیں کیا گیا۔ بلکہ 1891ء میں اپنے مثیل مسیح ہونے کو ہی مسیح موعود الہاماتِ جدیدہ کی روشنی میں قرار دیا گیا ہے۔ پس مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ قول بالکل غلط ہے کہ:-

”یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے ”مثیل مسیح“ ہونے کا دعویٰ اور اعلان کر دیا۔“

(قادیانیت از سید ابوالحسن ندوی صفحہ 70 ناشر مکتبہ دینیات لاہور بار اول)
قارئین پر واضح ہو کہ مثیل مسیح کا دعویٰ تو سات آٹھ سال پہلے موجود تھا۔ اب اعلان یہ ہوا ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں اور مسیح موعود کے لئے مثیل مسیح ہونا ضروری تھا۔ لہذا عیسیٰ بن مریمؑ کا اصالتاً آمد کا خیال درست نہیں۔ پس یہ اعلان آپ نے الہامات کی روشنی میں کیا ہے نہ کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے۔ بلکہ جو مشورہ انہوں نے ابتلاء سے ڈر کر دیا ہے۔ اُسے تو آپ نے رد کر دیا ہے اور ابتلاء کو ترقیات کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ لہذا ابوالحسن صاحب کو اپنے یہ الفاظ دل و جان سے قبول کر لینے چاہئیں:-

”ان کے (یعنی حضرت مرزا صاحب) خط سے جس کسر نفسی، تواضع اور خشیت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ بڑی قابلِ قدر چیز ہے۔ اور اس سے مرزا صاحب کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔“

خدا تعالیٰ نے مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کے قلم سے خود ایک حوالہ براہین احمدیہ سے ”قادیانیت“ کے صفحہ 47 پر درج کر دیا ہے جو اس بات پر شہدِ ناطق

ہے کہ براہین میں آپؐ نے مسیح سے مماثلت کا دعویٰ کیا تھا۔ پیش کردہ عبارت کے الفاظ یہ ہیں:-

”یہ عاجز (مؤلف براہین احمدیہ) حضرت قادرِ مطلق جلّ شانہ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری اسرائیلی (مسیح) کے طرز پر کمال مسکینی و فروتنی و غربت و تذلل و تواضع سے اصلاحِ خلق کے لئے کوشش کرے۔“

(تبلیغ رسالت مجموعہ اشتہارات جلد 1 صفحہ 11۔ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 25 اشتہار نمبر 13)

نبی کا اُستاد

اعتراض نمبر 5

نبی کا کوئی اُستاد نہیں ہوتا۔ مگر مرزا صاحب کے اُستاد تھے۔ جن سے انہوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا؟

الجواب

یہ تو درست ہے کہ روحانی امور میں نبی کا اُستاد خدا تعالیٰ ہوتا ہے۔ اور اگر نبی تابع ہو تو متبوع نبی کی شریعت بھی روحانیت میں اس کا اُستاد ہوتی ہے۔ لیکن اس بارہ میں کوئی دلیل موجود نہیں کہ ہر نبی کے لئے اُمّی (اُن پڑھ) ہونا ضروری ہے۔ انبیاء میں سے یہ شرف صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ اُمّی تھے۔ حسب آیت الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ۔ (الاعراف: 158)

توریت کے بعد سینکڑوں نبی آئے لیکن ان میں سے کسی کو اُمّی نہیں کہا

گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خاص علامات میں سے اُمّی نبی ہونا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کا حضرت خضر علیہ السلام سے تعلیم پانا قرآن کریم کی سورۃ کہف میں موجود ہے۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت نبی تھے۔ اور حضرت خضرؑ کی نبوت مختلف فیہا ہے۔

تفسیر حسینی میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد علیہما السلام پر کتاب جو ایک بار اتری تو وہ لکھتے پڑھتے تھے اور ہمارے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمّی تھے۔

(تفسیر حسینی مترجم اردو جلد 2 صفحہ 140 زیر آیت وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلاً - الفرقان: ۳۳) اسی طرح بیضاوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے:- ”كَانَ أُمِّيًّا“۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ کے متعلق لکھا ہے:-

”كَانُوا يَكْتُبُونَ“ کہ وہ لکھے پڑھے تھے۔

تفسیر بیضاوی میں زیر آیت هَلْ أَتَّبِعَكَ (سورۃ کہف) لکھا ہے:-
 ”وَلَا يُنَافِي نُبُوَّتَهُ وَكَوْنَهُ صَاحِبَ شَرِيعَةٍ أَنْ يَتَعَلَّمَ مِنْ غَيْرِهِ
 مَا لَمْ يَكُنْ شَرْطًا فِي أَبْوَابِ الدِّينِ“

(تفسیر بیضاوی جلد 1 تفسیر سورۃ الکہف زیر آیت: 66- مطبع دار احیاء التراث العربی) یعنی حضرت موسیٰ کا کسی غیر سے ایسا علم سیکھنا جو امور دین میں سے نہ ہو ان کی نبوت اور ان کے صاحب شریعت ہونے کے منافی نہیں ہے۔

پھر تفسیر حسینی میں ہے ”کہ رسول ایسا چاہیے۔ کہ جن کی طرف بھیجا گیا ہے ان سے ان اصول و فروع دین کا عالم زیادہ ہو جو ان کی طرف لایا ہے اور جو علم اس قبیل سے نہیں اس کی تعلیم امور نبوت کے منافی نہیں اور اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُورِ

دُنْيَاكُمْ۔ (تفسیر سنی مترجم اردو موسومہ تفسیر قادری جلد 1 صفحہ 638 سورۃ کہف)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق صحیح بخاری میں مروی ہے:-

”إِذْ كَانَ بِهَا أَهْلُ أَبْيَاتٍ مِنْهُمْ وَشَبَّ الْغُلَامُ وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ“

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب (يَزْفُون) الصافات: ٩٣ النَّسْلَانِ فِي الْمَشْيِ)

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت اُن (بنو جرحم)

میں سے کچھ گھروالے جمع ہو گئے۔ وہ بچے (حضرت اسماعیل) جوان ہو اور

اس نے اُن سے عربی زبان کا علم حاصل کیا۔

نبی کا مرکب نام

اعتراض نمبر 6

نبی کا نام مُرْتَب نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب کا نام مُرْتَب تھا؟

الجواب:- نبی کا نام نہ صرف مُرْتَب بلکہ مُرْتَب اضافی بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید

میں ایک نبی کا نام ”ذَالْكِفْلِ“ مذکور ہے جو مُرْتَب اضافی ہے۔ پھر اسماعیل بھی

مُرْتَب نام ہے۔ ”اسمع“ اور ”ایل“ سے۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے متعلق آیا ہے:-

”اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ“

عیسیٰ ابن مریم بھی مرکب نام ہے اور پھر مسیح کے لفظ سے اس کو مزید

ترکیب دی گئی ہے اور سارے نام کو ”اسْمُهُ“ کہا گیا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا ایک نام ”ذُو النُّون“ بھی ہے جو مرکب ہے۔

حج نہ کرنے کی وجہ

اور

حدیث لِيُهْلَنَ ابْنُ مَرْيَمَ کی تشریح

اعتراض نمبر 7

مرزا صاحب نے حج کیوں نہیں کیا۔ جب کہ یہ اسلام کا ایک رکن ہے؟
الجواب:- حج کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

”لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا“۔

(آل عمران: 97)

ان شرائط میں رستہ کا امن اور صحت بھی داخل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ دونوں شرطیں حاصل نہ تھیں۔ کیونکہ مکہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رستہ کے امن کی شرط ثابت ہے۔ کیونکہ جب آپ طوافِ کعبہ کے لئے گئے اور حدیبیہ کے مقام پر روک دیئے گئے تو آپ واپس چلے آئے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی رُکے رہے۔ البتہ حدیثِ نبوی کے مطابق آپ کا حج بدل کرایا گیا۔ حدیثِ نبوی میں جو یہ وارد ہے:-

”لِيُهْلَنَ ابْنُ مَرْيَمَ بِفَجِّ الرُّوحَاءِ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا“ الخ

(مسلم کتاب الحج باب اِهْلَالِ النَّبِيِّ وَهَدْيِهِ)

اس حدیث میں درحقیقت عیسائی دنیا کو یہ بتانا مقصود تھا کہ تمہارا مسیح بیت اللہ کا حج کرے گا۔ پس تمہارا فرض ہے کہ شریعتِ محمدیہ پر ایمان لاؤ۔ اس حدیث کا

تعلق اُمّ محمدیہ کے مسیح موعود سے نہیں۔ یہ پیشگوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی پوری ہوگئی۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ:-

”إِنَّهُ مَرَّ بِالصُّخْرَةِ مِنَ الرُّوحَاءِ سَبْعُونَ نَبِيًّا خُفَاتَا عَلَيْهِمُ الْعَبَاءُ يَطُوفُونَ الْبَيْتَ الْعَتِيقَ“
(شَرْحُ التَّعْرِفِ صَفْحَه 7)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روحاء کی چٹان کے پاس سے سترنبیوں نے ننگے پاؤں چادریں اوڑھے خانہ کعبہ کا طواف کیا ہے۔
صحیح مسلم کی روایت میں ہی یہ بھی ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر شئی گھائی کے پاس آئے تو فرمایا:-

”كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى يُونُسَ عَلَى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ عَلَيْهِ جُبَّةٌ.....
مَا رَأَيْتُهَا الْوَادِي مُلْبِيًّا“۔

(مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ..... و مشکوٰۃ مجتبیٰ صفحہ 561)
ترجمہ:- اس کا یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ یونس نبی ایک سُرخ اونٹنی پر سوار صوف کا جبہ پہنے اس وادی سے تلبیہ کرتے ہوئے گزر رہے ہیں۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں حضرت یونس علیہ السلام کو حج کرتے دیکھا ہے۔ پس انبیاء سابقین کی ارواح بعد از وفات اپنے نورانی جسم کے ساتھ جو انہیں بعد از وفات ملتا ہے۔ خانہ کعبہ کا حج کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ پہلی حدیث میں سترنبیوں کے حج کرنے کا ذکر آیا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ بھی حج یا عمرہ کر چکے ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کُنْتُ أَطُوفُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَوْلَ الْكَعْبَةِ إِذْ رَأَيْتُهُ صَافَحَ شَيْئًا وَلَمْ أَرَاهُ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ رَيْنَاكَ صَافَحْتَ شَيْئًا وَلَا نَرَاهُ۔ قَالَ

ذَلِكَ أَخِي عَيْسَى بْنُ مَرْيَمَ اِنْتَظَرْتُهُ حَتَّى قَضَى طَوَافَهُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ۔

(الفتاویٰ الحدیثیہ للامام ابن حجر الہیثمی صفحہ 154 مصری)
ترجمہ: راوی کہتا ہے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضور نے کسی سے مصافحہ کیا ہے جو مجھے نظر نہیں آیا میں نے کہا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو کسی سے مصافحہ کرتے دیکھا ہے اور اس شخص کو نہیں دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرا بھائی عیسیٰ بن مریم تھا۔ میں نے اس کے طواف کرنے کا انتظار کیا اور پھر میں نے اسے سلام کیا ہے۔

پس عیسیٰ علیہ السلام کے حج کی پیشگوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پوری ہو چکی ہے فحی الروحہ۔ وفات یافتہ لوگوں کا میقات احرام ہے۔

مالیخو لیا مراقی کے اعتراض کی تردید

اعتراض نمبر 8

مرزا صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ انہیں مراق تھا۔ لہذا اُن کے دعاوی، مالیخو لیا کا نتیجہ تھے؟

الجواب :- انبیاء کو پہلے بھی لوگ مجنون کہتے رہے ہیں۔ چنانچہ منکرین یہ کہتے آئے ہیں :-

أَيُّنَا لَتَارِكُو الْهَيْتَنِ لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ (الصّافات: 37)

ترجمہ :- ”کیا ہم ایک شاعر مجنون کے لئے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں“۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دیوانہ کہا گیا تو خدا تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا :-

نَوَالِقَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ - مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ وَإِنَّ
لَكَ لَآخِرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ - وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ - فَسَتَبْصُرُ وَيُبْصِرُونَ
بِأَبْيَكُمُ الْمَفْتُونُ - (القلم: 2 تا 7)

ترجمہ :- دوات اور قلم اور جو کچھ لکھ رہے ہیں۔ وہ شاہد ہیں کہ تو اپنے رب کے

فضل سے مجنون نہیں اور تجھے خدا کی طرف سے ایسا بدلہ ملے گا جو کبھی ختم نہیں

ہوگا اور تو نہایت اعلیٰ اخلاق پر قائم ہے۔ پس جلدی ہی تو بھی دیکھ لے گا اور وہ

بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ (یعنی کس کو خدا

کی مدد ملتی ہے اور کون خدا کی نصرت سے محروم رہتا ہے)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہر جگہ اپنی دو بیماریوں کا ذکر فرمایا

ہے۔ جن میں سے ایک دورانِ سر اور دوسری کثرتِ بول کی بیماری ہے۔ اور مالیخو لیا

مراقی کی بیماری سے جو صریح طور پر جنون کی ایک قسم ہے، آپ نے صریح انکار کیا

ہے۔ ڈائری میں جو مراق کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد مالیخو لیا مراقی نہیں بلکہ

پردہ مراق کی بیماری دورانِ سر ہے۔ دیکھئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

”ایسا ہی خدا تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر کوئی خبیث مرض دامنگیر ہو جائے۔ جیسا کہ جذام اور جنون اور اندھا ہونا اور مرگی۔ تو اس سے یہ لوگ نتیجہ نکالیں گے کہ اس پر غضب الہی ہو گیا۔ اس لئے پہلے سے اُس نے مجھے براہین احمدیہ میں بشارت دی کہ ہر ایک خبیث عارضہ سے تمہیں محفوظ رکھوں گا اور اپنی نعمت تجھ پر پوری کروں گا۔“

(اربعین نمبر 3 روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 419 حاشیہ)

طب اکبر میں مراق کی تین قسمیں لکھی ہیں۔ صداغ مراق، دوآر مراق اور مائیخو لیا مراق۔ ان میں سے صرف مائیخو لیا مراق کے ڈانڈے جنون سے ملتے ہیں اور باقی دو قسمیں پردہ مراق کی دماغی محنت کرنے والوں کو عارض ہو جاتی ہیں۔ ان دونوں قسموں کا جنون سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف پردہ مراق سے بخارات اُٹھ کر دماغ کی طرف جاتے ہیں جن سے سردرد یا دورانِ سر لاحق ہو جاتا ہے۔ پس پردہ مراق کے ماؤف ہونے سے دوآر کا عارضہ آپ کو ضرور تھا۔ سیرت المہدی میں حضرت امّ المؤمنینؓ کی روایت میں جو ہسٹیر یا کالفظ آیا ہے اس سے بھی دورانِ سر ہی مراد ہے۔ ہسٹیر یا مائیخو لیا مراق نہیں ہوتا۔ یہ تو الگ بیماری ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں مخالفین کی نکتہ چینیوں کے ذیل میں لکھا ہے:-

”دوسری نکتہ چینی یہ ہے کہ مائیخو لیا یا جنون ہو جانے کی وجہ سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یوں تو میں کسی کے مجنون کہنے یا دیوانہ نام رکھنے سے ناراض نہیں ہو سکتا بلکہ خوش ہوں کیونکہ ہمیشہ سے نا سمجھ

لوگ ہر ایک نبی اور رسول کا بھی ان کے زمانہ میں یہی نام رکھتے آئے ہیں۔ اور قدیم سے ربانی مصلحوں کو قوم کی طرف سے یہی خطاب ملتا رہا ہے۔ اور نیز اس وجہ سے بھی مجھے خوشی پہنچی ہے کہ آج وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ جو براہین میں طبع ہو چکی ہے کہ تجھے مجنون بھی کہیں گے۔ لیکن حیرت تو اس بات میں ہے کہ اس دعویٰ میں کون سے جنون کی بات پائی جاتی ہے۔ کون سی خلاف عقل بات ہے جس سے معترضین کو جنون ہو جانے کا شک پڑ گیا۔ اس بات کا فیصلہ ہم معترضین کی ہی کائنات اور عقل پر چھوڑتے ہیں۔ اور ان کے سامنے اپنے بیانات اور اپنے مخالفوں کی حکایات رکھ دیتے ہیں کہ ہم دونوں گروہ میں سے مجنون کون سا ہے اور عقل سلیم کس کی طرف قرار دیتی ہے۔“

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 121)

غیر زبانوں میں الہامات کی وجوہ

اعتراض نمبر 9

غیر زبانوں میں الہامات کیوں ہوئے؟

الجواب:-

(۱) اس زمانہ میں عیسائیوں، برہمنوں، اور سرسید احمد خان کا یہ نظریہ تھا کہ الہام الفاظ میں نازل نہیں ہوتا۔ بلکہ ملہم کے دل میں خیال پیدا کیا جاتا ہے جسے وہ اپنے لفظوں میں بیان کر دیتا ہے۔ اسی نظریہ کی تردید کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر غیر زبانوں میں الہامات ہوئے۔ جن سے آپ واقف نہیں تھے۔ تاہم ثابت ہو کہ الہام الفاظ میں بھی نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض الہامات پیشگوئیوں پر مشتمل ہیں جو اسرارِ سرستہ کی حیثیت رکھتے تھے اور وقت پر ان کی حقیقت کھولی گئی۔

(2) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ بعثت آپ کی ساری دنیا کی طرف ہے اور الہام آپ کو صرف عربی زبان میں ہوتا ہے۔ اس لئے مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ ہیں۔ عربی زبان کو اتم الالسنہ ثابت کیا گیا۔ اور دوسری زبانوں میں بعض الہامات نازل کئے۔ قرآن کریم کے نزول کے وقت غیر زبانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر الہامات نازل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ابھی مواصلات کا سلسلہ وسیع نہیں ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جب مواصلات کا سلسلہ وسیع ہو گیا تو غیر زبانوں میں الہامات نازل کر کے اس طرف توجہ دلائی کہ خدا تعالیٰ ہر زبان میں کلام کرتا ہے۔ اس لئے اس سے تعلق پیدا کرنے والی قومیں اس کے لذیذ کلام کو اپنی

زبان میں سن سکتی ہیں۔

عیسائیوں اور برہمنوں وغیرہ کے اسی غلط نظریہ کی تردید میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ الہام نازل ہوا کہ:-

”اس نشان کا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے

منہ کی باتیں ہیں“ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 87)

قرآن مجید خدا کے منہ کی باتیں ہیں!

”میرے منہ کی باتیں ہیں“ سے مراد یہ ہے کہ یہ خدا کے منہ کی باتیں ہیں۔ یعنی خدا بتا رہا ہے کہ قرآن لفظاً نازل ہوا ہے نہ یہ کہ اس کا مفہوم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالا گیا۔ جو آپؐ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا۔ بعض لوگ بے سمجھی سے اس الہام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحبؒ نے قرآن مجید کو اپنے منہ کی باتیں کہا ہے۔ حالانکہ یہ فقرہ مرزا صاحب علیہ السلام کا اپنا کلام ہے ہی نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے۔ ان کو مغالطہ اس سے لگا ہے کہ پہلے فقرہ میں خدا کا ذکر بصیغہ غائب ہے اور دوسرے فقرہ میں بصیغہ متکلم۔ الہامی زبان میں خدا کا یہ طریق ہے کہ کبھی وہ غائب سے متکلم کی طرف بھی التفات کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَاللّٰهُ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیْحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فُسْفِنُهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ۔

(فاطر: 10)

یعنی خدا وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ پس وہ بادل کو اٹھاتی ہیں۔ پھر

ہم (یعنی خدا) اسے مردہ علاقہ کی طرف ہانک دیتے ہیں۔

دیکھئے اس آیت میں غائب سے متکلم کی طرف التفات ہے۔

یہ آریوں کا خیال ہے کہ خُدا انسانوں کی زبان میں کلام نہیں کرتا

اعتراض نمبر 10

مرزا صاحب نے کہا ہے:-

”بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا کیونکہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے۔“ (چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 218)

جب یہ بات ہے تو پھر مرزا صاحب کو غیر زبانوں میں کیوں الہام ہوا؟

الجواب:- یہ عبارت آریوں کے اس خیال کے رد میں ہے کہ خدا انسان کی زبان میں نہیں بولتا اور اس نے اپنے رشیوں پر وید اپنی زبان میں نازل کئے جسے رشی نہیں جانتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس امر کو بیہودہ اور غیر معقول قرار دیتے ہیں کہ خدا کا کلام ایسی زبان میں ہو جس کو کوئی سمجھتا ہی نہیں۔ اسی عبارت کے بعد مرزا صاحب نے خود فرمایا ہے کہ مجھے مختلف زبانوں میں الہامات ہوئے۔

(ملاحظہ ہو چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 218)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو ایسے الہامات ہوئے ہیں وہ ایسی زبانوں میں ہوئے ہیں جو دنیا میں سمجھی جاتی ہیں اور اُن کے بولنے والے دُنیا میں موجود ہیں۔ پس آپ نے ایسی زبان میں الہام نازل ہونے کو بیہودہ اور غیر معقول قرار دیا ہے جس کو دُنیا میں کوئی نہ جانتا ہو۔

چو ہڑے اور چمار نبی نہیں ہو سکتے نبی اعلیٰ خاندان سے آتا ہے

اعتراض نمبر 11

تریاق القلوب کی ایک عبارت کی بناء پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ چو ہڑے اور چمار بھی نبی ہو سکتے ہیں۔

الجواب :- ایسے لوگوں کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے :-

”اب خدا تعالیٰ کی قدرت پر خیال کر کے ممکن تو ہے کہ وہ اپنے

کاموں سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائے اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کا

ایسا فضل اس پر ہو کہ وہ رسول اور نبی بھی بن جائے۔ اور اسی گاؤں کے شریف

لوگوں کی طرف دعوت کا پیغام لیکر آوے اور کہے کہ جو شخص تم میں سے میری

اطاعت نہیں کرے گا۔ خدا اُسے جہنم میں ڈالے گا۔ لیکن باوجود اس امکان

کے جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی ہے کبھی خدا نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ ایسا کرنا

اسکی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ لوگوں کے لئے یہ

ایک فوق الطاقت ٹھوکر کی جگہ ہے۔ کہ ایک ایسا شخص جو پشت در پشت سے

رذیل چلا آتا ہے..... اب اگر لوگوں سے اس کی اطاعت کرائی جائے تو

بلاشبہ لوگ اسکی اطاعت سے کراہت کریں گے۔ کیونکہ ایسی جگہ میں کراہت

کرنا انسان کے لئے ایک طبعی امر ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کا قدیم قانون اور

سنت اللہ یہی ہے کہ وہ صرف اُن لوگوں کو مہذب دعوت یعنی نبوت وغیرہ پر

مانور کرتا ہے جو اعلیٰ خاندان میں سے ہوں اور ذاتی طور پر بھی چال چلن اچھے

رکھتے ہوں۔ کیونکہ جیسا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے حکیم بھی ہے اور اس کی حکمت

اور مصلحت چاہتی ہے کہ اپنے نبیوں اور ماموروں کو ایسی اعلیٰ قوم اور خاندان اور ذاتی نیک چال چلن کے ساتھ بھیجے تاکہ کوئی دل ان کی اطاعت سے کراہت نہ کرے۔ یہی وجہ ہے جو تمام نبی علیہم السلام اعلیٰ قوم اور خاندان میں سے آتے رہے ہیں۔“

(تزیان القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 280-281)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چوہڑوں اور چماروں کا نبی بننا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت اور قدیم قانون اور سنت الہی کے خلاف قرار دیا ہے۔ اور اس جگہ جو امکان بیان ہوا ہے۔ وہ صرف امکان عقلی ہے جس میں خدا کی صفت قدرت کو مد نظر رکھا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ قادر کی قدرت کے آگے تو یہ ممکن ہے کہ وہ کسی چوہڑے اور چمار کو نبی بنا سکے لیکن چونکہ خدا حکیم بھی ہے۔ اس لئے اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ نبی ہمیشہ اعلیٰ خاندان سے بنائے جائیں تا ان لوگوں کو ان کے احماء کے قبول کرنے میں کراہت نہ ہو اور یہی اسکی سنت جاری رہی ہے۔ پس اس عبارت سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی حکمت کے تقاضا کے لحاظ سے کسی چوہڑے چمار کا نبی بننا اس کی سنت کے خلاف ہے۔ امکان صرف عقلی بیان ہوا ہے نہ کہ عادی۔ پس آدھی عبارت لے لینا اور باقی عبارت کو چھوڑ دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآنی آیت کا ٹکڑا ”لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ“ کو تو لے لے اور آگے ”وَأَنْتُمْ سُكَرَى“ کو چھوڑ دے اور کہے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔ حالانکہ وہاں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ سُکر کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔

ایسا مسیح نہیں آسکتا جو قرآن کے حلال و حرام کی پرواہ نہ کرے

اعتراض نمبر 12

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام اگر آجائیں تو وہ شراب پئیں گے اور خنزیر کھائیں گے۔ (دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ 29)
الجواب :- وہاں تو یہ لکھا ہے کہ :-

”یہ بالکل غیر معقول بات ہے کہ جب لوگ نماز کیلئے مساجد کی طرف دوڑیں گے، تو وہ کلیسا کی طرف بھاگے گا۔ اور جب لوگ قرآن شریف پڑھیں گے تو وہ انجیل کھول بیٹھے گا۔ اور جب لوگ عبادت کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ کریں گے تو وہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوگا اور شراب پیئے گا اور سور کا گوشت کھائے گا۔ اور اسلام کے حلال و حرام کی کچھ پرواہ نہیں رکھے گا۔“ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 31)

یہ خیالات عیسائیوں کے ہیں نہ مسلمانوں کے۔ اسی لئے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو غیر معقول قرار دیا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ مخالف اسے اعتراض کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ حالانکہ نہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مسلمات میں سے ہے اور نہ دوسرے مسلمانوں کے مسلمات میں سے۔

اس قسم کے خیالات تو عیسائیوں کے ہیں۔ چنانچہ اسی جگہ حاشیہ میں لکھا ہے :-

”حضرت عیسیٰ کے دوبارہ آنے کا مسئلہ عیسائیوں نے محض اپنے

فائدہ کے لئے گھڑا تھا۔ کیونکہ ان کی پہلی آمد میں ان کی خدائی کا کوئی نشان

ظاہر نہ ہوا۔“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس جگہ عیسائیوں کے خیال کا ہی رد کر رہے ہیں۔ اور اسے غیر معقول قرار دے رہے ہیں۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کا ایمان

اعتراض نمبر 13

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی ایمان لائے گا؟
الجواب:- حضرت مسیح موعود علیہ السلام استفتاء اردو صفحہ 22 حاشیہ میں فرماتے ہیں:-
”خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کشف ظاہر کر رہا ہے کہ وہ (محمد حسین بٹالوی)
بالآخر ایمان لائے گا۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایمان فرعون کی طرح صرف اسی
قدر ہوگا کہ ”أَمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ“۔
یا پرہیزگار لوگوں کی طرح۔ واللہ اعلم۔

یہ پیشگوئی بجائے کھلے اعتراف کے اس رنگ میں پوری ہوئی۔ کہ مولوی
محمد حسین صاحب بٹالوی نے لالہ دیو کی نند صاحب مجسٹریٹ درجہ اول وزیر آباد کی
عدالت میں مقدمہ نمبر 313 میں حلفاً بیان کیا کہ ”میں احمدی جماعت کو مسلمان
سمجھتا ہوں“۔ حالانکہ وہی علماء میں سے سب سے پہلے فتویٰ کفر تیار کرنے والے
تھے۔ ان کے خیالات میں یہ تبدیلی اُن کی قلبی تبدیلی پر گواہ ہے۔

بشیر الدولہ عالم کباب کی پیشگوئی کا مصداق

اعتراض نمبر 14

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”وحی الہی ہوئی تھی کہ وہ زلزلہ جو نمونہ قیامت ہوگا بہت جلد آنے والا ہے۔ بہت جلد آنے والا ہے۔ اس کے لئے یہ نشان دیا گیا تھا کہ پیر منظور محمد صاحب کی بیوی محمدی بیگم کو لڑکا پیدا ہوگا۔“ (حقیقۃ الوحی صفحہ 100)

مگر ایسا کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا۔

الجواب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس جگہ آگے اپنی التجا اور اس کی قبولیت کے ذکر میں لکھتے ہیں:-

”اس زلزلہ نمونہ قیامت میں کچھ تاخیر ڈال دی جائے..... خدا نے دُعا قبول کر کے اس زلزلہ کو کسی اور وقت پر ڈال دیا ہے اس لئے ضرور تھا کہ لڑکا پیدا ہونے میں بھی تاخیر ہوتی۔“

(حقیقۃ الوحی صفحہ 101 حاشیہ روحانی خزائن جلد 103 حاشیہ در حاشیہ)

اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ منظور محمد سے ”پیر منظور محمد“ مراد لینا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ایسا اجتہاد تھا جس میں اس کے خلاف احتمال بھی موجود تھا۔ چنانچہ آپ نے لکھا تھا۔

”19 فروری 1906ء کو روایا دیکھا کہ منظور محمد کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور دریافت کرتے ہیں کہ اس لڑکے کا کیا نام رکھا جائے۔ تب خواب سے حالت الہام کی طرف چلی گئی اور یہ معلوم ہوا ”بشیر الدولہ“ فرمایا کئی آدمیوں کے واسطے دعا کی جاتی ہے معلوم نہیں کہ منظور محمد کے لفظ سے کس کی طرف اشارہ ہے۔“ (بدر جلد 2 نمبر 8 مکاشفات صفحہ 46 تذکرہ صفحہ 510 مطبوعہ 2004ء)

گویا حضرت اقدسؑ نے صاف فرمادیا ہے کہ اس منظور محمدؑ کی الہاماً تعین نہیں کی گئی۔ پس یہ صرف مخالف احتمال کے ساتھ آپؑ کا ایک اجتہاد ہی تھا کہ پیر منظور محمدؑ کی بیوی محمدی بیگم صاحبہ سے لڑکا پیدا ہوگا۔ لہذا معنوی لحاظ سے اس روایا کی تعبیر میں منظور محمدؑ سے مراد خدا کے نزدیک وہ شخص ہو سکتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منظور نظر و محبوب ہو۔ الہام بتاتا ہے کہ ایسا لڑکا زلزلة الساعة سے پہلے پیدا ہوگا۔ اور یہ زلزلہ کیلئے بطور علامت کے ظاہر ہونے والا تھا۔ اسی لڑکے کے نام الہامات میں کلمۃ اللہ خاں، کلمۃ العزیز۔ هذا يوم مبارک۔ بشیر الدولہ۔ ناصر الدین۔ شادی خان بھی رکھے گئے ہیں۔ (تذکرہ صفحہ 537 مطبوعہ 2004ء)

میرا وجدان یہ ہے کہ اس پیشگوئی کے مصداق دراصل حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؑ بطور منظور محمدؑ کے ہیں اور ان کے صاحبزادہ حضرت مرزا ناصر احمد سلمہ ربہ، بشیر الدولہ و عالم کباب کی پیشگوئی کے مصداق ہیں جو اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفہ ثالث ہیں اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؑ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ہی صفاتی نام پیشگوئی میں ناصر الدین اور فاتح الدین مذکور ہیں اور عالم کباب آپؑ اس طرح ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے:-

”عالم کباب سے یہ مراد ہے کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد چند ماہ تک یا جب تک کہ وہ اپنی برائی بھلائی شناخت کرے دنیا پر ایک سخت تباہی آئے گی۔“ (الحکم 10 جون 1906ء صفحہ 1 کالم نمبر 2)

اس پیشگوئی کے بعد حضرت مرزا ناصر احمد صاحب 1909ء میں پیدا ہوئے۔ اور 1914ء میں چار سال بعد زلزلہ عظیمہ بطور علامت جبکہ عظیم کی شکل میں دنیا پر ایک سخت تباہی لایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جو صفاتی رنگ میں منظور محمدؑ ہیں

آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے عہد میں اپنے ایک خط میں ایک دوست کو تحریر فرمایا تھا:-

”مجھے بھی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ میں ایک ایسا لڑکا دوں گا۔ جو دین کا ناصر ہوگا۔ اور اسلام کی خدمت پر کمر بستہ ہوگا۔“

(الفصل 8/ اپریل 1915ء صفحہ 5)

یہ خط 26 ستمبر 1909ء کو لکھا گیا تھا اور اس کے بعد 15 نومبر 1909ء کو حضرت مرزا ناصر احمد صاحب آپؑ کے ہاں پیدا ہوئے۔ اس خط کا عکس تاریخ احمدیت جلد چہارم مؤلفہ مولوی دوست محمد شاہد صاحب فاضل کے صفحہ 320 پر شائع ہو چکا ہے۔ جس پر اس خط کے لکھا جانے کی تاریخ 26 ستمبر 1909ء درج ہے۔

الہامات میں فاتح الدین بھی اس لڑکے کا نام آیا ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جن کے آپ صاحبزادے ہیں آپ کو جب فرقان بٹالین قائم کی گئی۔ اس بٹالین کے اشارات میں فاتح الدین کے نام سے موسوم فرمایا۔ (تلخیص از تاریخ احمدیت جلد 6 صفحہ 667 مؤلفہ مولوی دوست محمد شاہد فاضل)

الہام بکرو وثیب

اعتراض نمبر 15

مرزا صاحب نے لکھا ہے:-

”خدا کا ارادہ ہے کہ دو عورتیں میرے نکاح میں لائے گا۔ ایک بکرو (کنواری) اور دوسری بیوہ۔ چنانچہ یہ الہام جو بکرو کے متعلق تھا پورا ہو گیا اور اس وقت بفضلہ چارپس اس بیوی سے ہیں۔ اور بیوہ کے الہام کا انتظار ہے۔“

(تریاق القلوب صفحہ 34)

مگر آخر وقت تک کوئی بیوہ آپ کے نکاح میں نہیں آئی؟

الجواب

الہام دراصل ”بکرو وثیب“ کے دو لفظوں میں نازل ہوا تھا۔ تریاق القلوب کی مندرجہ بالا عبارت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اس الہام کے متعلق اپنا اجتہاد ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

”الْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيبُ فَإِنْ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِنْ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ“۔

کہ مجتہد اجتہاد میں غلطی بھی کرتا ہے اور اس کا اجتہاد درست بھی ہوتا ہے۔ اگر اس کا اجتہاد درست ہو تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر درست نہ ہو تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس اجتہاد پر قائم نہیں رکھا تھا کہ بیوہ تمہارے نکاح میں آئے گی۔ بلکہ 16 فروری 1906ء کو الہام کیا ”تَكْفِيكَ

هَذِهِ الْاِمْرَاةُ“ کہ تیرے لئے یہی عورت (جو تیرے نکاح میں ہے) کافی ہے۔
(ملاحظہ ہو تذکرہ صفحہ 509 مطبوعہ 2004ء)

پس جب بیوہ کا انتظار اس الہام کے بعد نہ رہا۔ تو اب اس الہام کی تشریح واقعات کے رُو سے کی جائے گی۔ واقعات نے یہ بتایا ہے کہ یہ الہام دونوں پہلوؤں سے حضرت اُم المؤمنین سیدہ نصرت جہان بیگم رضی اللہ عنہا کی ذات میں پورا ہوا ہے جو بگھر کی صورت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقد میں آئیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پہلے ہو گئی اور آپ یتیم (بیوہ) رہ گئیں۔

خواتین مبارکہ

اعتراض نمبر 16

مرزا صاحب نے لکھا ہے:-

”اس عاجز نے 20 فروری 1886ء کے اشتہار میں یہ پیشگوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کی تھی کہ اُس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد بھی تیرے نکاح میں آئیں گی اور اُن سے اولاد پیدا ہوگی“۔
(تبلیغ رسالت جلد 1 صفحہ 89، بار اول)

اس پر اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اُم المؤمنین نصرت جہان بیگم رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے نکاح میں کوئی اور خاتون نہیں آئی؟

الجواب

تبلیغ رسالت جلد 1 صفحہ 89☆ کی عبارت کے الفاظ اجتہادی ہیں نہ کہ الہامی۔
الہامی الفاظ جو 20 فروری 1886ء کے اشتہار میں درج ہیں یوں ہیں:-
”اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے بعض کو اس کے بعد پائے گا۔“

تیری نسل بہت ہوگی۔“

ان الہامی الفاظ میں یہ ہرگز معین نہیں کیا گیا تھا کہ یہ خواتین مبارکہ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ نکاح میں آنا صرف آپ کا اجتہاد تھا جس کی تصحیح 16 فروری 1906ء کے الہام ”تَكْفِيكَ هَذِهِ الْاِمْرَاةُ“ نے کر دی۔ کہ اور کوئی عورت آپ کے نکاح میں نہیں آئے گی۔

پس یہ خواتین مبارکہ از روئے واقعات اس الہام کی روشنی میں وہ خواتین مبارکہ ہیں جو آپ کی زندگی میں آپ کی اولاد کے گھر آئیں۔ جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل کو بہت بڑھایا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔

زَلْزَلَةُ السَّاعَةِ کے متعلق اعتراض کا جواب

اعتراض نمبر 17

مرزا صاحب نے ایک زلزلہ نمونہء قیامت کی پیشگوئی کی تھی۔ پھر اس کے متعلق اپنا ایک الہام بتایا تھا۔ ”رَبِّ اٰخِرُ وَقْتُ هٰذَا اٰخِرُهُ اللّٰهُ اِلٰی وَقْتُ مُسْمٰی“۔ کہ اے خدا بزرگ زلزلہ کے ظہور میں کسی قدر تاخیر کر دے۔ خدا نمونہ قیامت زلزلہ کے ظہور میں ایک وقت مقرر تک تاخیر کر دے گا۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ 100)

اور پھر یہ بھی الہام بتایا تھا:۔ ”رَبِّ لَا تُرِنِّیْ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ“۔

(تذکرہ صفحہ 513 مطبوعہ 2004ء)

یہ الہام 9 مارچ 1906ء کو ہوا۔ پھر اس کے بعد 9 اپریل

1906ء کا الہام بتایا ہے:۔ ”رَبِّ اَرِنِّیْ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ۔ یُرِیْکُمُ اللّٰهُ

زَلْزَلَةُ السَّاعَةِ. أَرِيكَ زَلْزَلَةُ السَّاعَةِ“

(تذکرہ صفحہ 521 مطبوعہ 2004ء)

گو زلزلہ میں تاخیر ہوگئی تھی۔ مگر اس آخری الہام کے مطابق یہ زلزلہ مرزا صاحب کی زندگی میں آنا چاہیے تھا۔ اعتراض یہ ہے کہ آپ کی زندگی میں کوئی ایسا زلزلہ نہیں آیا؟

الجواب:-

وہ زلزلہ جس کے نہ دیکھنے کے متعلق الہام ہوا تھا اور جس میں تاخیر ڈال دی گئی تھی وہ ایسا زلزلہ تھا جس کا تعلق عینی رویت سے تھا۔ اس کے ظہور کے وقت کو خدا نے ”اٰخِرُهُ اللّٰهُ اِلٰی وَقْتٍ مُّسَمًّى“ کہہ کر غیر معین کر دیا۔ اور ”رَبِّ لَا تُرِنِّی“ کے الہامی الفاظ سے یہ بتا دیا کہ اس میں اتنی تاخیر ہو جائے گی کہ آپ اسے اپنی ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے۔

پس ان الہامات کے بعد 9 اپریل کو جس زلزلہ کے ”رَبِّ اَرِنِّی زَلْزَلَةُ السَّاعَةِ اَرِيكَ زَلْزَلَةُ السَّاعَةِ“ کے الفاظ میں دکھانے کا وعدہ تھا۔ اس کا تعلق رویت کشفی سے تھا۔ اور آپ کو وہ زلزلہ کشفاً دکھایا گیا۔ چنانچہ 11 جون 1906ء کے الہامات میں درج ہے:-

”ایک زلزلہ کا نظارہ دکھائی دیا اور ساتھ ہی اس کے الہام ہوا۔“ لِمَنْ

الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ“

(تذکرہ صفحہ 536 مطبوعہ 2004ء)

کشفی نظارہ میں جو زلزلہ آپ کو دکھایا گیا تھا۔ وہ ایک تعبیر چاہتا تھا۔ لہذا ”یُرِيْكُمْ اللّٰهُ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ“ کے الہام میں قوم کے لئے اس زلزلہ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کی پیشگوئی تھی۔ چنانچہ یہ زلزلہ عظیمہ بصورت جنگ عظیم

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں نے مشاہدہ کیا۔ اس کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نظم میں لکھا تھا:-

وحی حق کے ظاہری لفظوں میں ہے وہ زلزلہ
لیک ممکن ہے کہ ہو کچھ اور ہی قسموں کی مار

(تذکرہ صفحہ 455 مطبوعہ 2004ء)

اور تذکرہ صفحہ 454 مطبوعہ 2004ء پر نظم مذکور میں لکھا ہے:-

مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس
زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی با حال زار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 152)

اس زلزلہ کے متعلق آپؑ نے یہ نوٹ بھی دیا:-

”خدا تعالیٰ کی وحی میں زلزلہ کا بار بار لفظ ہے اور فرمایا کہ ایسا زلزلہ ہوگا جو نمونہ قیامت ہوگا..... لیکن میں ابھی تک اس زلزلہ کے لفظ کو قطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو۔ بلکہ کوئی شدید آفت ہو جو قیامت کا نمونہ دکھادے جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو۔ اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے۔ ہاں اگر ایسا فوق العادت نشان ظاہر نہ ہو۔ اور لوگ کھلے طور پر اپنی اصلاح بھی نہ کریں تو اس صورت میں میں کاذب ٹھہروں گا۔“ (براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 151 حاشیہ)

نظم میں زلزلہ کی یہ پیشگوئی ان اشعار میں 15 اپریل 1905ء کو کی گئی۔ اور ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 258-259 میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے متعلق لکھا کہ:-

”اگر خدا تعالیٰ نے اس آفتِ شدیدہ کے ظہور میں بہت ہی تاخیر

ڈال دی تو زیادہ سے زیادہ سولہ سال ہیں..... بہر حال وہ سولہ سال سے تجاوز نہیں کرے گی۔“

18 اکتوبر 1905ء کو حضورؐ نے رؤیا دیکھا:۔

”ایک شخص نے مجھے کنویں کی ایک کوری ٹنڈ میں ٹھنڈا پانی دیا۔ پھر الہام ہوا ”آبِ زندگی“ اس کے بعد الہام ہوا ”قُلْ مِيعَادُ رَبِّكَ“ پھر الہام ہوا۔ خدا کی طرف سے سب پر اُسی چھا گئی۔“
(الحکم 24 اکتوبر 1905ء صفحہ 1 کالم نمبر 1)

پھر ریویو دسمبر 1905ء صفحہ 480 پر یہی رؤیا یوں درج ہوئی:۔

”چند روز کا رؤیا ہے کہ ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا۔ پانی صرف دو تین گھونٹ باقی اس میں رہ گیا ہے لیکن بہت مصفیٰ اور مقطر پانی ہے۔ اس کے ساتھ الہام تھا ”آبِ زندگی“۔“

1905ء کی اس رؤیا اور الہامات میں بتایا گیا ہے کہ آپؐ کی وفات قریب ہے۔ صرف دو تین سال عمر کے باقی ہیں۔ اس کے بعد 26 مئی 1908ء کو آپؐ وفات پا گئے۔

یہ الہامات بتاتے ہیں کہ یہ زلزلہ عظیمہ جس کا سولہ سال میں ہونا آپؐ نے ظاہر فرمایا تھا۔ آپؐ کی زندگی میں آنے والا نہ تھا۔ اگر زندگی میں آنے والا ہوتا۔ تو میعاد تین سال تک ہی بتائی جاتی۔ جیسا کہ رؤیا میں دو تین گھونٹ پانی دکھایا گیا۔ اور اُسے آبِ زندگی کہا گیا اور بتایا گیا کہ آپؐ کی وفات کا وقت قریب آ رہا ہے۔

پس یہ زلزلہ جس میں تاخیر ڈالی گئی۔ آپؐ کی وفات والے الہامات سے ظاہر ہے کہ آپؐ کی زندگی میں اس کا دکھایا جانا مقدر نہ تھا۔ اسی لئے آپؐ کو یہ تفہیم ہوئی کہ یہ 1905ء سے لے کر سولہ سال کے عرصہ سے تجاوز نہیں کرے گا۔ چنانچہ

یہ زلزلہ 1914ء میں آگیا اور تین سال تک جاری رہا۔
 دیکھو یہ خدا کا کتنا عظیم الشان نشان ہے۔ جس میں زائرِ روس کی تباہی کی
 پیشگوئی نہایت صفائی سے پوری ہو گئی۔
 ”اک نشان کافی ہے گردِ دل میں ہو خوفِ کردگار“

ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں

اعتراض نمبر 18

مرزا صاحب نے کہا تھا کہ:-

”ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں“ مگر اُن کی وفات لاہور میں
 ہوئی۔ لہذا یہ کتنا جھوٹ ہوا کہ ”ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں“۔

الجواب

یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی قول نہیں بلکہ الہام ہے۔
 اس دن تین الہام ہوئے:-

(1) كَتَبَ اللّٰهُ لَا غَلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ-

(2) سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَبِّ رَحِيْمٍ-

(3) ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں۔

ان کے ترجمہ اور تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں:-

1- ”خدا نے ابتداء سے مقدر کر چھوڑا ہے کہ وہ اور اس کے رسول
 غالب رہیں گے۔“

2- ”خداے رحیم کہتا ہے کہ سلامتی ہے۔ یعنی خائب و خاسر کی طرح تیری موت نہیں ہے۔“

اور یہ کلمہ کہ ”ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں“ اس کے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مکی فتح نصیب ہوگی۔ جیسا کہ وہاں دشمنوں کو قہر کے ساتھ مغلوب کیا گیا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائیں گے۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مدنی فتح نصیب ہوگی۔ خود بخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہو جائیں گے۔ فقرہ كَتَبَ اللّٰهُ لَا غَلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِي۔ مکہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور فقرہ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ مدینہ کی طرف۔“

(بدر 19 جنوری 1906ء صفحہ 2 کالم نمبر 1-2۔ تذکرہ صفحہ 503 مطبوعہ 2004ء) کسی الہام کی تشریح میں ملہم کی اپنی تشریح کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس جگہ مکہ اور مدینہ کے لفظ مجازاً استعمال ہوئے ہیں نہ حقیقہ۔ اور مجازی استعمال میں بڑی وسعت ہے۔ مجاز میں کبھی جگہ کا ذکر کر کے اس کے مکین مراد ہوتے ہیں اور کبھی جگہ کا ذکر کر کے اس جگہ کی حالت مراد ہوتی ہے۔ یہ دونوں صورتیں مجاز کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

تِلْكَ الْقُرَى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا (الاعراف: 102)

کہ ان بستیوں کی یعنی ان بستیوں کے مکینوں کی آئندہ کی حالت تجھ پر بیان کرتے ہیں۔ اس آیت میں قریہ سے مکین قریہ مراد ہیں۔

دوسری آیت میں فرماتا ہے:-

وَسَأَلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ۔

(الاعراف: 164)

اور مراد یہ نہیں کہ قریہ والوں سے پوچھو۔ بلکہ قریہ بول کر دراصل قریہ

والوں کی حالت کا دریافت کرنا مراد ہے۔ اس مثال میں جگہ بول کر جگہ والوں کی حالت مراد ہے۔
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-
 ”أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ“ - میں علم کا شہر ہوں۔
 مراد یہ ہے کہ شہر کی بھرپور حالت کی طرح میری علمی حالت ہے یعنی میں علم سے بھرپور ہوں۔
 کبھی کر بلا کا لفظ بول کر کر بلا کی حالت یعنی مصیبت مراد ہوتی ہے۔ جیسا کہ علامہ نوعی کہتے ہیں:-

کر بلائے عشقم و لب تشنه سرتا پائے من
 صد حسینے کشتہ در ہر گوشہء صحرائے من
 ”کہ میں عشق کی کر بلا ہوں سرتا پائے لب سو حسین میرے صحرائے
 ہر گوشہ میں موجود ہیں۔“

اعتراض نمبر 19

☆ معترض کہتے ہیں کہ حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب کا الہام لکھا ہے:-
 ”آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اُوپر بچھایا گیا۔“
 اس طرح تمام نبیوں سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا گیا؟

الجواب

اس الہام میں نبیوں سے افضل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا گیا بلکہ اپنے زمانے

کے ذوی الاقتدار لوگوں سے اور سربراہان مملکت سے روحانی اقتدار میں بڑھ کر ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ زمانے کے امام کی روحانی حکومت اس زمانہ کی تمام مادی حکومتوں سے اپنی شان میں بڑھ کر ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اور الہام ہے جو اس کا مؤید ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ:-
 ”میں تجھے برکت پر برکت دوں گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔“

(برکات الدعار روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 35 و تذکرہ صفحہ 8 مطبوعہ 2004ء)

پھر فرماتے ہیں:-

”عالم کشف میں مجھے وہ بادشاہ دکھلائے گے جو گھوڑوں پر سوار تھے اور کہا گیا کہ یہ ہیں جو اپنی گردنوں پر تیری اطاعت کا جوا اٹھائیں گے اور خدا انہیں برکت دے گا۔“

(تجلیات الہیہ روحانی خزائن جلد 20 حاشیہ صفحہ 409)

ان الہامات کی روشنی میں زیر بحث ”تخت“ والا الہام اپنے اندر پیشگوئی کی شان بھی رکھتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ بہت سے ملکوں کے بادشاہ آپ کے روحانی اقتدار کے نیچے آجائیں گے۔ اور آپ کی بیعت میں داخل ہو جائیں گے۔ اس سے ثابت ہو جائے گا کہ آپ کا تخت سب سے اونچا بچھایا گیا۔ سچ فرمایا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:-

ملک روحانی کی شاہی کی نہیں کوئی نظیر

گو بہت دنیا میں گزرے ہیں امیر و تاجدار

(دُرّ نشین اردو صفحہ 140)

مولوی ثناء اللہ صاحب کا مباہلہ کرنے سے انکار

اعتراض نمبر 20

بعض مخالفین احمدیت کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے بددعا کی تھی کہ خدا مجھ میں اور مولوی ثناء اللہ میں فیصلہ کر دے اور جھوٹے کو سچے کی زندگی میں ہلاک کر دے۔ اور اس دعا کے متعلق یہ بھی ظاہر کیا کہ مجھے الہام ہوا ہے:-

”أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ“

لہذا مرزا صاحب کا مولوی ثناء اللہ صاحب پہلے وفات پا جانا ان کے اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہونے کی دلیل ہے؟

الجواب

واضح ہو کہ جس خط کی تحریر کا ایسے معترضین ذکر کرتے ہیں وہ اس سے پہلے بیانات کے سلسلہ کے لحاظ سے دعائے مباہلہ کا مسودہ تھی نہ کہ یک طرفہ دعا۔ کیونکہ اس میں سنت اللہ کے موافق خدا تعالیٰ سے یہ فیصلہ چاہا گیا تھا کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو۔ اس لئے اس خط کے بعد جو خط مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف لکھا گیا تھا۔ اس کا عنوان ”مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ“ قرار دیا تھا نہ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق کے آخری فیصلہ۔

آخری فیصلہ بذریعہ بددعا اسلام میں مباہلہ کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔ جس میں دوسرے فریق کی منظوری اور اس کی طرف بددعا کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس خط کو اپنے اخبار المہدیث 26 اپریل 1907ء میں شائع کر کے اس کی منظوری سے انکار

کر دیا۔ لہذا یہ ایک طرفہ تحریر اب مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس بیان کردہ طریق فیصلہ کو منظور نہ کرنے کی وجہ سے حجت نہیں رہی۔ لہذا اعتراض باطل ہے۔ اس خط کا مضمون یہ ہے:-

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ:

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب

السَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی

مدّت سے آپ کے پرچہ المحدث میری تکذیب تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود، کذاب، دجال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے سراسر افتراء ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کے لئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افتراء میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں۔ اور مجھے ان گالیوں اور اُن تہمتوں اور اُن الفاظ سے یاد کرتے ہیں کہ جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہو سکتا اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔ اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے

امید رکھتا ہوں کہ سُنّت اللہ کے موافق آپ مکّہٴ بین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں۔ آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئی تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے۔ اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم وخبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے۔ تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے اُن کو اور اُن کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔

مگر اے میرے کامل اور صادق خدا! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں۔ تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراضِ مہلکہ سے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے رو برو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرضِ منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے۔ آمین یا رب العالمین۔ میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گزر گئی۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے۔

اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (بنی اسرائیل: 37) پر بھی عمل نہیں کیا۔ اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا۔ اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا ہے کہ یہ شخص در حقیقت مفسد اور ٹھگ اور دوکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بد آدمی ہے۔ سوا اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بد اثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہیں تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے، اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک تُو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ۔ (الاعراف: 90) آمین۔

بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اسکے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الراقی

عبداللہ الصمد میرزا غلام احمد المسیح الموعود عافاہ اللہ وایتد۔

مرقوم تاریخ 15 اپریل 1907ء مطابق یکم ربیع الاول 1325 ہجری روز دوشنبہ (مجموعہ اشتہارات جلد 2، صفحہ 705، 706) (ملاحظہ ہوا الحمدیٹ 26 اپریل 1907ء صفحہ 4-5)

خط کے آخر میں لکھا گیا تھا کہ ”مولوی ثناء اللہ صاحب جو چاہیں اسکے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔“ مراد یہ تھی کہ منظور کر لیں۔ تو مبالغہ کی سنت کے مطابق خدا تعالیٰ فیصلہ فرمادے گا۔

اس خط کو اپنے اخبار میں چھاپنے کے بعد مولوی صاحب نے اپنے جواب میں لکھا:-

۱۔ ”اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا۔“
 ۲۔ یہ کہ ”اس مضمون کو بطور الہام کے شائع نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر تم مر گئے تو تمہارے دام افتادہ ”خس کم جہاں پاک“ کہہ کر یہ عذر دیں گے کہ حضرت صاحب کا یہ الہام نہیں تھا بلکہ محض دعا تھی۔ یہ بھی کہہ دیں گے کہ دعائیں تو بہت سے نبیوں کی بھی قبول نہیں ہوتیں۔ دیکھو حضرت نوحؑ کی دعا قبول نہ ہوئی۔“

۳۔ یہ کہ میرا مقابلہ تو آپ سے ہے۔ اگر میں مر گیا تو میرے مرنے سے اور لوگوں پر کیا حجت ہو سکتی ہے۔ جب کہ (بقول آپ کے) مولوی غلام دستگیر قصوری مرحوم، مولوی اسماعیل علیگزہی مرحوم اور ڈاکٹر ڈوئی امریکن اسی طرح سے مر گئے ہیں تو کیا لوگوں نے آپ کو سچا مان لیا ہے ٹھیک اسی طرح اگر یہ واقعہ بھی ہو گیا تو کیا نتیجہ۔“

اسی مضمون میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے آخر میں یہ بھی لکھا:-

”مختصر یہ کہ میں تمہاری درخواست کے مطابق حلف اٹھانے کو تیار ہوں اگر تم اس حلف کے نتیجے سے مجھے اطلاع دو۔ اور یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے۔“

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے حضرت بانیء سلسلہ احمدیہ کے تجویز کردہ فیصلہ کو کہ ”جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو“ قبول نہیں کیا تھا اور اُسے بے نتیجہ قرار دیا تھا۔ اور مضمون کے شروع میں الہدیت کے صفحہ 3 پر صاف لکھا تھا:-

”کرشن جی نے خاکسار کو مبالغہ کے لئے بلایا۔

جس کا جواب الہدیت 19 اپریل میں مفصل دیا گیا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں حسب اقرار خود تمہارے کذب پر حلف اٹھانے کو تیار ہوں بشرطیکہ تم یہ پہلے بتلا دو کہ اس حلف کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اس کے جواب میں کرشن جی نے ایک اشتہار دیا جو بقول شخصے سوال از آسمان جواب از یسماں۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ اس اشتہار کو الہدیت میں درج کرنے کی ہم سے درخواست کی۔“

مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ اس اشتہار سے پہلے فریقین میں مبالغہ کی گفتگو جاری تھی۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب مبالغہ یعنی بالمقابل بددعا سے گریز کر رہے تھے اور صرف حلف اٹھانے کو تیار ہو رہے تھے۔ اور جب پندرہ اپریل کا خط انہوں نے 26 اپریل 1907ء کے الہدیت میں شائع کیا تو بددعا کے ذریعہ طریق فیصلہ کو فیصلہ کن نہ جانا اور اس کی منظوری نہ دی۔ خط کا عنوان ”مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ“ یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت بانیء سلسلہ احمدیہ چاہتے تھے کہ مولوی صاحب اس کا جواب دیں تا کہ باہمی فیصلہ ہو۔ چونکہ مولوی صاحب نے اس کو منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے اب اس خط کو فیصلہ کن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ اگر اس کے مطابق فیصلہ ہو اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی وفات پہلے ہو جاتی تو ان کی ہوا خواہ فوراً یہ کہہ سکتے تھے کہ ہمارے مولوی صاحب نے تو اس طریق فیصلہ کو مانا ہی نہیں۔ لہذا یہ ہم پر کیسے حجت ہو سکتا ہے۔ الہدیت

کے نائب ایڈیٹر نے خط کا مضمون پڑھ کر بعض قرآنی آیت پیش کر کے لکھا:-

”خدا تعالیٰ جھوٹے، دغا باز، مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے۔ تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی برے کام کر لیں۔ پھر تم کیسے من گھڑت اصول بتلاتے ہو کہ ایسے لوگوں کو بہت عمر نہیں ملتی۔“

(المحدیث 26/ اپریل 1907ء صفحہ 4 حاشیہ)

نائب ایڈیٹر کی یہ تحریر بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کو فیصلہ کن قرار دینے سے انکار پر مشتمل ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو یہ تحریر مسلم ہے۔ پس جب دوسرے فریق نے اس طریق فیصلہ کو مانا ہی نہیں بلکہ اس کو رد کر دیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام ”قَرُبَ أَجْلُكَ الْمُقَدَّرُ“ کے مطابق وفات دے کر اپنے حضور بلا لیا اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو ان کے نائب ایڈیٹر کے پیش کردہ مضمون کے مطابق مہلت دے دی۔

عجیب بات ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں یہ طریق فیصلہ کن نہیں تھا۔ لیکن جب آپ کی وفات اپنے الہامات کے مطابق وقوع میں آگئی۔ تو اب مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک 15/ اپریل 1907ء والا خطبہ فیصلہ کن بن گیا۔ حالانکہ وہ پہلے لکھ چکے تھے کہ:-

”اسے کوئی دانا منظور نہیں کر سکتا۔“

اب یہ فیصلہ کرنا سلیم الفطرت اصحاب پر منحصر ہے کہ مولوی صاحب کی پہلی تحریریں دانائی پر مشتمل تھیں یا بعد کی تحریریں دانائی پر مشتمل ہیں ہم تو صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی نامظوری کی وجہ سے یہ تحریر فیصلہ کن نہیں رہی تھی۔ اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی وفات آپ کی دوسری پیشگوئیوں کے مطابق ہوئی ہے۔ اس تحریر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف لکھ دیا تھا

کہ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں بلکہ سنت اللہ کے مطابق فیصلہ چاہا گیا تھا۔ اور سنت اللہ میں فیصلہ کن طریق مباہلہ ہی ہو سکتا ہے۔ لہذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر اس تحریر کو یکطرفہ دعا قرار دینا انصاف کا خون کرنا ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اسی سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا:-

”یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے..... کیا آنحضرت صلعم کے سب اعداء ان کی زندگی میں ہی ہلاک ہو گئے تھے؟ بلکہ ہزاروں اعداء آپ کی وفات کے بعد زندہ رہے۔ ہاں جھوٹا مباہلہ کرنے والا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے..... ہم تو ایسی باتیں سن کر حیران ہوتے ہیں۔ دیکھو ہماری باتوں کو کیسے الٹ پلٹ کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ اور تحریف کرنے میں وہ کمال حاصل کیا ہے کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیئے ہیں۔ کیا یہ کسی نبی، ولی، قطب، غوث کے زمانہ میں ہوا کہ اس کے سب اعداء مر گئے ہوں بلکہ کافر منافق باقی رہ ہی گئے تھے۔ ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں تو وہ سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوتے ہیں..... ایسے اعتراض کرنے والے سے پوچھیں کہ یہ ہم نے کہاں لکھا ہے کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وہ جگہ تو نکالو۔ جہاں یہ لکھا ہے۔“ (الحکم 10 اکتوبر 1907ء صفحہ 9)

یہ عبارت مولوی ثناء اللہ صاحب کے نام 15 اپریل 1907ء کے خط سے بعد کے زمانہ کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس صرف مباہلہ واقعہ ہونے کی حالت میں کاذب کا صادق کی زندگی میں مرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ ورنہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو یہ حقیقت مسلم ہے کہ صادق کے وفات

پاجانے کے بعد اکثر منکر باقی رہتے ہیں۔ چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے انکار از مباہلہ اور عدم منظوری کی وجہ سے مباہلہ وقوع میں نہ آیا۔ اس لئے حضرت اقدس کا 15 اپریل 1907ء والا خط محض مباہلہ کے لئے ایک ڈرافٹ (مسودہ) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس میں مذکورہ دعا صرف اس صورت میں فیصلہ کن اور نتیجہ خیز قرار دی جاسکتی تھی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اس طریق فیصلہ کو منظور کر لیتے۔ لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ پس اس خط والی تحریر کو اب زیر بحث لانا ہرگز درست نہیں۔ یہ کوئی یکطرفہ دعائے ہلاکت نہ تھی اور نہ ہلاکت کی کوئی پیشگوئی تھی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو خود مسلم ہے (جیسا کہ پہلے بیان ہوا) کہ یہ ”کسی وحی یا الہام کی بناء پر پیشگوئی نہیں“ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے 14 اپریل 1907ء کے ایک الہام ”أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ“ کو معترضین اس خط سے متعلق قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ اس الہام کا مطلب یہ تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق 14 اپریل 1907ء سے پہلے جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کے مطابق اگر وہ اس فیصلہ پر مستعد ہوئے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجائے تو وہ ضرور پہلے مرے گئے۔ مگر وہ تو اس پر مستعد ہی نہ ہوئے۔ حالانکہ اس سے پہلے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ علم ہوا کہ وہ ایسے فیصلہ کے لئے تیار ہیں تو آپ نے اپنی کتاب اعجاز احمدی میں لکھا:-

”میں نے سنا ہے بلکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے کہ میں (ثناء اللہ) اس طور کے فیصلہ کے لئے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین یعنی میں اور وہ یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مرجائے..... پس ہمیں اس سے کوئی انکار نہیں کہ وہ ایسا چیلنج دیں۔ بلکہ ہماری طرف سے ان کو اجازت ہے۔

کیونکہ ان کا چیلنج ہی فیصلہ کے لئے کافی ہے۔ مگر شرط یہ ہوگی کہ کوئی موت قتل کے رو سے واقع نہ ہو۔ بلکہ محض بیماری کے ذریعہ سے ہو۔ مثلاً طاعون سے یا ہیضہ سے یا اور کسی بیماری سے تا ایسی کارروائی حکام کیلئے تشویش کا موجب نہ ٹھہرے۔“ (اعجاز احمدی روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 121-122)

پس 14 اپریل 1907ء والے الہام ”اَجِبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ“ کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لکھنا:-

”ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ دراصل یہ ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہی اس کی بنیاد رکھی گئی۔“

کا تعلق ان پہلی تحریروں سے ہے جو مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق لکھی گئی تھیں۔ ان کے مطابق اگر مباہلہ وقوع میں آجاتا تو پھر دونوں فریق میں سے کسی کی ہلاکت اس کے خلاف فیصلہ کن ہوتی۔

جب مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مرزا صاحب کو مباہلہ کے لئے مستعد پایا۔ تو جان بچانے کی خاطر لکھا:-

”چونکہ یہ خاکسار نہ واقعہ میں اور نہ آپ کی طرح نبی یا رسول یا ابن اللہ یا الہامی ہے۔ اس لئے ایسے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا۔

(الہامات مرزا بار دوم صفحہ 85)

جب مولوی ثناء اللہ صاحب کے اپنوں نے دیکھا کہ وہ چیلنج سے پھر گئے ہیں۔ جسے حضرت اقدسؑ نے اعجاز احمدی میں قبول کر لیا تھا۔ اور ان کے ساتھیوں نے ان پر کچھ گرفت کی تو ان کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لئے پھر 29 مارچ 1907ء کو اپنے پرچہ المحدث میں لکھا:-

”مرزا یو! سچے ہو تو آؤ اور اپنے گرو کو ساتھ لاؤ..... انہیں ہمارے

سامنے لاؤ۔ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتم میں دعوت مبہلہ دی ہوئی ہے۔“

اس پر بدر کے ایڈیٹر صاحب نے اخبار بدر 4 اپریل میں لکھا:-

”میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے۔ وہ بے شک قسم کھا کر بیان کریں کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اور بے شک یہ بات کہیں کہ اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو لَعْنَتُ اللہ عَلَی الْکَذِبِین۔ اور اس کے علاوہ ان کو اختیار ہے کہ اپنے جھوٹے ہونے کی صورت میں ہلاکت وغیرہ کے جو عذاب اپنے لئے چاہیں خدا سے مانگیں..... اگر آپ اس بات پر ہی راضی ہیں کہ بالمقابل کھڑے ہو کر زبانی مبہلہ ہو تو پھر آپ قادیان آسکتے ہیں اور اپنے ہمراہ دس تک آدمی لا سکتے ہیں اور ہم آپ کا زور راہ آپ کے یہاں آنے اور مبہلہ کرنے کے بعد پچاس روپیہ تک دے سکتے ہیں۔ لیکن یہ امر ہر حالت میں ضروری ہوگا۔ کہ مبہلہ ہونے سے پہلے فریقین میں شرائط تحریر ہو جاویں گے اور الفاظ مبہلہ تحریر ہو کر اس تحریر پر فریقین اور ان کے ساتھ گواہوں کے دستخط ہو جاویں گے۔“ (بدر 4 اپریل 1907ء صفحہ 4-5)

اس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے 12 اور 19 اپریل 1907ء کے پرچہ میں (اکٹھا شائع ہوا) لکھا:-

”میں نے آپ کو مبہلہ کے لئے نہیں بلایا۔ میں نے تو قسم کھانے پر آمادگی کی ہے۔ مگر آپ اس کو مبہلہ کہتے ہیں۔ حالانکہ مبہلہ اس کو کہتے ہیں کہ فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں۔ میں نے حلف اٹھانا کہا ہے مبہلہ نہیں کہا۔ قسم اور ہے۔ اور مبہلہ اور۔“

دیکھئے مولوی ثناء اللہ صاحب پھر مبہلہ سے فرار کر رہے ہیں۔ حالانکہ

انہوں نے اپنے چیلنج میں صاف لکھا تھا:-

”انہیں ہمارے سامنے لاؤ۔ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں

دعوتِ مبہلہ دی ہوئی ہے۔“

مگر جب حضرت اقدس علیہ السلام کی طرف سے مبہلہ کا چیلنج منظور کیا گیا۔ تو وہ طرح دے گئے کہ میں نے قسم کھانے پر آمادگی کی ہے نہ کہ مبہلہ پر۔ مبہلہ میں تو فریقین قسم کھاتے ہیں۔

حضرت اقدس نے اُن کے اس طریقِ کار سے یہ تاثر لیا۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نہ تو کھل کر مبہلہ سے انکار کرتے ہیں۔ اور نہ اس کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں۔ اس لئے آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی اس پوزیشن کو واشگاف کرنے کے لئے 15 اپریل 1907ء کو ایک کھلی چٹھی بعنوان ”مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ“ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے نام لکھی۔ اور اس میں اپنی سنت اللہ کے موافق اپنی طرف سے دعائے مبہلہ کا مضمون لکھ دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں طاعون، ہیضہ وغیرہ امراض سے ہلاک ہو۔

مولوی ثناء اللہ صاحب نے مبہلہ میں بددعا کے طریقِ فیصلہ کو کھلے طور پر نا منظور کر کے واضح کر دیا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بالمقابل مبہلہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور اس طریقِ فیصلہ سے پورے طور پر گریز کر چکے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات جب آپ کے الہامات مندرجہ الوصیت وغیرہ کے مطابق ہو گئی تو اب اس خط کے مضمون کو مولوی ثناء اللہ صاحب کی نا منظوری کے باوجود آپ کے خلاف حُجّت قرار دینا صریح انصاف کا خون ہے۔

میر ناصر نواب صاحب کی روایت

اس موقع پر حضرت اقدس کی وفات کے موقع پر میر ناصر نواب صاحب کی ایک روایت بھی نقل کرتے ہیں:-

”جب میں حضرت اقدس کے پاس پہنچا۔ اور آپ کا حال دیکھا۔ تو آپ نے مجھے فرمایا:- میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔“

یہ خبر واحد صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ واقعات کے صریح خلاف ہے۔ واضح ہو کہ آپ کی وفات پر آپ کے معالج ڈاکٹر سدر لینڈ پرنسپل میڈیکل کالج لاہور نے اپنے سرٹیفکیٹ میں لکھا تھا کہ آپ کی وفات اعصابی اسہال کی بیماری سے ہوئی ہے۔ جو اطباء آپ کے معالج تھے۔ وہ سب ڈاکٹر سدر لینڈ کی رائے سے متفق تھے۔ لہذا روایت میں یہ غلطی معلوم ہوتی ہے کہ میر ناصر نواب صاحب نے وبائی ہیضہ کے متعلق حضرت اقدس کے استفہامیہ جملے کو جملہ خبریہ سمجھ لیا ہوگا۔ اور آپ یہ فقرہ کہہ ہی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ لاہور میں اُن دنوں وبائی ہیضہ نہ تھا۔

لہذا یہ جملہ بطور جملہ خبریہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق نہیں۔ پس آپ کی بیماری کی صحیح تشخیص وہی ہے۔ جو ڈاکٹروں نے کی۔ اور وہ پُرانی اعصابی تکلیف کا دورہ تھا جس کے نتیجہ میں اسہال سے آپ کی وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

کرمِ خاکی ہوں والے شعر کی تشریح

اعتراض نمبر 21

مرزا صاحبؑ نے اپنے آپ کو انسان بھی قرار نہیں دیا۔ بلکہ کرمِ خاکی کہا ہے۔ اور جائے نفرت بھی۔ تو وہ نبی کیسے ہو گئے۔ ان کا مشہور شعر ہے

کرمِ خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

الجواب

یہ شعر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انکسار اور تواضع کی منہ بولتی تصویر ہے۔ عجیب بات ہے کہ تواضع اور انکسار تو مومن کا ہنر ہے۔ مگر عیب چین نگاہ اُسے اپنے عدم بصیرت کی وجہ سے قابلِ اعتراض ٹھہراتی ہے۔

اسی قسم کے انکسار کا اظہار حضرت داؤد علیہ السلام کی مناجات میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ زبور نمبر 22 آیت 6 میں لکھا ہے:-

پر میں کیڑا ہوں نہ انسان
آدمیوں کا ننگ ہوں اور قوم کی عار

کیا معترض حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بھی زبان درازی کرے گا کہ وہ تو انسان ہی نہ تھے؟

خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

مَا تَوَاضَعَ عَبْدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ-

جو بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کا

درجہ بلند کرتا ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”لَا يَكْمَلُ إِيْمَانُ الْمَرْءِ حَتَّى يَكُونَ النَّاسَ عِنْدَهُ كَأَلَا بَاعِرٍ
ثُمَّ يَرْجِعَ إِلَى نَفْسِهِ فَيَرَاهَا أَصْغَرَ صَاغِرٍ“۔

ترجمہ:- مومن کا ایمان کمال کو نہیں پہنچتا۔ یہاں تک کہ تمام لوگ اس کے نزدیک میٹکینوں کی طرح ہوں۔ پھر وہ جو اپنے نفس کی طرف رجوع کرے۔ تو اُسے سب سے چھوٹی چیزوں میں سے چھوٹا پائے۔“

(دیکھو عوارف المعارف الجزء الثانی. الباب الثالث والستون صفحہ 127)

میٹکینی تو کرمِ خاکی سے بھی حقیر ہے۔ بلکہ اس میں تو کئی کرمِ خاکی جنم لیتے ہیں۔ اور اس حدیث کے مطابق اگر مومن انکسار کرے اور اپنے آپ کو حقیر سے حقیر چیز سمجھے تو یہ اس کی رفعتِ درجات کا موجب ہوتا ہے نہ ذلت کا۔

حضرت ابوب علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا کے حضور میں عبدِ ذلیل قرار دیا ہے۔
(دیکھو تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 181 مطبوعہ مصر)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ملاحظہ ہو:-

”إِنِّي ذَلِيلٌ فَأَعِزَّنِي“

کہ میں ذلیل ہوں مجھے عزت دے۔

(مستدرک للحاکم بحوالہ جامع الصغیر للسيوطی جلد 1 باب الکاف مصری)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی پیدائش سے پہلی حالت کے پیش نظر صرف اپنے تئیں ہی کرمِ خاکی نہیں لکھا بلکہ آپ تو اپنے ایک شعر میں لکھتے ہیں:-

إِنَّ الْمُهِمِّنَ لَا يُحِبُّ تَكَبُّرًا

مِنْ خَلْقِهِ الضُّعَفَاءُ دُودٌ فَنَاءٌ

(انجامِ آتھم روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 271)

کہ خدا تعالیٰ اپنی ضعیف مخلوق سے تکبر پسند نہیں کرتا جو فانی کیڑے ہیں۔
پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کرمِ خاکی والے شعر کا مطلب
حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اپنی پیدائش سے پہلے کی حالت کو مد نظر رکھتے
ہوئے یہ ہے کہ میں کرمِ خاکی ہوں بلحاظ اصل وضع کے انسان بھی نہیں ہوں اور اس
کرمِ خاکی ہونے کی حالت میں قابلِ نفرت وجود ہوں اور قابلِ شرم۔ پھر خدا کے
فضل کا ذکر کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں:-

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگاہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار

(براہین احمدیہ جلد پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 127)

اور کرمِ خاکی والے شعر سے پہلے لکھتے ہیں:-

تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم
کس عمل پر دی ہے مجھ کو خلعتِ قرب و جوار

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے حضور بصورتِ مناجات ہیں۔

ایک دوسرے شعر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہا ہے:-

کر کے بُودم مرا کردی بشر
من عجب تر از مسیح بے پدر

کہ اے خدا! میں تو ایک کیڑا تھا۔ تُو نے مجھے بشر بنا دیا۔ اور میرا

معاملہ تو بے باپ مسیح سے بھی عجیب تر ہے۔“

اس شعر سے ظاہر ہے کہ آپ کرم سے بشر بن گئے۔ اور اوپر کے شعروں

سے ظاہر ہے کہ آپ بشر بھی ایسے بنے کہ خدا نے آپ کو خلعتِ قرب و جوار دی۔

کرمِ خاکی والی نظم میں ہی فرماتے ہیں:-

میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر
میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

لطیفہ

ایک مولوی صاحب نے ایک گفتگو میں کہا کہ مرزا صاحب تو نبی چھوڑ
انسان بھی نہیں۔ اور پھر یہ شعر پیش کیا گیا۔ تو میں نے کہا کہ آپ نے اس شعر کے
نئے معنی پیدا کر دیئے ہیں۔ آپ لوگ تو کہتے ہیں کہ مرزا صاحب انسان بھی
نہیں۔ اور حضرت مرزا صاحب خدا کے حضور شکایت کرتے ہیں کہ یہ لوگ تو مجھے
انسان بھی نہیں سمجھتے اور مجھے محلِ نفرت سمجھتے ہیں اور میرے وجود کو قوم کے لئے قابل
شرم خیال کرتے ہیں۔ لیکن تیرے فضل و احسان نے مجھے پسند کر لیا۔ اور مجھے نورِ خدا
بنادیا ہے۔

حدیث ہذا خلیفۃ اللہ المہدی

اعتراض نمبر 22

مرزا صاحب نے شہادت القرآن صفحہ اول پر ”ہذا خلیفۃ اللہ المہدی“
کی حدیث کو بخاری کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ حدیث بخاری میں موجود نہیں۔

الجواب

حدیث کا حوالہ دینے میں بے شک سہو ہوا ہے مگر یہ حدیث مستدرک للحاکم
میں انہی الفاظ میں موجود ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی حج الکرامہ
صفحہ 366 پر اسے درج کیا ہے۔

پس ان الفاظ کا حدیث میں ہونا جھوٹ نہیں صحیح بخاری کی طرف منسوب
ہونا البتہ سہو ہے۔

علامہ سندھی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:-

”كَمَا ذَكَرَهُ السُّيُوطِيُّ وَفِي الزَّوَائِدِ هَذَا اسْنَادٌ صَحِيحٌ
رِجَالُهُ ثِقَاتٌ رَوَاهُ حَاكِمٌ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَقَالَ هَذَا صَحِيحٌ
عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ“ (حاشیہ ابن ماجہ مطبوعہ مصر جلد 2 صفحہ 269)

ترجمہ:- سیوطی نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے اور الزوائد میں ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور راوی ثقہ ہیں۔ پھر امام حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق بھی صحیح ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم دونوں کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے۔ لہذا بخاری کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کی جو قوت ہو سکتی ہے اُن میں کوئی کمی دونوں اماموں کی شرائط کے مطابق ہونے کی وجہ سے قرار نہیں دی جاسکتی۔

سہو کو جھوٹ قرار دینا ظلم عظیم ہے۔ جھوٹ بولنے میں تو کوئی غرض مد نظر ہوتی ہے۔ جب یہ روایت شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ تو بخاری کی طرف نسبت سے اس کی جو غرض ہو سکتی ہے۔ اس میں تو کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ حوالہ دینے میں اس قسم کا سہو تو کئی ائمہ اور علماء سے بھی سرزد ہوا ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی، علامہ خسرو۔ ملا عبدالحکیم تینوں نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ حدیث ”يُكْثَرُ لَكُمْ الْحَدِيثُ بَعْدِي. الْآخِر“ امام بخاری نے اپنی صحیح میں درج کی ہے (تلوٹ شرح توضیح جلد 1 صفحہ 261) مگر یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود نہیں چونکہ حدیث دراصل موجود ہے گو بخاری میں نہیں اس لئے ان تینوں بزرگوں کو حوالہ دینے میں سہو کا مرتکب تو قرار دیا جاسکتا ہے کاذب اور مفتری قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس سے بھی عجیب تر واقعہ امام ابن الربیع سے پیش آیا۔ امام ملا علی القاری موضوعات کبیر مترجم اردو صفحہ 209 مطبوعہ قرآن محل کراچی پر لکھتے ہیں:-

”خَيْرُ السُّودَانِ ثَلَاثَةٌ. لُقْمَانُ وَبِلَالٌ وَ مُهْجَعُ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ عَنْ وَائِلَةَ ابْنِ الْأَسْقَعِ بِهِ مَرْفُوعًا. كَذَا ذَكَرَهُ ابْنُ الرَّبِيعِ لَكِنْ قَوْلَ الْبُخَارِيِّ سَهُوَ قَلَمٍ إِمَامِنِ النَّاسِخِ أَوْ مِنَ الْمُصَنِّفِ فَإِنَّ الْحَدِيثَ لَيْسَ مِنَ الْبُخَارِيِّ وَالَّذِي فِي الْمَقَاصِدِ إِنَّمَا هُوَ مَرَاوَاهُ الْحَاكِمُ“

یعنی حدیث ”خَيْرُ السُّودَانِ ثَلَاثَةٌ. الخ“ کے متعلق امام ابن الربیع نے یہ بیان کیا ہے کہ اسے بخاری نے روایت کیا ہے (امام ملا علی القاری فرماتے ہیں) لیکن بخاری کی طرف یہ بات منسوب کرنا سہو قلم ہے خواہ وہ ناقل کی طرف سے ہو یا مصنف کی طرف سے کیونکہ یہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں ہے بلکہ جیسا کہ المقاصد میں مذکور ہوا اس حدیث کو صرف حاکم نے بیان کیا۔

جب یہ حوالہ جات پیش کئے جائیں تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ غیر نبی کا سہو ہے مرزا صاحب تو نبی تھے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ نسیان اور سہو انبیاء سے بھی سرزد ہو جاتا ہے خضر اور موسیٰ کے واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام خود اقرار کرتے ہیں:-

”لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ“ (الکھف: 74)

کہ میں بھول گیا ہوں مجھے مواخذہ نہ کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

”إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنَسِيَ كَمَا تَنْسَوْنَ“.

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التوجه نحو القبلة حیث کان)

کہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں تمہاری طرح بھول بھی جاتا ہوں۔
صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز
دور کعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اس پر ذوالیدین کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا:-

”أَقْصَرَتِ الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمْ نَسِيتَ“

کہ یا رسول اللہ نماز کی قصر ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں۔ اس پر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”كُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ“ کہ دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔

اس پر ذوالیدین نے عرض کیا:-

”قَدْ كَانَ بَعْضُ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“

کہ اے رسول اللہ ان میں سے کچھ تو ہوا ہے۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا:-

”أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ“ کیا ذوالیدین نے صحیح کہا ہے۔ صحابہؓ نے کہا:-

”نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کہ ہاں یا رسول اللہ۔ ذوالیدین نے سچ کہا ہے۔ حدیث
میں ہے:-

”فَإَتَمَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَقِيَ مِنَ

الصَّلَاةِ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ بَعْدَ التَّسْلِيمِ“۔

(مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاة باب السهو في الصلاة والسجود له)

یعنی اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی نماز پوری کی۔ پھر سلام

کے بعد بیٹھے ہوئے دو سجدے کئے۔ حضورؐ کا دوسرا سجدہ کرنے کا عمل سہو واقع

ہونے کا عملی اعتراف ہے۔ لہذا کُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ کا فقرہ بھی سہو پر ہی مبنی

قرار دینا پڑے گا۔ (دیکھئے صحیح بخاری کتاب الصلوة باب تشبیک الاصابع)

حدیث سے تکفیر مسیح کا ثبوت

اعتراض نمبر 23

مرزا صاحب نے انجام آتھم صفحہ 3 پر لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ مسیح موعود کو کافر ٹھہرایا جائے گا۔ ایسی کوئی حدیث موجود نہیں۔

الجواب

یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بعض حدیثوں سے استنباط ہے۔ چنانچہ ”شہادۃ القرآن“ صفحہ 11 پر بھی آپ لکھتے ہیں:-

”پھر فرمایا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) کہ اس امت پر ایک آخری زمانہ آئے گا کہ اکثر علماء اس امت کے یہود کے مشابہ ہو جائیں گے اور دیانت اور تقویٰ اُن میں سے جاتی رہے گی اور جھوٹے فتوے اور مکاریاں اور منصوبے اُن کا شیوہ ہوگا۔“ (شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 306)

اس اقتباس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں ایک زمانہ میں امت کے یہود سے پورے طور پر مشابہ ہو جانے کا ذکر ہے۔ چنانچہ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”لَتَبْعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شَبْرًا بِشَبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّىٰ لَوْ سَلَكَوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوهُ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ قَالَ فَمَنْ“۔

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل)

ترجمہ:- تم لوگ ضرور پہلے لوگوں کے طریق پر چلو گے جس طرح باشت

باشت کے مطابق اور ہاتھ ہاتھ کے مطابق ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر اُن میں سے کوئی گویہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہے تو تم اُن کی اتباع کرو گے۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ! یہود اور نصاریٰ مراد ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اور کون۔ یہود نے اپنے زمانہ کے مسیح کا انکار کیا تھا۔ ان کی تکفیر کی تھی۔ انہیں مُرتد قرار دیا تھا۔ اور بالآخر ان کو صلیب پر چڑھانے کی کوشش کی تھی۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہود سے مشابہت میں مسلمان علماء کی طرف سے بھی اپنے زمانہ کے مسیح کی تکفیر ہونے والی تھی۔

غالباً ایسی ہی حدیثوں سے استنباط کر کے نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے:-

”چوں مہدی علیہ السلام مقاتلہ بر احيائے سنت و امانت بدعت فرمائند علماء وقت کہ خوگر تقلید فقہاء و اقتداء مشائخ و آباء خود باشند۔ گوئند ایں مرد خانہ بر انداز دین و ملت ما است و بخالفت برخیزند و حسب عادت خود حکم بتکفیر و تہلیل دے کنند۔“ (حجج الکرامہ صفحہ 363)

”کہ جب امام مہدی سنت کو زندہ کرنے کے لئے اور بدعت کو مٹانے کے لئے جدوجہد کریں گے تو علماء وقت جو فقہاء اور مشائخ اور آباء کی تقلید کے عادی ہوں گے کہیں گے، یہ شخص ہمارے دین و مذہب کا گھر برباد کرنے والا ہے اور مخالفت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اپنی عادت کے مطابق اُسے کافر اور گمراہ قرار دیں گے۔“

مجّد و صاحب سر ہندی کا حوالہ متعلق نبوت

اعتراض نمبر 24

مرزا صاحب نے ”ہقیقۃ الوحی“ صفحہ 390 پر مجّد و صاحب سر ہندی کے حوالہ سے یہ مضمون لکھا ہے جس سے کثرت مکالمہ مخاطبہ ہو۔ اُس کو نبی کہتے ہیں۔ اُن کی ایسی کوئی عبارت موجود نہیں۔

الجواب

مکتوبات جلد اوّل دفتر اوّل حصہ پنجم مکتوب نمبر 310 میں وہ عبارت موجود ہے جس کا مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کے مطابق ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:-

”متشابہ (یعنی متشابہت قرآنی) خدا تعالیٰ کے نزدیک تاویل پر محمول ہیں اور ظاہر سے پھر گئے ہیں۔ اور علمائے راسخین کو خدا تعالیٰ اس تاویل کے علم سے ایک حصّہ وافر عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ علم غیب جو خدا تعالیٰ سے مخصوص ہے اس پر خالص رسولوں کو اطلاع بخشا ہے۔ اس تاویل کو ایسی تاویل خیال نہ کرنا۔ جس رنگ میں ید (ہاتھ) کی تاویل قدرت۔ اور وجہ (چہرہ) کی تاویل ذات ہے۔ حاشا و کلا یہ تاویل اسرار میں سے ہے۔ جس کا علم اخصّ خواص کو ہی عطا فرماتا ہے۔“

اس جگہ فارسی الفاظ یہ ہیں:-

”چنانچہ بر علم غیب کہ مخصوص با دست سبحانہ تعالیٰ خلّص رسل را اطلاع

می بخشد۔“

واضح ہو کہ ہقیقۃ الوحی صفحہ 390 پر جو دو باتیں مذکور تھیں انہی دو

باتوں کا ذکر اس حوالہ میں بھی مذکور ہے۔

اول۔ بعض افراد اُمت کو مکالمہ مخاطبہ الہیہ نصیب ہوتا۔

دوم۔ رسولوں کی یہ خصوصیت کہ انہیں خدا کے خاص غیب پر اطلاع دی جاتی ہے۔

رسولوں کی یہ خصوصیت آیت لَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِنْ رَّسُولٍ سے ہی اخذ کردہ معلوم ہوتی ہے۔ جس میں رسول کے لئے اظہار علی الغیب یعنی کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع دیا جانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اظہار علی الغیب کا صلہ جب علی ہو۔ اس سے مراد غلبہ دینا ہوتا ہے۔ پس رسول کو دوسرے ملہمین کے مقابل خدا اُمور غیبیہ پر غلبہ دیتا ہے۔ یعنی ان کے مقابلہ میں رسولوں کو کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے۔

گو مکتوبات میں کثرت کا لفظ نہیں۔ لیکن ”چنانچہ بر علم غیب کہ مخصوص باوست سبحانہ تعالیٰ“ کے فقرہ سے بکثرت اطلاع دیا جانا ہی مراد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جس آیت سے یہ مضمون لیا گیا ہے۔ اس میں کثرت شرط ہے۔

کسی صحیح حدیث میں مسیح کے نزول کے ساتھ

السَّمَاءُ كَالْفُظِّ مَوْجُودٌ نَّهَيْسُ

اعتراض نمبر 25

مرزا صاحب نے حماتۃ البشریٰ میں دعویٰ کیا ہے کہ مسیح کے متعلق کسی حدیث میں یہ لفظ نہیں کہ وہ آسمان سے اترے گا۔ ان کی یہ بات غلط ہے کیونکہ احادیث میں مسیح کے نزول کے ساتھ آسمان کا لفظ بھی موجود ہے۔

الجواب

حمامة البشریٰ صفحہ 54 پر درج عبارت کا ترجمہ یہ ہے:-
 ”پھر اس قوم پر سخت تعجب ہے کہ نزول مسیح سے یہی خیال کرتی ہے کہ
 وہ آسمان سے اترے گا۔ اور آسمان کا لفظ اپنی طرف سے ایزاد کرتے
 ہیں۔ اور کسی صحیح حدیث میں اس کا اثر و نشان نہیں۔“

(حمامة البشریٰ، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 197 حاشیہ)
 حمامة البشریٰ کے اس ترجمہ سے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے۔
 یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ نے مطلق حدیث میں آسمان کا لفظ موجود ہونے کا انکار نہیں
 فرمایا۔ بلکہ کسی صحیح حدیث میں آسمان کا لفظ موجود ہونے سے انکار فرمایا ہے۔
 حمامة البشریٰ کے اس نسخہ کا حصہ اول ضیاء الاسلام پریس قادیان
 سے شائع ہوا تھا۔

ازالہ اوہام میں بھی حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:-
 ”صحیح حدیثوں میں تو آسمان کا لفظ بھی نہیں“ اور تحفہ گولڈویہ صفحہ 74، 75 پر
 لکھتے ہیں:-

”کسی صحیح حدیث میں نزول کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود نہیں۔“
 پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک کسی صحیح حدیث میں نزول کے
 ساتھ سماء کا لفظ نہیں۔ پس کسی بھی شخص کا کنز العمال کی حدیث:-

”يُنْزِلُ أَخِي عِيسَى مِنَ السَّمَاءِ عَلَى جَبَلٍ أْفِيقٍ“ کو ہمارے سامنے
 صحیح حدیث کی صورت میں پیش کرنا درست نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
 حمامة البشریٰ کے ترجمہ اور تحفہ گولڈویہ اور ازالہ اوہام میں کسی صحیح حدیث میں

نزول کے ساتھ آسمان کے لفظ کے موجود ہونے کے خیال کو رد کرتے ہیں۔
کنز العمال کی حدیث میں السَّمَاء کا لفظ کسی راوی نے اپنی طرف سے اپنی سمجھ
کے مطابق بطور تشریح کے زیادہ کر دیا ہے۔ اسی لئے آپؐ نے حملۃ البشریٰ میں
حدیث درج کرتے ہوئے السَّمَاء کا لفظ روایت سے حذف کر دیا ہے۔ اسی
طرح امام بیہقی نے بھی نزول کے ساتھ السَّمَاء کا لفظ اپنی حدیث میں خود بڑھا
دیا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ اس حدیث کے متعلق صحیح بخاری کا حوالہ دیتے ہیں۔ مگر صحیح بخاری
میں السَّمَاء کا لفظ ہرگز موجود نہیں۔

امام مہدی کے لئے رمضان میں کسوف و خسوف

اعتراض نمبر 26

مرزا صاحب لکھتے ہیں:-

”کسی دوسرے مدعی مہدویت کے وقت میں کسوف و خسوف رمضان

(تحفہ گولڑویہ صفحہ 28)

میں آسمان پر نہیں ہوا۔“

یہ بیان کر کے معترضین اسے الذِّكْرُ الْحَكِيمُ کے صفحہ 6 کی رُو سے جس

میں مدعیان مہدویت کی ایک طویل فہرست درج کر کے لکھا گیا ہے کہ اُن کے

زمانے میں سورج اور چاند کو گرہن ہوا۔ اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

بیان کو جھوٹ قرار دیتے ہیں۔

الجواب

ڈاکٹر عبدالحکیم کے ایسے مہدیوں کی فہرست پیش کر دینے سے کیا بنتا ہے جبکہ

انہوں نے اس فہرست کو کسی دلیل کے ساتھ پیش نہیں کیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کی

طرف سے کسی مدعی مہدویت کا دعویٰ اس کی اپنی کتاب سے دکھایا جاتا۔ پھر یہ دکھایا جاتا کہ اس کے دعویٰ کے بعد رمضان میں چاند اور سورج کو انہی تاریخوں میں گرہن لگا تھا۔ اور اس مدعی نے اسے اپنے لئے بطور نشان پیش کیا تھا۔ حدیث دارقطنی کے الفاظ:-

”إِنَّ لِمَهْدِيْنَا آيَتَيْنِ“ میں لَامِ افادہ کا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ مہدی ان دونوں نشانوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام چشمہ معرفت کے صفحہ 314، 315 کے حاشیہ میں اس کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”ہمیں اس بات سے بحث نہیں کہ ان تاریخوں میں کسوف و خسوف رمضان کے مہینہ میں ابتدائے دنیا سے آج تک کتنی مرتبہ واقع ہوا ہے۔ ہمارا مدعا صرف اس قدر ہے کہ جب سے نسل انسانی دنیا میں آئی ہے نشان کے طور پر یہ خسوف کسوف صرف میرے زمانہ میں میرے لئے واقع ہوا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کو یہ اتفاق نصیب نہیں ہوا کہ ایک طرف تو اس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور دوسری طرف اس کے دعویٰ کے بعد رمضان کے مہینہ میں مقررہ تاریخوں میں خسوف کسوف بھی واقع ہو گیا ہو اور اس نے اس خسوف کسوف کو اپنے لئے ایک نشان ٹھہرایا ہو۔“

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 329، 330 حاشیہ)

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”پس جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ پہلے بھی کئی دفعہ خسوف کسوف ہو چکا ہے۔ اس کے ذمہ یہ بار ثبوت ہے کہ وہ ایسے مدعی مہدویت کا پتہ دے جس نے اس کسوف خسوف کو اپنے لئے نشان ٹھہرایا ہو۔ اور یہ ثبوت یقینی اور قطعی چاہیے۔ اور یہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ ایسے مدعی کی کوئی کتاب پیش کی

جائے جس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ اور نیز یہ لکھا ہو کہ خسوف کسوف جو رمضان میں دارقطنی کی مقرر کردہ تاریخوں کے موافق ہوا ہے وہ میری سچائی کا نشان ہے۔“

مزعومہ تناقضات کی تردید

بعض لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں تناقضات دکھانے کی کوشش کی ہے اور پھر کہا ہے کہ تناقض جھوٹے کے کلام میں ہوتا ہے۔ اس امر کا اصولی جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں ہرگز کوئی حقیقی تناقض موجود نہیں۔ مخالفین کو جو اختلافات نظر آتے ہیں وہ ان کی غلط فہمی کا نتیجہ ہیں۔

مُریدوں کی تعداد کے بیان میں بظاہر اختلاف کی وجہ

اعتراض اوّل

مرزا صاحب نے پہلے اپنے مریدوں کی تعداد پانچ ہزار بیان کی۔ لیکن جب ایک سال کے بعد انکم ٹیکس کا سوال ہوا تو جھٹ لکھ دیا کہ میرے مریدوں کی تعداد دو صد ہے۔

الجواب

اُس وقت چندہ دینے والوں کی تعداد دو صد ہی تھی اور انکم ٹیکس کا سوال چونکہ چندہ ہی سے متعلق تھا۔ لہذا جب کل تعداد بیان کی تو بیوی بچے شامل کر کے بیان کی تھی۔ لیکن انکم ٹیکس لگانے والوں کو تو اپنی کمائی سے چندہ دہندگان کی فہرست ہی مطلوب تھی۔ اسی لئے اس فہرست میں دو صد کی تعداد بتائی جو چندہ دہندگان تھے۔

دعویٰ نبوت کے انکار و اقرار میں تطبیق

اعتراض دوم

مرزا صاحب نے کئی جگہ نبی ہونے سے انکار کیا ہے اور دعویٰ نبوت کو کفر قرار دیا ہے۔ لیکن کئی جگہ اپنے آپ کو نبی کی صورت میں پیش کیا ہے۔

الجواب

چونکہ نبی کی اقسام ہیں: تشریحی اور غیر تشریحی۔ اس لئے پہلی قسم کا نبی ہونے سے آپؑ نے انکار کیا۔ اور دوسری قسم کا نبی ہونے کا اس شرط کے ساتھ اقرار کیا ہے کہ آپؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بھی ہیں۔ چنانچہ آپؑ اپنے آخری خط میں جو اخبار عام مورخہ 26 مئی 1908ء میں شائع ہوا لکھتے ہیں:-

”یہ الزام جو میرے پر لگایا جاتا ہے۔ کہ میں اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں سمجھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں یہ الزام میرے پر صحیح نہیں۔ بلکہ ایسا دعویٰ میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ ہمیشہ سے اپنی ہر کتاب میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔“

اس کے بعد اپنی نبوت کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:-

”جس بناء پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں، وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہم کلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں

میرے پر ظاہر کرتا ہے اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اسکے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا اور انہی امور کی کثرت کی وجہ سے اُس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دُنیا سے گزر جاؤں گا“
(خط مندرجہ اخبار عام 26 مئی 1908ء)

اور اشتہار ”ایک غلطی کے ازالہ“ میں فرماتے ہیں:-

”جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہیں معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔ سواب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔“

(ایک غلطی کا ازالہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 210-211)

اور پھر نزول المسیح حاشیہ صفحہ 3 پر تحریر فرماتے ہیں:-

”اس نکتہ کو یاد رکھو کہ میں رسول اور نبی نہیں ہوں یعنی باعتبار نئی شریعت اور نئے دعویٰ اور نئے نام کے۔ اور میں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے۔ میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل

انعکاس ہے۔“

(نزول المسیح۔ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 381 حاشیہ)
پس نبوت کے اقرار اور انکار میں وجوہ مختلف ہیں۔ لہذا اس میں کوئی
تناقض نہیں۔

قبر مسیح کے متعلق مسیح موعودؑ کے بیانات

اعتراض سوم

مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰؑ کی قبر ”ست بچن“ صفحہ 63 پر یروشلم میں
بتائی ہے اور ازالہ اوہام میں لکھا ہے ”مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت
ہو گیا۔“ اور ”ست بچن“ صفحہ 164 پر یہ بھی لکھا ہے کہ بلا دِشام میں حضرت عیسیٰؑ
علیہ السلام کی قبر کی پرستش ہوتی ہے۔ پھر اسی جگہ حاشیہ میں یہ لکھا ہے۔ کہ ”اب تک
کشمیر میں مسیح کی قبر موجود ہے۔“ (ست بچن صفحہ 164)

الجواب

بلا دِشام میں جس قبر کی پرستش ہوتی ہے، انجیل کی رو سے وہ وہی قبر ہے جس
میں واقعہ صلیب کے بعد حضرت مسیحؑ کو بے ہوشی کی حالت میں رکھا گیا۔ اور یروشلم
والی قبر اور بلا دِشام والی قبر ایک ہی ہے۔ کیونکہ یروشلم بلا دِشام میں واقعہ تھا۔
حدیث نبویؐ میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کا موجود ہونا مذکور
ہے۔ جس کی پرستش ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں:-
”ہاں بلا دِشام میں حضرت عیسیٰؑ کی قبر کی پرستش ہوتی ہے اور مقررہ
تاریخوں پر ہزار ہا عیسائی سال بسال اس جگہ پر جمع ہوتے ہیں۔ سو اس

حدیث (لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَآءِهِمْ مَسَاجِدَ)۔ (بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ووفاته) سے ثابت ہے۔ کہ درحقیقت وہ قبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہی قبر ہے۔ جس میں مجروح ہونے کی حالت میں وہ رکھے گئے تھے۔

(ست بچن روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 309)

پس یہ وہ قبر ہے۔ جس میں حضرت مسیح مہدیؑ ہونے کی حالت میں دفن نہیں کئے گئے تھے بلکہ مجروح ہونے کی حالت میں رکھے گئے۔ اور چونکہ واقعہ صلیب یروشلم میں پیش آیا تھا۔ اس لئے ست بچن روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 309 پر یروشلم کی جس قبر کا ذکر ہے۔ وہ وہی ہے جس میں حضرت مسیح مجروح ہونے کی حالت میں رکھے گئے تھے۔

اور ست بچن روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 309 کے حاشیہ میں جس قبر مسیح کا سرینگر میں بیان ہونا مذکور ہے۔ وہ وہ قبر ہے جس میں آپؑ طبعی وفات پانے کے بعد دفن ہوئے۔ اور تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد حضرت مسیحؑ نے کشمیر میں ہجرت فرمائی تھی اور اسی سال سے زائد عمر وہاں بسر کی تھی۔ اور پھر وفات پا کر خانپار کے محلہ میں دفن ہوئے تھے جہاں آج تک یوز آصف نبی کے نام سے اُن کی قبر موجود ہے۔

گلیل میں حضرت مسیح کے طبعی وفات پانے کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجیلی بیانات کے رُو سے کیا ہے۔ چنانچہ ازالہ اوہام میں تحریر فرماتے ہیں:-
”یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہو گیا۔ بلکہ اسی باب کی تیسری آیت ظاہر کر رہی ہے کہ بعد فوت ہو جانے کے کشفی طور پر مسیح چالیس دن تک

اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔ اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ مسیح بوجہ مصلوب ہونے کے فوت ہوا۔ کیونکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے صلیب سے مسیح کی جان بچائی تھی بلکہ یہ تیسری آیت باب اوّل اعمال کی مسیح کی طبعی موت کی نسبت گواہی دے رہی ہے۔ جو گلیل میں اس کو پیش آئی۔ اس موت کے بعد مسیح چالیس دن تک کشفی طور پر اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔“

(ازالہ ادہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 353-354)

اس سے ظاہر ہے کہ پادریوں کو انجیل کی رو سے لا جواب کرنے کیلئے آپ نے کتاب اعمال کے باب اوّل آیت تین کی رو سے مسیح کے گلیل میں طبعی وفات پانے کا ذکر کیا ہے۔ جس سے ثابت کرنا مقصود ہے کہ عیسائیوں کا یہ خیال غلط ہے کہ مسیح خاکی جسم کے ساتھ مرنے کے بعد آسمان پر اٹھائے گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعمال کے بیان کو سچ، عیسائیوں کے لئے ان کی کتاب کے لحاظ سے قرار دیا تھا نہ اس لحاظ سے کہ حضور خود بھی اس بیان کو سچا جانتے ہیں۔ آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عیسائیوں کو اپنی مسلمہ کتاب کا یہ بیان سچ مان لینا چاہیے اور دفن ہو کر زندہ ہونے کے خیال کو جھوٹ جاننا چاہیے۔

لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے وجدان کی رو سے مسیح کا گلیل میں طبعی وفات پانا ایک مشکوک امر تھا۔ اس لئے آپ نے اسی جگہ ازالہ ادہام میں فرمادیا:۔

”یاد رہے کہ یہ تاویلات اس حالت میں ہیں کہ ہم ان عبارتوں کو صحیح اور غیر محرف قبول کر لیں۔ لیکن اس کے قبول کرنے میں بڑی دقتیں ہیں۔“

(ازالہ ادہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 356)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجدان میں حضرت مسیح علیہ السلام کا

گلیل میں فوت ہو کر دفن ہونا اور پھر چالیس دن تک کشفی طور پر ملتے رہنا ثابت نہیں۔ بلکہ اس کے قبول کرنے میں آپ کے نزدیک بڑی دقتیں ہیں۔ کشمیر میں حضرت مسیح کا جانا اور وفات پانا آپ کے نزدیک محقق امر ہے۔ چنانچہ آپ اسی ست بچن میں تحریر فرماتے ہیں:-

”ہاں ہم نے کسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح کی بلا دشام میں (مراد گلیل۔ ناقل) قبر ہے۔ مگر اب صحیح تحقیق ہمیں اس بات کے لکھنے پر مجبور کرتی ہے کہ واقعی قبر وہی ہے جو کشمیر میں ہے۔“

(ست بچن روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 307 حاشیہ)

پھر راز حقیقت روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 172 پر تحریر فرماتے ہیں:-
 ”خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم سے..... اس راقم کی سچائی ظاہر کرنے کے لئے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ جو سری نگر میں محلہ خانیاں میں یوز آسف کے نام سے قبر موجود ہے وہ درحقیقت بلا شک و شبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔“

حضرت مسیح کا حواریوں کو جسمانی زندگی کے ساتھ ملنا ”مسیح ہندوستان میں“ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 21-22 پر مذکور ہے۔ اس جگہ لکھا ہے:-

”مسیح قبر سے نکل کر گلیل کی طرف گیا..... آخر ان گیارہاں حواریوں کو ملا جب کہ وہ کھانا کھا رہے تھے اور اپنے ہاتھ اور پاؤں جو زخمی تھے دکھائے۔ انہوں نے گمان کیا کہ شاید یہ رُوح ہے تب اس نے کہا مجھے چھوؤ اور دیکھو کیونکہ رُوح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا کہ مجھ میں دیکھتے ہو ان سے ایک بھنی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتا لیا اور ان کے سامنے کھایا۔ دیکھو مرقس باب 16 آیت 14 اور لوقا باب 24 آیت 39 اور 40 اور 41 اور 42۔“

ان آیات سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ مسیح ہرگز آسمان پر نہیں گیا بلکہ قبر سے نکل کر جلیل کی طرف گیا اور معمولی جسم اور معمولی کپڑوں میں انسانوں کی طرح تھا اگر وہ مرکز زندہ ہوتا تو کیونکر ممکن تھا کہ جلالی جسم میں صلیب کے زخم باقی رہ جاتے۔“

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا شاگردوں کو کشفی طور پر ملنا تسلیم نہیں کرتے بلکہ اپنی جسمانی زندگی میں ملنا ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ اس بات پر کہ مسیح مرکز جی اٹھا اور یہ معجزہ سرزد ہوا حضور تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”کیوں یسوع نے جس کا یہ فرض تھا کہ اپنے اس معجزہ کی یہودیوں میں اشاعت کرتا اس کو مخفی رکھا بلکہ دوسروں کو بھی اس کے ظاہر کرنے سے منع کیا۔ اگر یہ کہو کہ اس کو پکڑے جانے کا خوف تھا تو میں کہتا ہوں کہ جب ایک دفعہ خدائے تعالیٰ کی تقدیر اس پر وارد ہو چکی اور وہ مرکز پھر جلالی جسم کے ساتھ زندہ ہو چکا تو اب اس کو یہودیوں کا کیا خوف تھا۔ کیونکہ اب یہودی کسی طرح بھی اس پر قدرت نہیں پاسکتے تھے۔ اب تو وہ فانی زندگی سے ترقی پا چکا تھا۔ افسوس ہے کہ ایک طرف تو اس کا جلالی جسم سے زندہ ہونا اور حواریوں کو ملنا اور جلیل کی طرف جانا اور پھر آسمان پر اٹھائے جانا بیان کیا گیا ہے اور پھر بات بات میں اس جلالی جسم کے ساتھ بھی یہودیوں کا خوف ہے اس ملک سے پوشیدہ طور پر بھاگتا ہے کہ تا کوئی یہودی دیکھ نہ لے اور جان بچانے کے لئے ستر کوس کا سفر جلیل کی طرف کرتا ہے۔ بار بار منع کرتا ہے کہ یہ واقعہ کسی کے ساتھ بیان نہ کرو۔ کیا یہ جلالی جسم کے لچھن اور علامتیں ہیں؟ نہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی جلالی اور نیا جسم نہ تھا وہی زخم آلودہ

جسم تھا جو جان نکلنے سے بچایا گیا اور چونکہ یہودیوں کا پھر بھی اندیشہ تھا اس لئے برعایت ظاہر اسباب مسیح نے اس ملک کو چھوڑ دیا۔ اس کے مخالف جس قدر باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب بیہودہ اور خام خیال ہیں۔“
(مسیح ہندوستان میں روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 48-49)

کشمیر کی تاریخ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ راجہ گوپا نند کے عہد میں یوز آسف نبی بیت المقدس سے وادی کشمیر میں مرفوع ہوئے اور وہاں انہوں نے باقی عمر گزار دی اور وفات پا کر سری نگر کے محلہ خانیار کے مقام ”انزمرہ“ میں دفن ہوئے۔
قرآن کریم بھی گواہ ہے کہ مسیح اور ان کی والدہ نے یروشلم سے ہجرت کی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

”وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ“ (المؤمنون: 51)

کہ ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو نشان بنایا اور ان کو اونچی جگہ پر پناہ دی جو آرام والی اور چشموں والی ہے۔
تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ کشمیر کا علاقہ تھا جہاں انہیں پناہ دی گئی۔
حدیث نبوی میں وارد ہے:-

”أَوْحَى إِلَيَّ إِلَهُ عِيسَى أَنْ يَأْتِيَ عِيسَى إِنْتَقِلُ مِنْ مَكَانٍ إِلَى مَكَانٍ لِيُتَعَرَفَ فَتَوُذَى“

(کنز العمال جلد 3 خوف العافية من الاكمال حدیث نمبر 5955)
یعنی خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اب ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاؤ تاکہ تم پہچان نہ لئے جاؤ اور پھر دکھ نہ دیئے جاؤ۔

حیات مسیح کا رسمی عقیدہ اور دعویٰ مسیح موعود

اعتراض چہارم

براہین احمدیہ کے پہلے حصوں کے صفحہ 498 پر مرزا صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دوبارہ اصالتاً آمد تسلیم کی۔ لیکن بعد میں ان کی وفات کے قائل ہو گئے اور خود مسیح موعود کا دعویٰ کر دیا۔ جیسا کہ فتح اسلام اور ازالہ اوہام وغیرہ سے ظاہر ہے۔

الجواب

ان دونوں قسم کی عبارتوں میں اس وجہ سے تناقض قرار نہیں دیا جاسکتا کہ پہلا عقیدہ آپ کا رسمی تھا اور دوسرا عقیدہ آپ نے وحی الہی کے ماتحت اختیار کیا جس میں آپ کو خبر دی گئی کہ:-

”مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تُو آیا ہے۔ وَكَانَ وَعْدُ اللَّهِ مَفْعُولًا“۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 402)

اس الہام نے آپ پر کھول دیا کہ آپ ہی امت محمدیہ کے مسیح موعود ہیں۔ ورنہ مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ تو آپ کا اُسی جگہ براہین احمدیہ میں موجود تھا۔ دونوں عقیدوں میں تناقض تب قرار دیا جاسکتا ہے اگر آپ کی عبارتوں میں ٹکراؤ ہوتا مگر پہلے عقیدے میں تبدیلی تو آپ نے الہام سے کی۔ حدیث نبوی میں وارد ہے:-

كَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ بِهِ۔

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کے عقیدہ اور عمل سے موافقت پسند کرتے تھے۔ ان امور میں جن میں وحی نہ ہوئی ہوتی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وحی

ہو جانے پر آپ پہلے عقیدہ اور عمل کو بدل دیتے تھے۔ ایسی تبدیلی پر تحویل قبلہ شاہد ناطق ہے اب اگر کوئی تحویل قبلہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد اور اعمال میں تناقض قرار دے تو وہ ظالم ہوگا۔ کیونکہ آپ کے پہلے عقیدہ اور عمل میں تبدیلی وحی سے ہوئی تھی اس لئے خدا کی وحی سے جو تبدیلی عقیدہ اور عمل میں پیدا ہو تو وہ تبدیلی حقیقی تناقض کے ذیل میں نہیں آتی جو قابل اعتراض ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود اس اعتراض کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”میں نے براہین میں جو کچھ مسیح بن مریم کے دوبارہ دنیا میں آنے کا ذکر لکھا ہے وہ ذکر صرف ایک مشہور عقیدہ کے لحاظ سے ہے جس کی طرف آج کل ہمارے مسلمان بھائیوں کے خیالات جھکے ہوئے ہیں۔ سو اسی ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے میں نے براہین میں لکھ دیا تھا کہ میں صرف مثیل موعود ہوں اور میری خلافت صرف روحانی خلافت ہے۔ لیکن جب مسیح آئے گا تو اس کی ظاہری اور جسمانی دونوں طور پر خلافت ہوگی۔ یہ بیان جو براہین میں درج ہو چکا ہے صرف اس سرسری پیروی کی وجہ سے ہے جو ملہم کو قبل از انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثارِ مرویہ کے لحاظ سے لازم ہے کیونکہ جو لوگ خدائے تعالیٰ سے الہام پاتے ہیں وہ بغیر بلائے نہیں بولتے اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے اور بغیر فرمائے کوئی دعویٰ نہیں کرتے اور اپنی طرف سے کسی قسم کی دلیری نہیں کر سکتے۔“

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 196-197)

دعویٰ مسیح موعود سے انکار اور اُس کا مفہوم

اعتراض پنجم

مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے اور مسیح موعود ہونے سے انکار بھی کیا ہے۔ یہ دونوں باتیں ازالہ اوہام میں موجود ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-
 ”اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں جو آج ہی میرے منہ سے سُنا گیا ہو۔“
 (ازالہ اوہام صفحہ 190)

اور ازالہ اوہام صفحہ 179 میں لکھتے ہیں:-

”واضح ہو کہ یہ بات نہایت صاف اور روشن ہے کہ جنہوں نے اس عاجز کا مسیح موعود ہونا مان لیا ہے وہ لوگ ہر یک خطرہ سے محفوظ اور معصوم ہیں اور کئی طرح کے ثواب اور اجر اور قوتِ ایمانی کے وہ مستحق ٹھہر گئے ہیں۔“
 پس تناقض ظاہر ہے۔

الجواب

حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کے خیالی ”مسیح موعود“ ہونے سے انکار کیا ہے نہ کہ احادیث کے مصداق مسیح موعود سے۔ مسلمانوں کا خیالی مسیح موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اصالتاً ہیں اور مسیح موعود کا دعویٰ اس خیالی مسیح کے مثیل موعود ہونے کا ہے۔ پس مثیل موعود ہو کر آپ اُمّتِ محمدیہ کے لئے مسیح موعود ہیں۔
 دلیل اس بات کی کہ اس جگہ مسلمانوں کے خیالی مسیح موعود ہونے سے انکار کیا ہے۔ یہ ہے کہ آپ چند سطریں آگے تحریر فرماتے ہیں:-
 ”میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں جو شخص یہ

الزام میرے پر لگا دے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے۔“
مسلمان حقیقی ابن مریم کا آنا خیال کرتے تھے اور اُسے مسیح موعود جانتے تھے
اس لئے اس جگہ ان کے مزعوم اور خیالی مسیح موعود ہونے سے انکار کیا گیا ہے نہ کہ
حدیثوں کے مصداق مسیح موعود سے چنانچہ آگے چل کر فرماتے ہیں:-

”میری زندگی کو مسیح ابن مریم سے اشد مشابہت ہے اور یہ بھی میری
طرف سے کوئی نئی بات ظہور میں نہیں آئی کہ میں نے ان رسالوں میں اپنے
تئیں وہ موعود ٹھہرایا ہے جس کے آنے کا قرآن شریف میں اجمالاً اور احادیث
میں تصریحاً بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ میں تو پہلے بھی براہین احمدیہ میں تصریح
لکھ چکا ہوں کہ میں وہی مثیل موعود ہوں جس کے آنے کی خبر روحانی طور پر
قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں پہلے سے وارد ہو چکی ہے۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 190 روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 192)

چونکہ آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل موعود ہی امت محمدیہ
کے لئے حقیقی مسیح موعود ہے اس لئے آپ نے ازالہ اوہام کے دوسرے مقامات
میں اپنے تئیں مسیح موعود قرار دیا ہے۔ مگر اپنی تصریح کے مطابق نہ کہ مخالفین کے
خیال کے مطابق۔

نیز آپ کے مسیح موعود ہونے کے یہ معنی بھی نہیں کہ آپ میں حضرت عیسیٰ کی
روح حلول کر آئی ہے۔ جیسا کہ بعض کم فہموں نے آپ کے متعلق یہ خیال کر لیا کہ
مرزا صاحب بطور تاسخ عیسیٰ ابن مریم ہونے کے مدعی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
علماء کے ذکر میں فرماتے ہیں:-

”ان کی یہ خاص مراد کشفاً والہاماً و عقلاً و فرقاناً مجھے پوری ہوتی نظر نہیں آتی

کہ وہ لوگ سچ مچ کسی دن حضرت مسیح بن مریم کو آسمان سے اترتے دیکھ لیں گے۔
(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 198)

اور یہ بھی لکھا:۔

”یہ خیال کہ تاسخ کے طور پر حضرت مسیح بن مریم دنیا میں آئیں گے
سب سے زیادہ ردی اور شرم کے لائق ہے۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 87 روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 147)

پس آپ لوگوں کے خیالی مسیح موعود نہیں (یعنی حقیقی ابن مریم نہیں) اور نہ
بطور تاسخ مسیح ابن مریم ہونے کے مدعی ہیں۔ بلکہ آپ مسیح موعود ہیں بطور بروز۔
پس اعتراض میں پیش کردہ دونوں باتوں میں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ مسیح موعود
ہونے سے انکار کی وجہ مسیح موعود ہونے کے اقرار سے مختلف ہے اور جب اقرار و انکار
کے اعتبارات و وجوہ مختلف ہوں تو موضوع بدل جانے کی وجہ سے تناقض اٹھ جاتا
ہے۔ کیونکہ تناقض پایا جانے کے لئے موضوع ایک ہی ہونا بھی ضروری شرط ہے۔
لَوْلَا اِلَّا عِتْبَارَاتُ لَبَطَلَتْ الْحُكْمَةُ۔

فضیلت بر مسیحؑ کے عقیدہ میں تبدیلی کی وجہ

اعتراض ششم

تریاق القلوب کے صفحہ 157 پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جزوی فضیلت کا عقیدہ درج ہے اور ریو یو جلد اول نمبر 6 میں اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تمام شان میں بڑھ کر ہونے کا ذکر ہے۔

الجواب

پہلا عقیدہ اجتہادی تھا اور دوسرا عقیدہ الہامی اس لئے دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ جب تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نبوت میں اپنی نسبت نہیں سمجھتے تھے اس وقت تک ایسے الہامات سے جن میں حضرت مسیحؑ کی فضیلت کا ذکر تھا اجتہاداً جزوی فضیلت مراد لیتے تھے۔ لیکن وحی الہی کی صراحت سے جب آپؑ پر یہ انکشاف ہو گیا کہ آپؑ نبی ہیں مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی اور اسی زمانہ میں یہ الہام بھی ہوا۔ کہ ”مسیح محمدی مسیح موسوی سے افضل ہے“

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 17)

تو آپؑ نے اپنے عقیدہ میں اس الہامی انکشاف سے تبدیلی فرمائی۔ پس آپؑ کے کلام میں کوئی حقیقی تناقض موجود نہیں۔ اختلاف صرف آپؑ کے پہلے اجتہاد اور بعد کے الہام میں ہے اور اجتہاد میں کسی الہام سے تبدیلی کوئی قابل اعتراض امر نہیں بلکہ وہ اجتہاد درست نہ ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

”مَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِيهِ

مِنْ قَبْلِ نَفْسِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَلْطِئُ وَأُصِيبُ“

(نبراس شرح الشرح العقائد النسفی صفحہ 392)

کہ جو بات میں تمہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے بتلاؤں وہ حق ہے اور جو اجتہاد اپنی طرف سے کہوں تو میں انسان ہوں خطا بھی کر سکتا ہوں۔ اور درست بات بھی کہتا ہوں۔

فضیلت کے مسئلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدہ میں بھی تبدیلی ہوئی تھی۔ ایک وقت آپ فرماتے تھے:-

”لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى“

(صحیح بخاری کتاب الخصومات باب ما یدکر فی الاشخاص.....)

یعنی مجھے موسیٰ پر فوقیت نہ دو۔

لیکن جب آپؐ کو خاتم النبیین قرار دیا گیا تو اس الہامی انکشاف پر جو تمام انبیاء پر آپؐ کی فضیلت کو ظاہر کرتا تھا آپؐ نے یہ اعلان فرمادیا:-

”فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسَبْتٍ“

(صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاة)

کہ مجھے چھ باتوں میں تمام نبیوں پر فضیلت دی گئی ہے اور آخری بات یہ بتائی کہ خَتَمَ بِيَ النَّبِيُّونَ کہ میرے بعد تشریحی انبیاء کا آنا منقطع ہو گیا ہے۔ اور غالباً اس آیت کے نزول کے بعد ہی آپؐ نے فرمایا کہ ”أَنَا سَيِّدُ وَلِدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ“ کہ میں تمام بنی نوع کا سردار ہوں اور یہ کوئی فخریہ بات نہیں (یعنی یہ اظہار حقیقت ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ

”أَنَا سَيِّدُ النَّبِيِّينَ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخَرِينَ“

(دیلی)

کہ میں سب پہلے اور پچھلے نبیوں کا سردار ہوں کیونکہ خاتم النبیین کا یہ بھی

ایک مفہوم ہے۔ اور نیز یہ فرمایا:-

”أَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِينَ“ کہ میں سب نبیوں کا لیڈر ہوں اور پھر یہ بھی فرمادیا۔ ”لَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا لَمَّا وَسِعَتْهُ إِلَّا اتِّبَاعِي“ کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کے بغیر انہیں چارہ نہ ہوتا۔

(مرقاۃ۔ مشکوٰۃ جلد 5 صفحہ 564)

کجایہ انکسار اور تواضع تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی اپنی فضیلت قرار نہیں دیتے تھے اور کجایہ شان ہے کہ اب اپنے تئیں تمام نبیوں سے افضل اور ان کا سردار قرار دیتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتا تو باوجود نبوت کے بھی میرا خادم ہوتا۔ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ۔

محدث اور نبی

اعتراض ہفتم

مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے۔ نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا کے حکم سے کیا گیا۔
اشتہار ایک غلطی کا ازالہ میں لکھتے ہیں:-

”چند روز ہوئے ہیں کہ ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ سے دیا گیا۔ حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں۔“
(ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 1)
پھر لکھتے ہیں:-

”جس کے ہاتھ پر اخبار غیبیہ من جانب اللہ ظاہر ہوں گے

بالضرورت اس پر مطابق آیت لَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ کے مفہوم نبی کا صادق آئے گا۔ (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 4 روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 208) پھر آگے لکھتے ہیں:-

”یاد رکھنا چاہیے کہ ان معنوں (بروزی معنوں) کے رُو سے مجھے نبوت اور رسالت سے انکار نہیں ہے اسی لحاظ سے صحیح مسلم میں بھی مسیح موعود کا نام نبی رکھا گیا۔ اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔ اگر کہو اس کا نام محدث رکھنا چاہیے تو میں کہتا ہوں۔ تحدیث کے معنی کسی لغت کی کتاب میں اظہار غیب نہیں ہے۔ مگر نبوت کے معنی اظہار امر غیب ہے۔“

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 7۔ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 209)

دونوں عبارتوں میں تناقض ظاہر ہے۔ ایک جگہ محدث ہونے کا دعویٰ۔ دوسری جگہ محدث ہونے سے انکار۔ اور نبی ہونے کا اعلان کیا ہے۔

الجواب

بیشک اشتہار ایک غلطی کے ازالہ سے پہلے یعنی 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معروف اصطلاح کی رُو سے نبوت کے دعویٰ سے انکار کیا ہے۔ اور اپنی نبوت کی تاویل محدث کے لفظ سے کی ہے مگر محدثیت کو بھی اس وقت کوئی معمولی مرتبہ نہیں سمجھا۔ بلکہ یہ لکھنے کے بعد کہ

”نبوت کا دعویٰ نہیں محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا کے حکم سے کیا گیا ہے“

آگے لکھا ہے:-

”اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 320)

اندر رکھتی ہے۔“

نیز ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 478 پر علاماتِ مسیح موعود کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”از انجملہ ایک یہ ہے کہ مسیح موعود جو آنے والا ہے اس کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا یعنی خدائے تعالیٰ کی طرف سے وحی پانے والا لیکن اس جگہ نبوتِ تامہ کاملہ مراد نہیں کیونکہ نبوتِ تامہ کاملہ پر مہر لگ چکی ہے بلکہ وہ نبوتِ مُراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے۔ جو مشکوٰۃ نبوتِ محمدیہ سے نُور حاصل کرتی ہے سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی ہے۔“ (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 478)

پس محدث کو ازالہ اوہام میں آپ نے مِنْ وَجْهِ نبی قرار دیا ہے۔ اور اس سے نبوتِ تلمہ کاملہ کی نفی قرار دی ہے جو تشریحی نبوت ہوتی ہے۔ نبوتِ جزئیہ کی نفی نہیں کی بلکہ نبوتِ جزئیہ کا جاری رہنا حسب حدیث ”لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ“ آپ نے اپنی کتاب توضیح مرام میں جو ازالہ اوہام سے بھی پہلے کی ہے۔ بیان کیا ہے۔ اور اس کی تشریح میں لکھا ہے:-

”أَيُّ لَمْ يَبْقَ مِنْ أَنْوَاعِ النُّبُوَّةِ إِلَّا نَوْعٌ وَاحِدٌ وَهِيَ الْمُبَشِّرَاتُ“

(توضیح مرام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 60)

یعنی نبوت کی اقسام میں سے صرف ایک قسم باقی ہے وہ الْمُبَشِّرَاتُ ہیں۔ اسی نبوت کو محدث کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ مغز شریعت اُس پر کھولا جاتا ہے اور بعینہ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔ اور اس کے آگے لکھا ہے کہ:-

”نبوت کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں

پائے جائیں۔“ (توضیح مرام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 60)

پس 1900ء سے پہلے محدثیت کے پیرایہ میں آپ کو نبوت کا دعویٰ تھا لیکن نبوت نامہ کاملہ سے انکار تھا جو وحی شریعت کا حامل ہوتی ہے۔ چنانچہ توضیح مرام میں فرماتے ہیں:-

”إِنَّ النُّبُوَّةَ التَّامَّةَ الْحَامِلَةَ لَوَحْيِ الشَّرِيعَةِ قَدْ انْقَطَعَتْ وَلَكِنَّ النُّبُوَّةَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا إِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ فَهِيَ بَاقِيَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا انْقِطَاعَ لَهَا أَبَدًا“ (توضیح مرام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 61)

کہ نبوت نامہ جو وحی شریعت کی حامل ہوتی ہے منقطع ہو گئی ہے۔ لیکن وہ نبوت جس میں صرف المبشرات ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن تک باقی ہے اس کا کبھی انقطاع نہیں ہوا۔

پس جس نبوت کا آپ نے انقطاع مانا ہے۔ کبھی آپ نے اپنے آپ کو اس کا مصداق قرار نہیں دیا۔ بیشک 1901ء تک آپ کو بہ پیرایہ محدثیت نبوت غیر تشریعیہ پانے کا دعویٰ رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہین احمدیہ کے زمانہ میں آپ پر یہ بھی الہام کیا تھا:-

”أَنْتَ مُحَدِّثُ اللَّهِ فِيكَ مَادَّةٌ فَارُوقِيَّةٌ“

اس سے آپ نے یہ اجتہاد کیا کہ آپ کی نبوت سے مراد خدا تعالیٰ کے نزدیک محدثیت ہے اور یہی خدا کا حکم یعنی فیصلہ ہے اپنے لئے نبی اور رسول کی تاویل محدث کی۔ پس اپنی نبوت کو محدثیت تک محدود قرار دینا ایک اجتہادی امر تھا۔

لیکن 1901ء کے قریب آپ پر یہ انکشاف ہو گیا کہ آپ کو اب اس تاویل کی ضرورت نہیں بلکہ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے صریح طور پر نبی کا خطاب دیا گیا ہے۔ جب یہ حقیقت آپ پر منکشف ہوئی تو آپ نے اشتہار ایک غلطی کا ازالہ میں یہ اعلان فرما دیا کہ آپ کو محض محدث قرار دینے سے آپ کی پوری شان کا

اظہار نہیں ہوتا۔ کیونکہ محدث کے معنی اظہارِ امر غیب نہیں بلکہ نبی کے لفظ سے ہی آپ کی پوری شان کا اظہار ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں آپ پر منکشف ہو گیا کہ آپ کو محدث خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں معنوں میں قرار دیا گیا تھا۔ جن معنوں میں ہر نبی محدث ہوتا ہے۔ یعنی خدا کی ہمکلامی کا شرف رکھنے والا، چنانچہ حمامۃ البشریٰ میں آپ نے صاف یہ لکھا تھا:-

”اس بات کا کہنا جائز ہے کہ نبی علی وجہ الکمال محدث ہے۔ اسی طرح جائز ہے کہ ہم کہیں محدث استعدادِ باطنی کی وجہ سے نبی ہے کیونکہ محدث بالقوہ نبی ہے اور کمالاتِ نبوت سب محدثیت میں مخفی اور مضمحل ہوتے ہیں۔“

(ترجمہ عربی عبارت حمامۃ البشریٰ روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 300)

پس اس تبدیلی عقیدہ کے بعد بھی آپ کو محدث علی وجہ الکمال کہنا جائز ہے۔ البتہ آپ کی نبوت کو محدثیت تک محدود رکھنا جائز نہیں۔ پس یہ تبدیلی جو واقع ہوئی ہے یہ بھی خدا تعالیٰ سے صریح طور پر نبی کا خطاب پانے کے انکشاف کے باعث ہے۔ لہذا آپ کے کلام میں کوئی حقیقی اور معنوی تناقض موجود نہیں۔ صرف ایک تاویل کا لفظی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی لئے آپ نے ایک اشتہار ایک غلطی کے ازالہ میں یہ بھی تحریر فرمایا:-

”جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے

خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔“

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 210-211)

اس سے ظاہر ہے کہ دونوں زمانوں کی عبارتوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت و رسالت میں معنوی طور پر توافق اور تطابق ہے کوئی اختلاف نہیں۔ (اختلاف صرف محدث کی تاویل اختیار کرنے میں ہے۔ اور وہ بھی وحی الہی کے باعث اس قسم کا تدریجی انکشاف کسی مامور من اللہ کے دعویٰ میں ہرگز قابل اعتراض نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ انبیاء کا تدریجی طور پر مقام نبوت پانا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”راہ دیگر آنست کہ بتوسط حصول ایں کمالات ولایت وصول بکمالات

نبوت میسر می گردد و ایں راہ دوم شاہراہ است و اقرب است بوصول و ہر کہ

بکمالات نبوت رسیدہ است الا ماشاء اللہ تعالیٰ بایں راہ رفتہ است از انبیائے

کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام و از اصحاب کرام ایشاں بہ تبعیت و وراثت۔“

(مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول مکتوب 301 صفحہ 141 مطبوعہ روف اکیڈمی لاہور)

یعنی دوسری راہ کمالات نبوت پانے کی یہ ہے کہ کمالات ولایت حاصل کرنے کے واسطے سے کمالات نبوت کا حاصل کرنا میسر ہو یہ شاہراہ ہے اور کمال نبوت تک پہنچنے میں قریب ترین راہ ہے۔ والا ماشاء اللہ۔ اسی راہ پر بہت سے انبیاء اور ان کے اصحاب ان کی پیروی اور وراثت سے چلے ہیں۔

پس جب پہلے ولایت کے مقام پر پہنچ کر ولایت یعنی محدثیت حاصل کرنے کے بعد کئی انبیاء (بقول مجدد الف ثانی) نبوت کے مقام پر پہنچے ہیں اور اسی طرح مقام نبوت انہوں نے تدریجاً حاصل کیا ہے تو اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اپنی نبوت کی پوری شان ظاہر ہونے میں تدریج پائی گئی تو یہ کیونکر قابل اعتراض ٹھہر سکتی

ہے۔ جب کہ مصلحت اور حاکم الہی کا تقاضا یہ تھا کہ فیضان میں رسول لریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ثابت کیا جائے اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا۔

”خدا تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

افاضہ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کیلئے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپ کے فیض کی

برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا اس لئے میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا

بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔ اور میری نبوت آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کی ظن ہے نہ کہ اصلی نبوت (یعنی تشریحی نبوت۔ ناقل) اسی وجہ

سے حدیث اور میرے الہام میں جیسا کہ میرا نام نبی رکھا گیا ایسا ہی میرا نام

امتی بھی رکھا ہے تا معلوم ہو کہ ہر ایک کمال مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

اتباع اور آپ کے ذریعہ سے ملتا ہے۔“

(ہیۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 154 حاشیہ)

احمدیوں کے دونوں فریق میں لفظی نزاع

احمدیوں کے لاہوری فریق سے ہمارا اتحاد نہایت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہم میں اور اُن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے بارہ میں صرف ایک لفظی نزاع ہے دونوں فریق میں اس بارہ میں میرے نزدیک کوئی حقیقی نزاع نہیں۔ دونوں آپ کو اپنے دعاوی میں صادق مانتے ہیں۔ نزاع کے لفظی ہونے کی وجہ درج ذیل ہے:-

- 1- لاہوری فریق اس بات کا قائل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے آپ کے بعد کوئی تشریحی نبی نہیں آ سکتا۔ اس بارہ میں ہمارا اُن سے پورا اتفاق ہے۔
- 2- لاہوری فریق یہ مانتا ہے کہ آیت خاتم النبیین کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی مستقل نبی نہیں آ سکتا۔ ہم اس بات میں بھی ان سے پورے متفق ہیں۔
- 3- لاہوری فریق کو اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان کے الہامات میں نبی اور رسول کہا گیا ہے اور ہم ان سے اس بات میں بھی متفق ہیں۔
- 4- لاہوری فریق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نبی اور رسول ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ مامور من اللہ ہیں اور آپ پر بکثرت امور غیبیہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اظہار ہوتا رہا ہے۔ ہم لاہوری فریق سے نبی کے ان معنی میں بھی پورے طور پر متفق ہیں۔

5- لاہوری فریق یہ کہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک پہلو

سے نبی اور ایک پہلو سے امتی ہیں نہ کہ صرف نبی ہم اس بارہ میں بھی
لاہوری فریق سے پورا اتفاق رکھتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور اس کے
معنی اور کیفیت کے متعلق دونوں فریق ایک ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

جزوی اختلاف

ہم دونوں فریق میں صرف ایک جزوی اختلاف پایا جاتا ہے۔ جو یہ ہے کہ:-
لاہوری فریق یہ کہتا ہے کہ آپ نبوت کا شعبہ قویہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور
حدیث صحیح مسلم کا لفظ ”نبی اللہ“ آپ پر صادق آتا ہے مگر آپ کی نبوت محدثیت تک
محدود ہے اور ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ علی وجہ الکمال محدث ہیں جو نبی ہی ہوتا
ہے۔ لہذا آپ کا مقام نبوت محض محدث کے مقام سے بالا ہے۔ یہ محض لفظی نزاع
ہے۔ کیونکہ ہم دونوں فریق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی اور رسول بھی جانتے
ہیں اور ہمیں اس نبی اور رسول کے معنی میں بھی اتفاق ہے اور ہم دونوں فریق آپ کو
تشریحی اور مستقل نبی نہیں جانتے بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی
جانتے ہیں۔ مگر اشتہار ایک غلطی کا ازالہ کی روشنی میں ہم آپ کی نبوت کو محض محدثیت
نہیں سمجھتے کیونکہ ایسا کہنے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے منع فرمایا ہے۔ اور اپنا
مقام یہ قرار دیا ہے:-

”خود حدیثیں پڑھتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی امت میں اسرائیلی نبیوں کے مشابہ لوگ پیدا ہوں گے اور ایک ایسا ہوگا
کہ ایک پہلو سے نبی ہوگا اور ایک پہلو سے امتی۔ وہی مسیح موعود کہلائے گا۔“
(ہقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 104 حاشیہ)

نیز فرماتے ہیں:-

”اس امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزار ہا اولیاء ہوئے ہیں اور ایک وہ بھی ہوا جو امتی بھی ہے اور نبی بھی۔“

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 30 حاشیہ)

نیز حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 406-407 پر لکھتے ہیں:-

”غرض اس حصہء کثرو وحی الہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جاتی کیونکہ اگر دوسرے صلحاء جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں وہ بھی اسی قدر مکالمہ و مخاطبہ الہیہ اور امور غیبیہ سے حصہ پالیتے تو وہ نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے۔ تو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں ایک رخنہ واقع ہو جاتا اس لئے خدا تعالیٰ کی مصلحت نے اُن بزرگوں کو اس نعمت کو پورے طور پر پانے سے روک دیا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہو گا وہ پیشگوئی پوری ہو جائے۔“

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 406-407)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام کا مقام نبوت ایک مخصوص مقام ہے جو کہ اب تک کسی محدث امت کو حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ صرف آپ

کو ہی ساری امت میں سے اس وقت تک یہ مقام حاصل ہوا ہے۔

پس ہمارے نزدیک یہ مقام نبوتِ محدثیت والی جزوی نبوت سے بالا ہے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک اس وقت تک ایسا نبی جو ایک پہلو سے امتی بھی ہو صرف ایک ہی شخص گزرا ہے جو مسیح موعود ہے اور دوسرے صلحاء میں نبی کا نام پانے کی شرط جو امور غیبیہ کو بکثرت پاتا ہے پورے طور پر پائی نہیں گئی لہذا اگر دوسرے صلحاء نبی کا نام پالیتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں رخنہ واقع ہو جاتا۔ پس ان حوالہ جات کی روشنی میں آپ کو عام محدثین کی طرح محض محدث سمجھنا جائز نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ میں فرمایا ہے:-

”امتِ محمدیہ میں محدثیت کا منصب اس قدر بکثرت ثابت ہوتا ہے۔ جس سے انکار کرنا بڑے غافل اور بے خبر کا کام ہے۔ اس امت میں آج تک ہزار ہا اولیاء اللہ صاحب کمال گزرے ہیں جن کی خوارق اور کرامات بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ثابت اور محقق ہو چکی ہیں۔“

(براہین احمدیہ چہار حصہ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 653 حاشیہ)

پس اولیاء اللہ یا بالفاظ دیگر محدثین تو امتِ محمدیہ میں ہزار ہا گزرے ہیں اور ان میں سے امور غیبیہ بکثرت پانے کی وجہ سے صرف مسیح موعود علیہ السلام کو خدا اور رسول کی طرف سے نبی کا نام دیا گیا ہے۔

لہذا یہ امر اس بات کی روشن دلیل ہے کہ مسیح موعود کا مقام نبوت میں محض محدث سے بالا ہے۔ یہ وہ بات ہے جس سے ہمارے لاہوری دوستوں کو انکار نہیں کرنا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہمارے اور لاہوری فریق کے درمیان محض ایک لفظی نزاع ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بوجہ نبوت علی وجہ الکمال محدث جانتے ہیں اور

لاہوری فریق آپ کی نبوت کو محدثیت تک محدود قرار دیتا ہے۔ اگر ہمارے یہ دوست مندرجہ بالا عبارتوں سے صحیح استفادہ کریں تو بے شک وہ مسیح موعود علیہ السلام کو محدث کہیں مگر انہیں نبوت میں آپ کا مقام تمام محدثین امت سے بالا سمجھنا چاہیے۔ آخر علی وجہ الکمال محدث تو ہر نبی ہوتا ہے۔ پس ہم میں اور ان میں لفظی جھگڑا رہ گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی ہونے کی وجہ سے علی وجہ الکمال محدث ہیں یا آپ کی نبوت محض محدثیت تک محدود ہے۔ اس سے بالا نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان بھی جو ابھی آپ کو نہیں مانتے نبوت کے بارہ میں ایک لفظی نزاع ہی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آپ تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ 503 پر تحریر فرماتے ہیں:-

”یہ کہنا کہ نبوت کا دعویٰ (یعنی صرف نبی ہونے کا۔ ناقل) کیا ہے کس قدر جہالت کس قدر حماقت اور کس قدر حق سے خروج ہے۔ اے نادانو میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمات و مخاطبت الہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے..... (یعنی یہ فرما رہے ہیں کہ میرا دعویٰ ایسی نبوت کا ہے جس کے لئے امتی ہونا ضروری ہے۔ ناقل) پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی۔ یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ مخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الہی نبوت رکھتا ہوں۔ وَلِكُلِّ أَنْ يَصْطَلِحَ“۔
(تتمہ حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 503)

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان مسئلہ نبوت میں صرف ایک لفظی نزاع قرار دیتے ہیں۔ نہ کہ حقیقی نزاع تو

لاہوری فریق سے ہماری بدرجہ اولیٰ لفظی نزاع ہوئی کیونکہ وہ ہماری طرح اس بات کے قائل ہیں۔

حضرت مسیح موعود خدا تعالیٰ کی طرف سے یعنی مامور من اللہ ہونے کے دعویٰ میں سچے ہیں اور امت کے لئے مہدی معبود مسیح موعود ہیں اور خدا تعالیٰ نے آپ کا نام نبی اور رسول بھی رکھا ہے۔

مندرجہ بالا حوالہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل نبی ہونے کا نہیں بلکہ اتباع نبوی میں خدا کے حکم سے نبوت پانے کا دعویٰ ہے۔ پھر چشمہء معرفت میں آپ فرماتے ہیں:-

”خدا کی یہ اصطلاح ہے جو کثرت مکالمات و مخاطبات کا نام اس نے

نبوت رکھا ہے۔“ (چشمہء معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 341)

لہذا خدا کی اصطلاح میں آپ نبی ہیں مگر مسلمانوں کی معروف اصطلاح میں آپ کا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں۔ اس اصطلاح کے متعلق آپ نے لکھا ہے:-

”اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ

کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا

نئی سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا

سے تعلق رکھتے ہیں“ (مکتوب 17 اگست 1899)

ان معنی میں نبی ہونے سے آپ کو شروع دعویٰ سے لے کر آخر تک ہمیشہ

انکار رہا ہے اور اس جگہ اسلام کی اصطلاح سے مراد مسلمانوں کی عرفی اصطلاح ہے

نہ کہ خدا کی اصطلاح۔ خدا کی اصطلاح میں تو آپ اپنے تئیں نبی قرار دیتے ہیں

اور درحقیقت اسلام کی کوئی اصطلاح خدا کی اصطلاح سے مختلف نہیں ہو سکتی۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے لاہوری فریق کے دوست دیر تک روٹھے رہنے

کے بعد آپس میں مل جائیں آخر وہ چھ سال تک حضرت مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ کو حضرت مسیح موعودؑ کے بعد واجب الاطاعت خلیفہ تسلیم کرتے رہے ہیں۔ تو اب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث سے آملنے میں کوئی روک نہیں ہونی چاہیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الوصیت میں خلافت کو قدرتِ ثانی کا نام دیا ہے اور بطور مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر فرمایا۔ اور جماعت احمدیہ میں سنتِ قدیمہ کے مطابق اس قدرتِ ثانی کے لئے یہ پیشگوئی کی کہ اس کے کئی مظاہر ہوں گے اور اس کا سلسلہ قیامت تک چلے گا۔ پس ان بھائیوں کو بھی قدرتِ ثانی کے تمام مظاہر کو مان لینا چاہیے تا سب اکٹھے ہو کر خدمتِ اسلام کریں۔ خدا کی قدرتِ ثانی کا رد کرنا محرومی ہے۔ انہیں اس محرومی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ انہیں اس کی توفیق دے۔ اَللّٰهُمَّ آمِیْن۔

اعترض ہشتم

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ تورات میں ہے کہ ایک مرتبہ چار سونبیوں کو شیطانی الہام ہوا یہ نبی بعل بُت کے پجاری تھے نہ کہ ایماندار۔

(1۔ سلاطین باب 16)

الجواب

حضرت مسیح موعودؑ نے بعل بُت کے پجاری نبیوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ تحریر فرمایا ہے:-

”مجموعہ تورات میں سلاطین اول باب بائیس آیت انیس میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چار سونبی نے اس کی فتح کے بارے میں پیشگوئی کی وہ جھوٹے ہوئے اور بادشاہ کو شکست ہوئی۔“ (ازالہ اوہام طبع سوم صفحہ 257)

پھر اپنی کتاب ضرورۃ الامام میں انہی چار سونبیوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔
 ”بائبل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سونبی کو شیطان الہام ہوا تھا اور ایک
 پیغمبر کو جبرائیل سے الہام ہوا تھا۔..... سو یہ خوشخبری سچی نکلی اور ان چار سونبیوں کی
 پیشگوئی جھوٹی نکلی۔“ (ضرورۃ الامام صفحہ ۱۷، ۱۸)

یہ سب کچھ سلاطین باب 22 آیت 19 میں لکھا ہوا موجود ہے۔ بائبل
 کے محاورہ میں پیشگوئی کو نبوت کہتے ہیں اور انہیں پیشگوئی کرنے والے معنوں میں
 نبی کہہ دیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ باب 16 والے بعل کے پجاری نبی 400 نہ تھے
 بلکہ 450 تھے (ملاحظہ ہو 1۔ سلاطین $\frac{18}{22}$) پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے
 ان کا ذکر نہیں فرمایا۔

تورات و انجیل میں طاعون کی پیشگوئی

اعتراض نہم

مرزا صاحب نے کشتی نوح میں لکھا ہے کہ تورات و انجیل میں مسیح کی آمد کے
 وقت طاعون کی پیشگوئی کا ذکر ہے اس کا حوالہ دیا جائے۔

الجواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے لئے انجیل متی $\frac{24}{8}$ کا حوالہ دیا ہے۔
 انجیل مطبوعہ 1857ء میں متی $\frac{24}{8}$ میں مسیح کی ایک نشانی ”مری پڑتا“ بھی بیان
 کی گئی ہے لیکن افسوس بعد میں عیسائیوں نے اس عبارت کو اردو انجیل متی سے نکال
 دیا مگر انگریزی ایڈیشن میں یہ عبارت موجود ہے۔ انجیل لوقا $\frac{21}{10}$ پر بھی یہ پیشگوئی

موجود ہے کہ جا بجا کال اور مری پڑے گی۔ توریت میں بھی زکریاہ $\frac{14}{12}$ میں میں طاعون کی پیشگوئی موجود ہے۔ انگریزی بائبل میں تو لفظ پلگ PLAGUE بھی موجود ہے لکھا ہے:-

AND THIS SHALL BE THE PLAGUE
WHERE WITH THE LORD WILL SMITE THE
PEOPLE.

یعنی پلگ ہوگی جس سے خدا تعالیٰ کے گھر کے خلاف لڑائی کرنے والوں کو خدا ہلاک کر دے گا۔

اعتراض دہم

قرآن وحدیث میں طاعون کی پیشگوئی کا کوئی ذکر نہیں مگر مرزا صاحب نے قرآن وحدیث میں بھی طاعون کی پیشگوئی موجود ہونے کا ذکر کیا ہے۔

الجواب

قرآن مجید میں ہے وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ۔ (النمل: 83) یعنی جب اتمام حجت ہو جائے گی تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک کیڑا نکالیں گے جو ان کو کالے گا۔ کَلِمَةً تَكَلِّمًا کے معنی لغت عربی میں جَوَّحَهُ بھی ہیں یعنی اس نے اسے زخمی کیا۔ (المنجد)

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَ قَرَأَ تَكَلِّمُهُمْ مِنَ الْكَلِمِ وَهُوَ الْجُرْحُ وَالْمُرَادُ بِهِ الْوَسْمُ۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قراءۃ تکلم سے مراد ہے کہ وہ کیڑا ان کو کالے گا اور زخم پہنچائے گا۔ (بحار الانوار جلد 13 صفحہ 232) حدیث میں ہے فَيَسِرُ غَبُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَ أَصْحَابُهُ فَيُرْسِلُ اللَّهُ

عَلَيْهِمُ النَّغْفَ فِي رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُونَ فَرُسَى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ۔

(مسلم جلد نمبر 2 کتاب القتن ذکر صفۃ الدجال صفحہ 277 مصری)

یعنی خدا کا نبی مسیح موعود اور اس کے صحابی خدا کی طرف متوجہ ہوں گے تو خدا تعالیٰ ان کے مخالفوں کی گردنوں میں ایک پھوڑا ظاہر کرے گا۔ وہ صبح کو ایک آدمی کی موت کی طرح ہو جائیں گے۔

بحار الانوار میں ایک حدیث ہے قدام القائم موتان موت أحمر و موت أبيض . الْمَوْتُ الْأَحْمَرُ السَّيْفُ وَالْمَوْتُ الْأَبْيَضُ الطَّاعُونَ۔

(بحار الانوار جلد 13 صفحہ 156)

یعنی امام مہدی کی علامات میں ہے کہ اس کی عام قبولیت سے پہلے دو موتیں ہوں گی سرخ موت اور سفید موت۔ سرخ موت تو تلوار ہے اور سفید موت طاعون ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

”یہی طاعون ہے اور یہی وہ دابة الارض ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں ہم اس کو نکالیں گے اور وہ لوگوں کو اس لئے کاٹے گا کہ وہ ہمارے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ۔ اور جب مسیح موعود کے بھیجنے سے خدا کی حجت اُن پر پوری ہو جائے گی تو ہم زمین میں سے ایک جانور نکال کر کھڑا کریں گے وہ لوگوں کو کاٹے گا اور زخمی کرے گا اس لئے کہ لوگ خدا کے نشانوں پر ایمان نہیں لائے تھے۔

(نزول المسیح - روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 415، 416)

ایضاً صفحہ 43 پر ہے:-

”یہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا کہ وہ دابۃ الارض یعنی طاعون کا کیڑا زمین میں سے نکلے گا اس میں یہی بھید ہے کہ تا وہ اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ وہ اُس وقت نکلے گا کہ جب مسلمان اور ان کے علماء زمین کی طرف جھک کر خود دابۃ الارض بن جائیں گے۔ ہم اپنی بعض کتابوں میں یہ لکھ آئے ہیں کہ اس زمانہ کے ایسے مولوی اور سجادہ نشین جو متقی نہیں ہیں اور زمین کی طرف جھکے ہوئے ہیں یہ دابۃ الارض ہیں اور اب ہم نے اس رسالہ میں یہ لکھا ہے کہ دابۃ الارض طاعون کا کیڑا ہے۔ ان دونوں بیانون میں کوئی شخص تناقض نہ سمجھے۔ قرآن شریف ذوالمعارف ہے اور کئی وجوہ سے اس کے معنی ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد نہیں۔“ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 421)

پھر فرماتے ہیں:-

”یاد رہے کہ اہل سنت کی صحیح مسلم اور دوسری کتابوں اور شیعہ کی کتاب اکمال الدین میں بتصریح لکھا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں طاعون پڑے گی بلکہ اکمال الدین جو شیعہ کی بہت معتبر کتاب ہے اُس کے صفحہ ۳۴۸ میں..... لکھا ہے کہ یہ بھی اس کے ظہور کی ایک نشانی ہے کہ قبل اس کے کہ قائم ہو یعنی عام طور پر قبول کیا جائے دنیا میں سخت طاعون پڑے گی۔“

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 396، 397)

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ